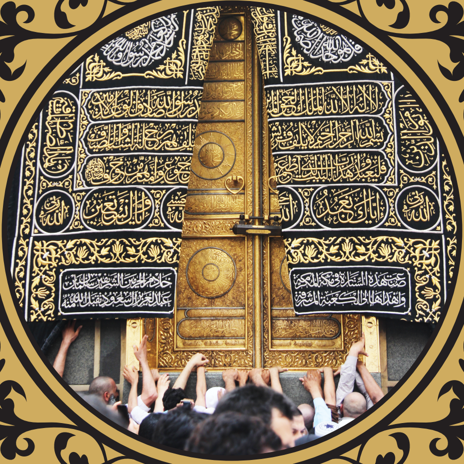

رب کے در پر

(اسماء وصفات سیریز)

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

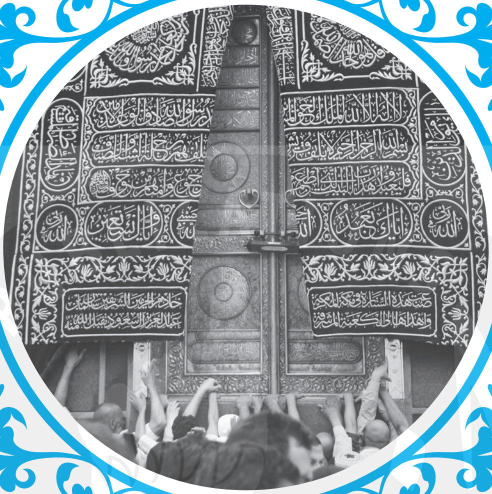

رب کے در پر

(اسماء وصفات سیریز)

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب	:	رب کے در پر (اسماء وصفات سیریز)
مصنفہ	:	نگہت ہاشمی
طبع اول	:	اگست 2019ء
تعداد	:	1100
ناشر	:	النور انٹرنیشنل
لاہور	:	59C/2، لنک فیروز پور روڈ، لاہور
فون نمبر	:	0336-4033045, 042-37500048, 042-37500049
کراچی	:	گراؤنڈ فلور کراچی ریزیڈنسی نزد بلاول ہاؤس، کلفٹن بلاک II، کراچی
فون نمبر	:	0336-4033034 - 021-35292341-42
فیصل آباد	:	121A فیصل ٹاؤن ویسٹ کینال روڈ فیصل آباد
فون نمبر	:	03364033050 041-8759191
ای میل	:	sales@alnoorpk.com
ویب سائٹ	:	www.alnoorpk.com
فیس بک	:	Nighat Hashmi, Alnoor International

فہرست

اگر اللہ تعالیٰ نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے	9
تجھے یادوں میں بسانا ہے	17
نکلے تیری تلاش میں	39
تجھے دل میں بسانا ہے	61
اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے	89
اللہ سبحانہ وتعالیٰ الرزاق ہے	127
اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے	157
اے زندہ رہنے والے، اے قائم رہنے والے	183
اللہ سبحانہ وتعالیٰ گناہوں کو معاف کرنے والا ہے	199
العظیم، الباسط، القابض، الظاہر، الباطن	221
العفو، الباری، الاول، الآخر، اوّلظاہر، الباطن، الرب، الحیی	241
اسماء وصفات الٰہی	265

ALNOOR-PUBLICATIONS

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

زیرِ نظر کتاب کا مشترک موضوع رب کے در پر ہے۔ اس کتاب میں اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اس کے اسماء وصفات پر غور وفکر سے متعلق ابواب شامل کیے گئے ہیں۔ کائنات اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔ دنیا میں زندگی کی سرگرمیاں اس بات کا اعلان ہیں کہ اس دنیا کا پیدا کرنے والی ایک زندہ ہستی ہے۔ خلا کی وسعتیں اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہیں کہ کائنات کا خالق ایک لامحدود ہستی ہے۔ وہ اپنی ذات وصفات میں وسعتیں رکھنے والا ہے۔ سورج آنکھیں کھولتا ہے تو سب چھپی ہوئی چیزیں دکھائی دینے لگتی ہیں جو اس چیز کا اظہار کرتی ہیں کہ سورج کا پیدا کرنے والا اپنی آنکھوں سے سارے جہان کو دیکھتا ہے۔ انسان اپنے پیدا کرنے والے کو نہیں دیکھتا اس لیے مخلوق کو اپنا معبود، اپنا الٰہ بنالیتا ہے۔ مومن وہ ہے جو اس حقیقت کو جان لے کہ جو کچھ نظر آرہا ہے وہ کسی کا پیدا کیا ہوا، کسی کا عطا کیا ہوا ہے۔ وہ مخلوق کو دیکھ کر خالق کو پالے اور اسے اپنا سب کچھ بنالے اور اپنے جذبات اس کے لیے نچھاور کر دے۔ وہ پھولوں کی مہک میں رب کی خوشبو پالے، وہ سورج کی روشنی میں رب کے نور کو پالے۔ مومن اور غیر مومن میں فرق یہ ہے کہ غیر مومن کی نظر مخلوق میں اٹک کر رہ جاتی ہے اور مومن کی نظر مخلوق سے گزر کر خالق تک جا پہنچتی ہے۔ غیر مومن مخلوق کے حسن میں گم ہو جاتا ہے۔ اور مومن مخلوق میں خالق کے حسن کو دیکھ لیتا ہے اور اپنے آپ کو خالق کے آگے بچھا دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اندر ایک لامتناہی تلاش کا جذبہ ہے جس کے تحت وہ ایسی چیز کی تلاش میں رہتا ہے جس کو اس نے نہیں پایا۔ اس کی کوئی کامیابی اس کو مستقل مطمئن

نہیں کرتی، اس کی کوئی ناکامی اس کی تلاش کو ختم نہیں کر پاتی۔ جو انسان کو تلاش ہے وہ انسانی سرگرمیوں کی قوت محرکہ ہے اگر یہ تلاش، یہ طلب نہ ہو تو زندگی کی ساری سرگرمیاں ختم ہو جائیں۔ اس طلب کو فرائڈ نے ناحق جنسی خواہش سے تعبیر کیا۔ میک ڈوگل نے غلط طور پر کہا کہ یہ انسان کی تمام حیوانی جبلتوں کے مخلوطہ کا ایک پراسرار نتیجہ ہے، مارکس نے اسے ناحق معاشی خواہش قرار دیا، ایڈلر نے غلط طور پر اسے حصول طاقت کی خواہش قرار دیا۔ سچی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو یہ سب کچھ پوری طرح ملا وہ بھی مطمئن نہیں ہو سکے۔ ان کی روح بھی بے قرار تڑپتی رہی جیسے ان چیزوں سے محروم لوگ بے قرار رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تلاش، یہ طلب رب کی، خالق کی، الٰہ کی، معبود کی طلب ہے۔ جس کو پانے کے لئے انسان بے قرار رہتا ہے وہ تو اس کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہی تو ہے جو اس کی روح میں سمایا ہوا ہے۔ وہ اسی تلاش میں جس چیز کی طرف بھاگتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ شاید مجھے اسی کی تلاش تھی۔ مگر جب وہ اسے پالیتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ چیز نہیں جس کی اسے تلاش تھی۔

اس دنیا میں انسان کو جس کی تلاش ہے وہ اس کا خالق، اس کا مالک، اس کا رب ہے۔ انسان کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ وہ اپنے پاس اپنے رب کی موجودگی کو محسوس کر لے۔ اگر انسان کا احساس زندہ ہو تو وہ درختوں کی ہریالی میں، چھن چھن کر آتی چاندکی چاندنی میں، سورج کی سنہری کرنوں میں، ہواؤں کے لطیف جھونکوں میں اپنے رب کی موجودگی کو محسوس کر لے گا۔ وہ ربانی تجربہ کر لے گا تو زمین پر سر رکھتے ہوئے اسے محسوس ہوگا کہ اس نے اپنے رب کے قدموں میں سر رکھ دیا ہے۔

رب العزت نے فرمایا: ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے“ (نور:35) اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے نور سے روشن ہے جس انسان کو اللہ تعالیٰ حساسیت عطا فرما دی وہ ہر طرف اللہ تعالیٰ کے نور کو دیکھے

گا، ہواؤں میں، دریاؤں میں، پہاڑوں میں، سمندروں میں، فضاؤں میں، پھولوں میں، پھلوں میں، صحراؤں میں، جنگلوں میں ہر چیز اس کے لیے ایمانی رزق کا دسترخوان بن جائے گی۔

ہر انسان تلاش میں ہے، وہ سکون اور اطمینان چاہتا ہے جس کا مرکز صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے۔ جو اس کا رب ہے۔ رب جلیل و کریم کی ذات ہی انسان کی منزل ہے۔ دنیا میں کامیاب وہی ہے جو اپنے رب کے ساتھ وابستہ ہو کر اسے اپنا سب کچھ بنا لیتا ہے اور اپنے نامکمل وجود کو مکمل کرتا ہے۔ اسے زندگی دینے والا ہی ہے جو اسے بتاتا ہے کہ اسے لوگوں کے درمیان کس طرح رہنا ہے اور کس طرح نہیں رہنا ہے۔ جو اسے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ جو اسے وہ راستہ دکھاتا ہے جس پر چل کر وہ بھٹکے بغیر اپنی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔

انسان اپنے پورے وجود کے اعتبار سے ایک اعلیٰ و برتر ذات کی تلاش میں ہے جو اس کی خامیوں کی تلافی کر سکے۔ اسماء حسنیٰ اس کی تلاش کا جواب ہیں۔ رب العزت نے فرمایا ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ ''اور سب سے اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں سو اسے ان کے ساتھ پکارو'' (اعراف:180) نام سے مراد نام نہیں بلکہ اس کی صفات (Attributes) ہیں یعنی تمام اچھی صفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہ نام انسان کی نسبت سے اس کا تعارف ہیں۔ جو انسان اسماء حسنیٰ کو پوری معنویت کے ساتھ جان لیتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جس کی تلاش میں تھا اسے اسماء حسنیٰ کی صورت میں مل گیا۔ اسماء حسنیٰ کے ذریعے انسان کو ایک متعین راہ نمائی مل جاتی ہے جس کے ساتھ ہم اللہ تعالیٰ کی ہستی کو تصور میں لا سکتے ہیں۔ اور اس سے ذہنی، قلبی اور روحانی رشتہ قائم کر سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم میں جب یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اچھے نام ہیں تو فوراً ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اسے ان ناموں سے پکارو۔

انسان اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اس کی ہر احتیاج کا جواب

ان ناموں کے اندر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے نام انسان کو ہر موڑ پر راہ نمائی دیتے ہیں۔ انسان کے اندر جب کوئی جذبہ بے دار ہوتا ہے کہ کوئی ہو جو اسے ہدایت دے تو وہ پکار اٹھتا ہے اے ہادیٔ برحق! تو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ تو ہی ستاروں کو راستہ دکھاتا ہے، بھٹکے ہوؤں کو منزل تک پہنچاتا ہے تو مجھے بھی اپنی خاص رحمت سے ہدایت عطا فرما۔

انسان جہاں بے بس محسوس کرتا ہے وہ رب کے در پر اس کا کوئی نام پالیتا ہے جس کے حوالے سے وہ پکار اٹھتا ہے کہ اے جہانوں کے پالنے والے، ساری کائنات کے رازق، سمندروں میں مچھلیوں کو، فضاؤں میں پرندوں کو، زمین کی تہوں میں حشرات کو رزق دینے والے تو مجھے رزق عطا فرما۔

اسماء حسنیٰ رب کی رحمت کے دروازے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان دروازوں کو کھولا ہے تاکہ ہم ان کے راستے سے گزر کر رب کی رحمتوں کی دنیا میں پہنچ جائیں۔ اسماء حسنیٰ ہمیں رب سے جوڑتے ہیں۔ ہمیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ وہی تو ہے جسے یادوں میں بسانا ہے، وہی تو ہے جس کی تلاش میں نکلنا ہے، اسے دل میں بسانا ہے، اس کی رحمت کو پانا ہے، وہی ہمارا رب ہے، اسی کے در پر جانا ہے۔ الٰہی! تو ہمیں قبول فرما لے۔ آمین

نگہت ہاشمی

اگر اللہ تعالیٰ نہ ہوتا تو
ہم ہدایت نہ پاتے

ALNOOR-PUBLICATIONS

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین جہانوں کے بادشاہ نے موقع دیا ہے اس کام کا جو اس کے چنے ہوئے منتخب بندوں نے کیا۔ وہ بے نیاز ہے، وہ عظیم ہے، وہ حلیم ہے، وہ رحیم ہے، وہ کریم ہے، وہ ان لوگوں کو بھی موقع دیتا ہے جو چنے ہوئے بندوں کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہیں۔ آج موقع ہے دلوں میں اس ذات کی محبت کا بیج کاشت کرنے کا جو اس کائنات کی اصل ہے۔ وہی تو ہے جس کی وجہ سے ہم ہیں۔ وہ نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿اَللّٰھُمَّ لَوۡلَا أَنۡتَ مَا اھۡتَدَیۡنَا وَلَا تَصَدَّقۡنَا وَلَا صَلَّیۡنَا﴾

”اے اللہ اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ ہم صدقہ کرتے ۔ نہ ہم نماز پڑھتے ۔“ (بخاری:2837)

ہاں وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے۔ اس کے سوا ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے۔ وہی ہے جس نے ہر چیز کو تخلیق کیا۔ وہی ہر چیز کا مالک ہے، وہی رزق دیتا ہے، وہی ہر چیز کو راستہ دکھاتا ہے۔ وہ ہے، وہ تھا، وہ رہے گا۔ ہم نہیں تھے، اب ہیں، کل نہیں رہیں گے، پھر دوبارہ ہمیں پیدا کیا جائے گا۔ جو کچھ اس جہان میں ہو رہا ہے سب اسی کے ارادے سے ہے۔ اسی کا ارادہ اصل ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے اسی کی وجہ سے ہے، وہ نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا۔

وہی تو ہے جس کی وجہ سے ہر چیز کا وجود ہے
جس نے ہمیں ڈیزائن کیا اور زندگی جیسی دولت عطا کی
جس نے سارے رشتے تخلیق کیے ، جو رشتوں کا خالق ہے
جو رشتوں کی محبت کو بنانے والا ہے وہی رشتے جوڑنے کا حکم دیتا ہے

وہ کون ہے؟

وہ کیسا ہے؟

کیسے اس کو سوچیں؟

کیسے اس کا تصور باندھیں؟

کیسے اس سے محبت کریں؟

کیسے اس سے تعلق کو جوڑیں؟

﴿لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ﴾(الانعام:103)

''نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ سب نگاہوں کو پالیتا ہے۔''

دنیا میں انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ اپنے حواس سے دیکھ کر، سن کر، کسی چیز کو محسوس کر کے، کسی چیز کو چکھ کر، سونگھ کر اندازہ لگا تا ہے۔

لیکن! اللہ رب العزت کی ذات ایسی ہے جس کا حواس ادراک نہیں کر سکتے۔

پھر کیسے اس کے بارے میں جانیں؟

کیسے اس کے بارے میں تصور باندھیں؟

اسماء وصفات ہماری اس ضرورت کو پورا کرتے ہیں کہ وہ جو اعلیٰ ہے، عظیم ہے، وہ جو سب کچھ ہے، وہ جس کی وجہ سے سب کچھ ہے، اس کے بارے میں تصور باندھنے میں کامیاب ہوسکیں۔ انسان جس کا بھی تعارف حاصل کرنا چاہتا ہے اس کا کوئی حوالہ، اس کی شخصیت کا کوئی نقش اس کے ذہن میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور اس کے اسماء حسنیٰ، اس کی صفات حسنہ سے باندھا جاسکتا ہے۔

اسماء وصفات کے ان سیشنز میں کیا ہوگا؟

کیا ہم ہر نام پر غور وفکر کریں گے؟

کیا علمی سطح پر انہیں دیکھیں گے یا عملی سطح پر؟

اسماء وصفات کے ان سیشنز میں ہمارا مقصد یہ ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑنے کے قابل ہوسکیں۔اس کے لیے آپ کی کوششیں مستقل جاری رہیں گی۔

ہم جانتے ہیں کہ انسان حقیقت اعلیٰ کا متلاشی ہے۔انسان کو زندگی میں جو کچھ بھی ملتا ہے اس کو پانے کے بعد پھر اپنے اندر خلا پاتا ہے۔یہ خلا اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی چیز پُر نہیں کرسکتی ۔یہ ہماری بنیادی ضرورت ہے۔ہمیں اس رب نے ایسا پیدا کیا ہے کہ ہماری ذات کامل نہیں ہے۔یہ کائنات بھی کامل نہیں ہے جیسے اقبال کہتا ہے:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے صدائے کن فیکون

سائنس ہمیں یہ بتاتی ہے کہ گلیکسیز کی بھی نرسریز لگی ہوئی ہیں۔اُس کن کی وجہ سے جو رب العزت کا حکم تھا مستقل فیکون ہورہا ہے۔ایسے ہی انسان بھی پورا وجود رکھنے کے باوجود اپنے اندر ایسی روح رکھتا ہے جس کے بارے میں رب العزت نے فرمایا:

﴿وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي﴾ (ص:72)

''اور اُس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں۔''

اب آپ سوچیے اس روح میں کتنی قوت ہے اور زندگی بہت محدود ہے۔اس محدود زندگی میں اس پوری قوت کو استعمال نہیں کیا جاسکتا۔سائنس ہمیں بتاتی ہے انسان کا دماغ زیادہ سے زیادہ 3% استعمال ہوتا ہے۔جو قوتیں اللہ رب العزت نے دے رکھی ہیں ہم ان قوتوں کو بھی پوری طرح استعمال کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ذاتِ اعلیٰ کی تلاش کی جو طلب اللہ پاک نے ہمارے اندر رکھ دی ہے اس کی وجہ سے انسان کے اندر ہمیشہ خلا رہتا ہے۔اس خلا کو اسماء وصفات پُر کرتے ہیں۔ایک اعلیٰ ذات کا ماڈل جب انسان کے تصور میں آتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے اندر یقین کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ایک نیا انسان وجود میں آتا ہے جیسے اقبال کہتا ہے:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم

پہلی بات یقین کی ہے۔ اسماء و صفات کے بغیر وہ سچا یقین کسی کو نصیب نہیں ہوتا جس کی وجہ سے انسان مسلسل وہ عمل کرنے کے قابل ہوتا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ اسماء و صفات کے صحیح تصور کے بغیر انسان وہ سچی محبت کرنے کے قابل نہیں ہوتا جو اس کی فطری ضرورت ہے۔ وہ سچی محبت ایسی ہے جس کے بعد انسان کمال تک پہنچنے کے لیے کوشش کر سکتا ہے کیونکہ وہ محبت جو اپنے خالق سے ہوتی ہے اس محبت کی وجہ سے انسان کے اندر گداز پیدا ہوتا ہے، گنجائش پیدا ہوتی ہے، انسان اپنی ذات کی دلدل سے باہر آتا ہے اور اس کی وجہ سے ہی انسان کے اندر اعلیٰ صفات پیدا ہوتی ہیں۔ ان اعلیٰ صفات میں رحمت اور محبت ہے۔ پھر انسان اس قابل ہوتا ہے کہ ساری مخلوقات سے محبت کرے جیسی محمد رسول اللہ ﷺ نے کی۔ آپ ﷺ کے پاس کبھی کوئی اونٹ آنسو بہاتا ہے، کبھی کوئی کھجور کا تنا آنسو بہاتا ہے، کبھی آپ ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی شفقت ہمیں پودوں اور دوسرے جانوروں پر نظر آتی ہے۔ اسماء و صفات کی وجہ سے ہی ہم اس قابل ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ان کی حقیقت کو جان سکیں۔

رب العزت نے فرمایا:

﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ﴾(الانبیاء:107)

”اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے جہانوں کے لیے رحمت کرتے ہوئے۔“

رحمت بے لوث، بے غرض محبت کو کہتے ہیں۔ وہ انسان کمال کے کس درجے پر پہنچ گیا جس کو بے غرض محبت کرنے کا موقع مل گیا۔ بے لوث محبت یعنی رحمت بہت بڑی صفت ہے۔ انسان کے اندر جتنی تبدیلی آتی ہے اور وہ کمال کا جو سفر کرتا ہے دونوں اللہ تعالیٰ کی ذات کے تصور باندھنے اور اس پر یقین کی وجہ سے ہی کرتا ہے۔ جتنا یہ تعلق مضبوط ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ انسان اعلیٰ صفات کا حامل ہوتا ہے۔ ایک انسان اکیلا بھی ہو تو ان صفات کے

ساتھ پوری دنیا میں انقلاب لا سکتا ہے۔ ہاں وہ انقلاب جو آج تک دنیا کے لیے چیلنج بنا ہوا ہے، حرا سے ہی اس کا آغاز ہوا تھا اور کتنی خوب صورت چیز اس شعر میں کہی گئی:

اتر کر حرا سے سُوئے قوم آیا
پھر اِک نسخہ کیمیا ساتھ اپنے لایا

جانتے ہیں وہ نسخۂ کیمیا کون سا ہے؟
قرآن انسانیت کے کمال کا نسخہ ہے
کوئی انسان کیسے کمال تک پہنچ سکتا ہے؟

انسان اپنے اللہ سے جتنا غیر متعلق ہوتا ہے وہ یا تو تکبر اور گھمنڈ میں مبتلا ہوتا ہے یا ذلت اور پستی میں گھرا ہوا ہوتا ہے۔ دونوں باتیں ہی کمال کے منافی ہیں۔ دونوں ہی یہ ثابت کرتی ہیں کہ بندہ اپنی ذات کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ اسماء وصفات کی وجہ سے انسان اسیر ذات نہیں رہتا۔ وہ اس کائنات کی سب سے بڑی ہستی کا غلام بن جاتا ہے۔ اس ایک کے ساتھ تعلق کتنا نفع مند ہے۔ اس تعلق کے لیے ہم اسماء وصفات کو پڑھیں گے۔ بنیادی طور پر یہ پڑھنا نہیں ہے، یہ غور وفکر ہے۔ اس وقت آپ کو الفاظ کا علم نہیں دیا جا رہا۔ اس سفر میں اگر چہ الفاظ استعمال ہو رہے ہیں لیکن آپ سب ہمسفر ہیں۔ ان الفاظ کے ساتھ ساتھ آپ کی روح، آپ کی عقل، آپ کا قلب پوری طرح سے ساتھ ساتھ رواں دواں ہے۔ لیکن یہ ذہن میں رکھیۓ گا کہ اسماء وصفات کے سفر میں ہم سب ہمسفر ہیں، اکٹھے یہ سفر کر رہے ہیں اور یہ سفر وصول الی اللہ کا ہے، اللہ تعالیٰ سے محبت کا ہے۔ یہ سفر کمال کا ہے اور اس کائنات کی کامل ذات خالق ہے۔ الحمدللہ کمال والے سے تعلق اپنی زندگی کے نقائص کو دور کرنے میں مدد کرے گا۔ انسانیت کی منزل بھی تو وہی ذات ہے، ہم اسی کی تخلیق ہیں۔

وہ خالق ہے اور ہم مخلوق
وہ مالک ہے اور ہم مملوک

وہ رازق ہے اور ہم مرزوق

وہ ہادی ہے اور ہم اس کی ہدایت کے متلاشی ہیں، ضرورت مند ہیں

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ہمارے نقائص اور خرابیوں کے باوجود، ہماری ذات میں جہاں جہاں بھی کوتاہیاں ہیں اس کے باوجود ہمیں اپنی محبت عطا کردے۔ ہمیں اس سفر کو جاری رکھنے کی توفیق عطا کردے تاکہ ہم اس تلاش کا نتیجہ حاصل کرسکیں اور اس ذات سے تعلق بنانے میں کامیاب ہوسکیں۔ اس سفر میں کچھ لوگ بہت آگے نکل جائیں گے، کچھ درمیان میں ہوں گے اور کچھ پیچھے رہ جائیں گے۔ یہ سفر اکیلے نہیں ہوگا اس سفر میں وہ رب ہم سے کیا چاہتا ہے؟

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران:103)

”اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔“

لہٰذا ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر چلیں، سب کو ساتھ لے کر چلیں کیونکہ یہ تعلق ایسا ہے کہ جس میں سب ایک ہوں گے تو تبھی کامیاب ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿يَدُ اللّٰهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ﴾

”اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔“ (ترمذی:2166)

نماز کی بھی جماعت ہوتی ہے اور صفیں کامل رکھنے کا حکم بھی اسی لیے ہے کہ شیطان رخنہ نہ ڈالے۔ لہٰذا شیطان کو بیچ میں نہیں آنے دینا اور اپنے رب سے مدد مانگنی ہے۔ جو پھسلنے لگے، گرنے لگے اسے بچانا ہے اور ایک ہو کر آگے بڑھنا ہے۔

اسماء وصفات سیکھنا کیوں ضروری ہے؟

بار بار اس کو دہرانا ضروری ہوگا تاکہ پورے طریقے سے یقین کی منزل تک پہنچ سکیں

کیونکہ انسان جب کسی چیز کی ضرورت کو پوری طرح سے محسوس نہیں کرتا تو اس کے لیے وہ کوشش بھی نہیں کرتا۔ یقیناً اسماء وصفات اس قابل ضرور بنا دیتے ہیں کہ حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کا تصور اپنے ذہن میں باندھ سکیں۔ تو یہ تصوراتی ماڈل یقین تک پہنچا دیتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تصور باندھنے سے لوگ ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑنے میں کامیاب ہوئے ہیں اور حقیقی طور پر اپنے رب سے جڑے ہیں۔ یہ بات حوصلہ بندھاتی ہے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑنے میں کامیاب ہوں گے۔ وہ رحیم، وہ کریم ہمیں ضرور اپنے ساتھ جوڑ لے گا۔ ہم اسی کے غلام ہیں اور رہیں گے۔

﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ؕ‏ (٥) اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ (٦)﴾

''ہم صرف آپ کی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔'' (الفاتحہ:6,5)

ہم صرف آپ کی عبادت کرتے ہیں آپ کے غلام ہیں، ہم آپ کے ہیں، آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں، آپ ہمیں سیدھے راستے پر چلا دیجئے، جو سیدھا آپ تک پہنچاتا ہے۔ ان شاء اللہ وہ ہمیں اپنا تعلق ضرور دے گا جس کی وجہ سے زندگی کے اس صحرا میں بہار آئے گی اور یقیناً اس ذات کا تعلق ایسا ہی ہے۔

رات یوں دل میں تِری کھوئی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آ جائے
جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آ جائے

اللہ تعالیٰ کا ایک خیال بھی انسان کو کتنا نفع دے دیتا ہے، یہ غیر اللہ کا خیال نہیں ہے، اللہ رب العزت کا خیال ہے جو انسان کی زندگی میں رنگ بھر دیتا ہے۔

تجھے یادوں میں
بسانا ہے

ہم سب یہاں پر کیوں اکٹھے ہوئے ہیں؟

اپنے رب کے بارے میں جاننے کے لیے

اپنے رب سے تعلق بنانے کے لیے

اپنے رب سے مدد مانگنا سیکھنے کے لیے

اپنے رب سے محبت کرنے کے لیے

اپنے رب پر اعتماد کرنے کے لیے

اپنے رب کو ہمیشہ کے لیے اپنا سہارا بنانے کے لیے

رشتہ خوبصورت ہے اور مضبوط ہوسکتا ہے

یقیناً ہمیں اس رشتے کی مضبوطی چاہیے

اس دُعا کے ساتھ کہ ''اے اللہ! ہم سب تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتی ہیں، اور اس چیز کی محبت کا جو آپ کی محبت کے قریب کر دے، اور اس عمل کی محبت کا جو آپ کی محبت کے قریب کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے ہوئے آج کے اس سیشن کا آغاز کرتے ہیں۔ وہی تو ہے جس سے ہم دُعا کرتے ہیں کہ اے میرے رب! میرے سینے کو کھول دے، میرے کام کو آسان کر دے، میری زبان کی گرہ کو کھول دے، میری بات کو قابلِ فہم بنا دے۔

وہ قوت والا اور ہم بے زور　　　　وہ عظیم اور ہم حقیر

وہ جس کے ہاتھ میں ساری کائنات کی بادشاہت ہے، جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اُسی سے دُعا کے ساتھ ہم قوت پکڑتے ہیں۔ آج اور آئندہ آنے والے سیشنز میں ان شاءاللہ ہم یہ دیکھیں گے کہ:

اسماءوصفات کیا ہیں؟

اسماءوصفات کو پڑھنے کا مقصد کیا ہے؟

اسماءوصفات دراصل ہماری کس ضرورت کی تکمیل کرتے ہیں؟

کیا دنیا میں اسماءوصفات کے ماڈل کے مقابلے میں کوئی اور ماڈلز بھی پائے جاتے ہیں؟

وہ ماڈلز انسانی ضروریات کی کہاں تک تکمیل کرتے ہیں؟

اور اسماءوصفات ہمارے لیے کتنی بڑی دولت ہے؟

پھر ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کے حوالے سے اپنے تعلق کو دیکھیں گے۔

پہلی بات ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ:

اسماءوصفات کیا ہیں؟

'اسم' کی جمع 'اسماء' اور 'صفت' کی جمع 'صفات' ہے۔لہٰذا اسماءوصفات سے مراد ہے "اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفات"۔

اسماءوصفات دراصل انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کا مستند تعارف ہے۔اس کے ناموں اور اس کی صفات کے توسط سے حاصل کیا گیا تعارف یعنی ایسا تعارف جو انسان کے اپنے ذہن کی بنیاد پر نہیں ہے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کی پہچان کے لیے، اس سے تعلق کے لیے ہمیں اس کے ناموں اور اس کی صفات کی ضرورت ہے۔اللہ رب العزت نے انسان کو جو سب سے پہلا علم سکھایا ہے وہ اسماء کا علم ہے اور وہی انسان کے لیے مشعلِ راہ ہے۔انسان جس چیز کا بھی علم حاصل کرتا ہے وہ اسماء کے توسط سے حاصل کرتا ہے۔کوئی بے نام چیز اس کے ذہن میں نہیں رہتی لہٰذا وہ ہر چیز کو نام دیتا ہے۔

اسماء وصفات کا کردار کیا ہے؟

بندہ، جو مادے سے وجود میں آیا، مٹی کا بنا ہوا انسان، عظیم رب سے کیسے تعلق قائم کرسکتا ہے جب کہ نہ آنکھیں اسے دیکھ سکیں، نہ کان اسے سن سکیں، نہ انسان کا ذہن اسے اپنے احاطۂ خیال میں لا سکے، نہ انسان اسے چھو سکے، نہ حواس سے اسے محسوس کرسکیں۔ تو پھر کیسے اس عظیم رب اور بندے کے درمیان تعلق قائم ہو جائے؟

اسماء وصفات انسان اور اس کے رب کے درمیان تصوراتی رَبط قائم کرتے ہیں یعنی ہم تصور کے ذریعے سے اپنے رب سے جڑ جاتے ہیں۔ یہ تصوراتی ربط ہے اور جسمانی طور پر ہم اس کا اِدراک نہیں کر سکتے۔ اللہ رب العزت نے خود قرآن حکیم میں فرمایا ہے:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ (الانعام:103)

''نگاہیں اس کو پا نہیں سکتیں۔''

اگر نظروں سے دیکھ نہیں سکتے تو اس کے بارے میں کوئی اپنے ذہن میں کیسے تصور لائے؟ اس کا ذریعہ اسماء وصفات ہیں۔ اس کے ناموں سے اور اس کی صفات سے تصوراتی سطح پر جو ربط قائم ہوتا ہے یہی زندہ تعلق ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ کی صفت ''رازِق'' ہے۔ ہم اُس کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں اور اس کائنات میں رزق کی لاکھوں صورتیں دیکھتے ہیں۔ ہم ساری مخلوقات کو دیکھتے ہیں کہ سب صبح اٹھتے ہیں تو بھوکے ہوتے ہیں لیکن شام ہونے سے پہلے سب کی کوکھیں بھر جاتی ہیں، سب کے پیٹ بھرے ہوتے ہیں۔ پرندے ہوں تو گھونسلوں کو لوٹتے ہیں، جانور ہوں تو اپنے بلوں کے اندر جاتے ہیں اور انسان ہوں تو اپنے گھروں میں پناہ لیتے ہیں۔

کون ہے جو اتنے وسیع پیمانے پر رزق کا اہتمام کرتا ہے؟

اہتمام نظر آتا ہے تو پیچھے اہتمام کرنے کے لیے عطا کرنے والا بھی تو ہے۔ وہ رازِق

ہے اور ہم مرزوق کیونکہ ہم رزق پا رہے ہیں۔اس لیے اس کے رازِق ہونے سے ہمارے ذہن میں ایک تصور بندھتا ہے۔اسی طرح جب انسان مجبور ہو جاتا ہے، بے قرار ہوتا ہے تو بے قراریوں میں پکار اٹھتا ہے۔اپنے رب کو پکارتا ہے کیونکہ اس کا دل یقین کرتا ہے کہ میں پکاروں گا تو وہ سنے گا۔وہ میری سنتا ہے کیونکہ وہ ''السمیع'' ہے، وہ سب کی سنتا ہے۔

کیا آپ تصور باندھ سکتے ہیں؟

آپ کے دل کے اندر یقین ابھرتا ہے؟

یہ یقین اسماء وصفات کے توسط سے ابھرتا ہے۔اسماء وصفات رَبط کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ رَبط تصوراتی سطح پر اسماء وصفات کے توسط سے قائم ہوتا ہے۔

اسی طرح بڑی اہم بات ہے کہ دنیا میں الٰہ کے جتنے بھی تصورات ہیں، خدا کے بارے میں تصورات یعنی انسانوں نے بت بنائے یا قبروں والوں کو پوجا یا اس کے لئے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا، ہر ایک میں قیاس نظر آتا ہے۔انسان کا اپنا تصور ہے، اپنا ذہن اور اپنا قیاس کام کرتا ہے۔ جب کہ اسماء وصفات انسانی قیاس کے نتیجے میں وجود میں آنے والا علم نہیں ہے۔اسماء وصفات کا علم اُس نے دیا جس کے وہ اسماء وصفات ہیں۔یہ اِلہامی علم ہے، انسانی تصور پر اس کی بنیاد نہیں ہے۔پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عظیم ہے۔ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کا، اس کی صفات کا پورا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

اسماء وصفات کا علم ہمیں کیا دیتا ہے؟

یہ علم دراصل کس چیز کی تکمیل کرتا ہے؟

اسماء وصفات انسان کی نسبت سے یعنی جتنی انسان کو ضرورت ہے اللہ تعالیٰ کا تعارف ہے۔انسان کی ضروریات کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام یا اس کی صفات اس سے زائد نہیں ہیں۔ ہمارا جو علم

ہے وہ ہمارے توسط سے ہے یعنی ہمارے لئے ہماری نسبت سے، جو ہماری ضرورت ہے وہ علم اسماء وصفات کا علم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات الواسع ہے، العظیم ہے اس کی کوئی انتہا نہیں، وہ ازل سے ابد تک رہے گا، وہ ظاہر بھی ہے، باطن بھی ہے۔ ہم اس کے جتنے اسماء اور جتنی صفات کو جانتے ہیں، اپنی نسبت سے جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری نسبت سے جو ہمیں ضرورت ہے اپنا تعارف اسماء وصفات کے علم سے کروایا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بڑی ہے۔ اسماء وصفات کے حوالے سے یہ بات بھی ذہن میں رکھئے گا کہ یہ انسان کی فطری تلاش کا جواب ہیں۔ انسان کھوجی ہے، تجسس رکھتا ہے۔ اس کے دل کے اندر یہ سوال رہتا ہے کہ:

میں کون ہوں؟

کہاں سے آیا ہوں؟

کس نے مجھے تخلیق کیا؟

مجھے کیوں زندگی دی گئی ہے؟

کون ہے جس نے مجھے ڈیزائن کیا ہے؟

کون ہے جس نے مجھے یہ سب کچھ عطا کیا؟

انسان اُس کی کھوج میں ہے جس نے اسے بنایا، جس نے اسے پیدا کیا، جو اسے رزق دیتا ہے، جو اس کی سنتا ہے، جو اس کو جواب دیتا ہے۔ انسان کی فطری تلاش کا جواب اسماء وصفات کا علم ہے۔

اگر نفسیاتی طور پر دیکھیں تو انسان ایک متلاشی حیوان ہے، سچائی کا متلاشی ہے۔ وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ، کسی نہ کسی چیز کی تلاش میں رہتا ہے اور اپنے پورے وجود کے اعتبار سے انسان میں سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر وقت تلاش میں رہتا ہے۔

انسان کس چیز کی تلاش میں ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان جب اعلیٰ مقاصد کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو تلاش کرتا رہتا ہے۔لیکن ایک چیز جو ہر انسان اپنے اندر دیکھتا ہے کہ اسے خوشی کی، اطمینان کی، سکون کی تلاش ہے۔اصل میں اسے ایک اعلیٰ اور برتر ذات کی تلاش ہے۔اس کی ذات کے سوا کوئی چیز انسان کو مطمئن نہیں کرسکتی۔آپ دیکھئے انسان کو خوشیاں ملتی ہیں لیکن ہر خوشی کے بعد وہ پھر بے کل ہوجاتا ہے۔آپ بڑی سے بڑی خوشی کی تقریب دیکھ لیں، بڑے سے بڑا انعام دیکھ لیں، ہر چیز جو انسان پالیتا ہے تو اس کے بعد پھر بے قرار ہو اٹھتا ہے۔اسے سمجھ نہیں آتا کہ اتنی بڑی خوشی کے بعد پھر یک لخت اُداسی کیسے ہوگئی؟ کبھی وہ اسے اُداسی کا نام دیتا ہے، کبھی بوریت کا اور کبھی خالی پن کا۔خالی پن تو انسان کے اندر ہوتا ہے کیونکہ خوشی ملنے کے بعد بھی خلا پیدا ہوجاتا ہے۔اس کی ذات کا خلا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پُر نہیں کرسکتا۔کتنی پیاری بات ہے جو اللہ پاک نے اپنی کتاب میں فرمائی:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرّعد:28)

"سن لو اللہ تعالیٰ کی یاد میں دلوں کا اطمینان ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی یاد اس کی صفات کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی وجہ سے اپنا رنگ دکھاتی ہے کیونکہ انسان کے اندر یقین اترتا ہے۔اللہ تعالیٰ کو وہ کسی تعلق، کسی حیثیت میں یاد کرے گا اور ہر موڑ پر اسے ایک نئے تعلق کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ انسان پلٹتا ہے، جھپٹتا ہے، ہر وقت اس کی زندگی میں کوئی نیا واقعہ رونما ہو رہا ہوتا ہے اور ہر نئے موڑ پر اسے اس کے مطابق تعلق کی ضرورت ہوتی ہے۔اسماء و صفات انسان کی اسی ضرورت کی تکمیل کرتے ہیں۔اس کی زندگی کا کوئی موڑ، اس کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کا سچا تعارف موجود نہ ہو، اس کی کسی صفت، اس کے کسی نام کے حوالے سے وہی چیز اس کو

مطمئن کرتی ہے۔

اگر انسان کے وجود کو دیکھیں تو وہ ناقص ہے۔وہ چاہتا ہے کوئی ہو جو اس کی کمی کی تلافی کر دے،اس کی کمی کو پورا کر دے۔انسان دوست بناتا ہے لیکن وہ دوست اس کی کمی کی تلافی نہیں کرتے۔وہ رشتے تعلقات بھی بناتا ہے۔کچھ رشتے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور کچھ رشتے ایسے ہیں جو انسان خود بنانے کی کوشش کرتا ہے لیکن آخر میں اسے پتہ چلتا ہے کہ کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کی کمی کی تلافی کر سکے۔جو انسان کے اندر نہیں ہے اس کی تلافی کے لئے اسے کیا چاہیے؟اصل میں انسان کو اپنے احساسات اور جذبات کے لئے کوئی مرکز و محور چاہیے اور اسماء وصفات اسی کا جواب ہیں۔ایک ماں کو دیکھیں وہ اپنے بچے کو اپنا محور و مرکز بناتی ہے۔بچہ جوں جوں بڑا ہوتا ہے وہ ماں ہی سے بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔پھر ماں کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟جب وہ پال پوس کر اسے جوان کر دیتی ہے۔اس کا محور و مرکز ہی اڑ جاتا ہے جیسے کسی نے کہا:

چکور اداس ہے کہ رُت بچھڑنے کی آئی
بچے خوش ہیں کہ اڑنا سیکھ لیا

اسی طرح کسی انسان کا محور و مرکز مال ہے۔وہ مال کماتا ہے،اس کے لئے محنت کرتا ہے،دن رات لگاتا ہے،پھر اسے پتہ چلتا ہے جو مال میں نے اتنی محنت سے کمایا وہی چلا گیا۔ضروری نہیں کہ ہر ایک کا مال چلا جائے،کبھی مال چلا جاتا ہے اور کبھی اس کو ایسی تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے کہ اس کی ذات انتہائی دکھ میں آجاتی ہے۔پھر اسے پتہ چلتا ہے کہ مال میری کمی کا جواب نہیں ہے،میرا بچہ بھی میری کمی کا جواب نہیں ہے۔میں جس جس سے محبت کرتا ہوں کوئی بھی میری کمی کا جواب نہیں ہے،کوئی اس کمی کی تلافی نہیں کر سکتا۔اس کمی کو پورا کرنے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔انسان اللہ تعالیٰ سے کم کسی چیز پر

مطمئن نہیں ہوسکتا۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ

اسماء وصفات سے دراصل مراد کیا ہے؟

1۔اسماء سے مراد اسماء حسنیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کے اچھے نام ہیں جیسے قرآنِ حکیم میں آتا ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (الاعراف:180)

''اور تمام اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں سو اُسے ان کے ساتھ پکارو۔''

2۔صفات سے مراد صفاتِ حسنیٰ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی اچھی صفات جو اسماء حسنیٰ کے ذریعے سے بتائی گئی ہیں۔اللہ تعالیٰ کی صفات ہمیں اس کے اسماء سے پتہ چلتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کلی طور پر اللہ تعالیٰ کا تعارف نہیں ہیں بلکہ انسان کی نسبت سے ہیں۔جتنا انسان کو تعارف چاہیے اتنا ہی ان ناموں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان دے دی ہے۔انسان کا مطلوب الٰہ کا تعارف ہے۔اس کے ذہن میں زیادہ سے زیادہ جو خاکہ سما سکتا ہے،زیادہ سے زیادہ جس تصور کو وہ اپنے اندر رکھ سکتا ہے وہ اسے اسماء وصفات میں ملتا ہے۔

جو انسان اسماء وصفات کو پوری معنویت کے ساتھ جان لیتا ہے یعنی اسماء وصفات کو یاد کر لینا نہیں بلکہ اس کے الفاظ کو گہرائی کے ساتھ سمجھنا ہے۔لہٰذا جتنا کوئی گہرائی میں جاتا ہے،پوری معنویت کے ساتھ سمجھ لیتا ہے تو اسے اچانک دریافت ہوتا ہے کہ وہ جس رب ذوالجلال والاکرام کی تلاش میں تھا اس کا تعارف اسے ان اسماء وصفات میں مل گیا۔جس کی اسے تلاش تھی وہی خدا ہے،وہی ذات ہے،اور کسی زاویے سے انسان کے اندر تشنگی نہیں رہتی۔انسان کی ہر مانگ کا جواب وہ ذات ہے۔انسان کی ہر کمی کو وہ ذات پورا کرنے والی ہے۔اس اعتبار سے ہم دیکھتے ہیں کہ اسماء وصفات کی سمجھنا گزیر ہے۔

اب تک ہم جہاں تک پہنچے ہیں وہ یہ کہ اسماء وصفات کا علم حاصل کرنا، ان کو سمجھنا ناگزیر ہے۔اسماء وصفات کے ذریعے سے انسان اللہ تعالیٰ کی صفاتی شخصیت کو سمجھنے کے قابل ہوجاتا ہے اوراس کا یقینی تصوراپنے دل اوراپنے ذہن میں رکھنے کے قابل ہوجاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات جس کے بارے میں وہ خود فرماتا ہے:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾ (سورۃ البقرہ:255)

”اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہمیشہ سے زندہ ہے، ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے۔“

وہی ہے جو حیات کا ماخذ ہے،ہمیشہ کی زندگی اُسی کی ہے،ہمیشہ کا قیام اُسی کے لیے ہے۔اس کے سوا کوئی اورایسا نہیں جواپنے بل پرزندہ ہو،اپنے بل پرقائم ہو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے،اللہ تعالیٰ کی شخصیت ہے۔ہم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کے بارے میں پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کے بارے میں،اللہ تعالیٰ کے چہرے کے بارے میں پڑھتے ہیں۔اس کے باوجود ہم شخصی طور پراس کا کوئی تصور ذہن میں نہیں رکھ سکتے اورنہ رکھنا چاہیے۔اس کی ذات کا جو تصور ہمارے ذہن میں رہ سکتا ہے،جس پر ہم یقین کرسکتے ہیں،وہ اس کی صفات ہیں۔صفات کے ساتھ ہمارااس کے ساتھ تعلق قائم ہوسکتا ہے۔

اسماء وصفات کے توسط سے دراصل فرشی (زمین پر رہنے والے) کا عرش والے کے ساتھ حقیقی تعلق جڑتا ہے،قلبی اورذہنی تعلق۔جتنا جتنا انسان اس کے بارے میں علم حاصل کرتا ہے،جتنی جتنی اسے سمجھ آتی ہے،اتنا ہی وہ تعلق گہرا ہوتا چلا جاتا ہے اوراتنی ہی زیادہ انسان کے اندر تبدیلی آتی چلی جاتی ہے اوریہ تبدیلی بڑی عجیب ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں محبت کے اثرات انسان کے اوپر مرتب ہوتے ہیں۔کبھی آنکھوں کی نمی کی صورت وہ احساسات دوسروں پرواضح ہوتے ہیں اورکبھی انسان کے

پورے بدن پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔جتنی محبت گہری ہوتی ہے،اس کے آثار بھی اتنے ہی نمایاں ہوتے ہیں۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کو جو دریافت کرلیتا ہے یعنی اس کی جس صفت کو وہ دریافت کرلیتا ہے،اس کا اثر اس کی آنکھوں میں،اس کی جلد میں،اس کے قلب میں اور اس کے اعمال میں نظر آتا ہے۔

انسان جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سماجی حیوان ہے،حیوانِ ناطق یعنی بولنے والا حیوان ہے اور اصل میں انسان کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ساری مخلوقات سے افضل عقل عطا فرمائی ہے جس کے توسط سے وہ چیزوں کے بارے میں جانتا ہے اور ان کو سمجھتا ہے۔کتنا عجیب معاملہ ہے کہ ہم کسی چیز کو ظاہری طور پر دیکھتے ہیں۔جیسے پھول ہیں ہمیں ان کے رنگ نظر آتے ہیں،ان کی شکل نظر آتی ہے،تجربے کی وجہ سے ان کی نرمی کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے لیکن اس کی اصل حقیقت جو ایک سائنسدان جانتا ہے اس سے ہم کلی طور پر واقف نہیں ہیں۔جب پھول کی ایک پتی پر بھی ہم ظاہری طور پر غوروفکر کرتے ہیں تو ہمیں پتی کے اوپر باریک باریک لائنیں سی نظر آتی ہیں،ہمیں Shades بھی محسوس ہوتے ہیں۔مادی طور پر تو ہمیں اس کا فائدہ ہوجاتا ہے لیکن پتی کی اصل حقیقت کیا ہے؟ یہ کیسے بنی؟ ایک سائنسدان بھی ہمیں پوری طرح نہیں بتا پاتا۔وہ یہی بتاتا ہے کہ ایک خودکار عمل ہے۔وہ یہ نہیں بتا پاتا کہ:

وہ پتی،وہ پھول

کس کی وجہ سے ہے؟

کون اس کا بنانے والا ہے؟

جو رنگوں میں رنگ بنانے والے کو دیکھ لے اس کی کیفیت بدل جاتی ہے۔یہ اُلوہی کیفیت ہے۔یہ ایک ایسی کیفیت ہے جو دراصل تعلق کی خوشبو ہے کیونکہ انسان اس ایک چیز

کی وجہ سے اس کے خالق کے ساتھ، اس کے ڈیزائن کرنے والے کے ساتھ، اس کے مالک کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔ یہ پوری کائنات، اس کی ایک ایک چیز اس کی صفات کے توسط سے اپنے خالق اور مالک تک لے جاتی ہے۔

اسماء کے حوالے سے ہم نے دیکھا کہ اس کا علم اور فہم ناگزیر ہے۔ ہر اسم اور ہر صفت کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ ایک علم ہے جس کو آپ تصوراتی سطح تک نہیں لے جاسکتے بلکہ صرف اس کے الفاظ پڑھتے ہیں اور آپ کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ اس کے معنی ہیں۔ اس سے یہ ایک، دو اور تین باتیں مراد ہیں لیکن آگے آپ غور وفکر نہیں کرتے۔ اگر غور وفکر نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو سمجھ نہیں آئی، آپ اس کی حقیقت تک نہیں پہنچے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں جب آپ پڑھیں گے، سمجھیں گے، اس کے ساتھ آپ تصوراتی سطح تک جائیں گے تب آپ کا تعلق قائم ہوگا، تب یقین دل کے اندر اترے گا۔

اسماء وصفات کے ذریعے انسان اپنے رب کی صفاتی شخصیت کا یقینی تصور اپنے ذہن میں باندھنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ یہ اسماء وصفات کا سب سے بڑا نفع، سب سے بڑا فائدہ ہے۔

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں نے خدا کو جب تلاش کرنا چاہا تو اس تلاش میں بت بنا ڈالے کیونکہ بت کو نام دیا جاسکتا ہے۔ نام اپنے تصور سے دیا، قیاس سے دیا لیکن بتوں سے کون متاثر ہوسکتا ہے؟ بتوں سے حوصلہ افزائی نہیں ملتی۔ جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے ہمیں قرآنِ حکیم میں بتوں کے ساتھ مکالمہ ملتا ہے:

﴿أَلَا تَأْكُلُونَ (۹۱) مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ (۹۲)﴾ (الصافات: 92,91)

”کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تمہیں کیا ہے؟ تم بولتے نہیں ہو۔“

یعنی تمہارے آگے جو کھانا رکھا ہے اسے کھاتے کیوں نہیں ہو؟ تمہارے اندر تو کوئی صفت ہی نہیں ہے۔ جیسے کسی نے پھٹی ہوئی نگاہیں بنا دیں، جو کسی نے شکل دے دی بس وہی رہتی ہے، خود کوئی قوت نہیں، کوئی اختیار نہیں ہے۔ نہ سنتے ہو، نہ دیکھتے ہو، نہ بولتے ہو، نہ حرکت کر سکتے ہو۔ تمہیں کوئی تراش دے تو تمہارا وجود بن جاتا ہے اور کوئی توڑ ڈالے تو تم ٹوٹ جاتے ہو۔

ہمارے ہمسایہ ملک میں دس دس روپے کے خدا ملتے ہیں (معذرت کے ساتھ) خدا ریڑھیوں پر بکتا ہے (نعوذ باللہ)۔ پھر جتنے دن تک پوجا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے پوجا کرتے ہیں اور جب پرانا ہو جاتا ہے تو کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیتے ہیں۔ خدا ریڑھی پر اور خدا کوڑے کے ڈھیر پر (نعوذ باللہ) لیکن انسان کے دل میں خدا کی کھوج تو ہے۔ غلطی تو یہ ہے کہ ان کے پاس علم نہیں ہے، انہیں پتہ نہیں ہے، اس لیے وہ کوئی نہ کوئی صورت، کوئی نہ کوئی ماڈل اپنے سامنے رکھنا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے اندر کے جذبات کی تسکین کر سکیں۔ بت اسی سلسلے کی کڑی ہیں کیونکہ بتوں کو نام دے کر انسان کو لگتا ہے کہ وہ جس کی کھوج میں تھا اسے مل گیا لیکن انسان کی مانگوں کا جواب بت نہیں ہو سکتے۔

قبروں پر لوگ کیوں جاتے ہیں؟

چڑھاوے کیوں چڑھاتے ہیں؟

پھول، چادریں کیوں چڑھاتے ہیں؟

کیونکہ ایک الٰہ کی مانگ انسان کی فطرت میں ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ میں کسی سے کہوں وہ میری سنے، میں کسی سے مانگوں وہ میری مانگیں پوری کرے۔ کوئی تو ہو جو میری مانگوں کا جواب دے، جس کے ساتھ میرا تعلق ہو اور اس تعلق کے نتیجے میں وہ میری کمی کو پورا کر دے۔ پھر جہاں جہاں پھول چڑھائے جاتے ہیں، چادریں چڑھائی جاتی ہیں ان

کے بارے میں بہت سی کہانیاں بنائی جاتی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

میں یہ بات اس لیے آپ کے سامنے رکھ رہی ہوں کہ انسان خدا کی تلاش میں تو ہے اور خدا کی تلاش میں جو بھی لگا ہوا ہے اس کو نہ بت متاثر کر سکتے ہیں، نہ قبریں۔ اس کے مقابلے میں اسماء وصفات بے یقینی میں بھٹکے ہوئے انسان کے لیے بہت ہی خوب صورت نمونہ ہیں اور ان کی وجہ سے انسان کو یقین کا سرچشمہ مل جاتا ہے۔

اگر آپ کے دل کے اندر یقین ہے کہ میں دعائیں کروں وہ میری دعائیں قبول کرتا ہے تو آپ کو بار بار کہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ ہر احتیاج کے موقع پر ہاتھ پھیلا دیں گے اور اس سے دعا کرلیں گے۔ یہ یقین ہے کہ وہ میری سنتا ہے، مجھے جواب دیتا ہے، وہ دعائیں قبول کرتا ہے۔ جتنا کسی کے دل کے اندر یقین ہوتا ہے اتنا ہی اس کی دعا کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ اس طرح دعا کا رشتہ اور تعلق بہت مضبوط ہو جاتا ہے۔

اسماء وصفات کے ذریعے سے انسان اس صحیح Framework کو پالیتا ہے جس پر وہ غور و فکر کر سکے اور جس کی روشنی میں وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے لیے قابلِ فہم بنا سکے۔ اسماء وصفات کے ذریعے انسان کو اللہ تعالیٰ کا تصوراتی نمونہ مل جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ہمیں پتہ چلتا ہے اور ننانوے ہی نہیں بہت زیادہ نام ہیں جن کا تذکرہ قرآنِ حکیم میں ملتا ہے لیکن حدیث کے توسط سے ننانوے ناموں کا ایک نمونہ ضرور ملتا ہے۔

اسی طرح اسماء وصفات کے ذریعے انسان ان صحیح الفاظ کو بھی پالیتا ہے جن کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ سے تصوراتی ربط قائم کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یعنی انسان کو تصور کرنا پڑتا ہے۔ آپ بچوں کو دیکھیں پہلے وہ دیکھ کر کسی چیز کا تصور باندھتے ہیں۔ اس کے بعد ان کا تصوراتی دور شروع ہو جاتا ہے اور یہی تصورات آگے بڑھتے جاتے ہیں لیکن تصورات

کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہوتی ہے۔اس بنیاد پر کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کو تصور کرنے کے لیے اسماء وصفات بہت ہی پیارا ماڈل ہے۔

اسماء وصفات کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنا ممکن ہوجاتا ہے۔جو تعلق اسماء وصفات کے ذریعے سے بنتا ہے وہ زندہ تعلق ہے یعنی ایسا تعلق نہیں ہے جو کبھی سانس لے اور کبھی اس کی سانسیں بند ہوجائیں، کبھی زندہ، کبھی مردہ۔تعلق زندہ ہوتا ہے تو قائم رہتا ہے ورنہ تو بے تعلقی ہے۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق اسماء وصفات کے توسط سے بنتا ہے اور اِلہامی علم کے توسط سے انسان اپنے رب کے بارے میں قدم بہ قدم ایک صحیح تصور قائم کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔اس کے بعد فطری طور پر ایسا ہوتا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین بڑھتا چلا جاتا ہے

اور

ہر آنے والے دن میں

محبت میں اضافہ ہوتا ہے

خوف میں اضافہ ہوتا ہے

امید میں اضافہ ہوتا ہے

توکل میں اضافہ ہوتا ہے

اخلاص میں اضافہ ہوتا ہے

اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ:

مصیبت میں صبر کرنا آسان ہوجاتا ہے

نعمت ملنے پر شکر کرنا آسان ہوجاتا ہے

رب کی رضا کے لیے کام کرنے ممکن ہوجاتے ہیں

صحیح زندگی گزارنے کے لیے ہر وقت محاسبہ کرنا آسان ہو جاتا ہے

محاسبہ کیا ہے؟

اپنے آپ کو اپنے رب کے آگے کھڑا کرنا، حساب کتاب لینا۔

رب العزت فرماتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ (سورۃ الحشر:18)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیئے کہ اُس نے کل کے لیے کیا بھیجا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔“

اللہ تعالیٰ کی ذات کا ایک تصور ہے جس کی وجہ سے اس سے امید باندھنا ممکن ہو جاتا ہے اور نیکی کے کام کرنے آسان ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ایک تعلق ہے جس کی وجہ سے اس کا خوف انسان کے اوپر ایسے حاوی ہوتا ہے کہ کوئی گناہ کا کام کرنا اس کے لیے ممکن نہیں رہتا اور انسان بدل جاتا ہے۔ اسماء وصفات کے ذریعے سے انسان بالکل اپنی فطرت پر آ جاتا ہے، وہ مطلوبہ انسان بن جاتا ہے جیسا رب چاہتا ہے کہ انسان کو ہونا چاہیے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو یعنی ننانوے نام ہیں۔ جس نے ان کا احصاء کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔“ (ترمذی:1461)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ نام صرف ننانوے ہیں؟

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان ناموں کی تعداد ایک ہزار تک ہے۔ (تفسیر ابنِ کثیر)

مگر اصل چیز تعداد نہیں ہے۔ تعداد جتنی بھی ہو اصل چیز یہ ہے کہ انسان کی لغت

کے اعتبار سے بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے کتنے نام ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ ایک لامحدود ہستی ہے۔اس کو ان ناموں تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ تو ہماری نسبت سے ہیں۔اسمائے حسنٰی کی ننانوے کی تعداد گویا اللہ تعالیٰ کی نمائندہ صفات ہیں اوران نمائندہ صفات کے اعتبار سے ہمارا کام اس صفت کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرنا ہے،اس کا علم حاصل کرنا اور یقین کے درجے تک پہنچنا ہے۔ یہ یقین انسان کی زندگی بدلتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے ان ناموں کا احصاء کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔“ (ترمذی:1461)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے احصاء کا مطلب کیا ہے؟

اس سے مراد شمار کرنا نہیں ہے کہ آپ ایک ایک نام کو شمار کرلیں، گن لیں۔ اصل میں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر نام کی قدر پہچان لیں۔ المعجم الوسیط میں احصاء کا جو مطلب بتایا گیا ہے وہ ہے اس کی قدر پہچاننا۔

ایسی حالت میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ احصاء سے مراد شعوری احصاء ہے۔صرف زبانی طور پر نہیں بلکہ شعوری طور پر اس کے ناموں کی قدر پہچاننا۔اللہ تعالیٰ کی تخلیقات پر جب انسان غوروفکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ادراک ہوتا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں گے، اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والے وہ جنت میں جائیں گے۔ایک حدیث جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ضعیف ہے لیکن اس کے توسط سے جو بات میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں وہ معرفت کی ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ”معرفت (اللہ تعالیٰ کی پہچان) میرا اصل سرمایہ ہے۔“

(رحمۃ للعالمین)

یعنی میرا اصل زر، میرا اصل سرمایہ اللہ تعالیٰ کی پہچان ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت سے کیا مراد ہے؟

اللہ تعالیٰ کی صفات کی قدر پہچاننا

اور صفات کے ذریعے سے اس کے بارے میں یقین حاصل کرنا

اسی طرح امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار نام ہیں۔(تفسیر ابن کثیر:19/1)

اتنی ہی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار نام ہیں۔ جو کرنے والا کام ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کی سمجھ حاصل کرنا اور اللہ تعالیٰ کی قدر پہچاننا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے کلام میں فرمایا ہے:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ (سورۃ الانعام:91)

”اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں پہچانی جیسا اس کی قدر پہچاننے کا حق ہے۔“

اس لحاظ سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ گنتی نہیں بلکہ دراصل قدر پہچاننے کا عمل چاہیے اور انسان کے اندر جب اللہ تعالیٰ کی ذات کا شعور جاگتا ہے تو وہ اپنے اصل مقام پر آتا ہے یعنی عبدیت کے مقام پر۔ ہم عبد ہیں، اللہ تعالیٰ کے غلام، اللہ تعالیٰ کے بندے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں یہ بات ذہن میں رکھیئے کہ دراصل یہ خصوصیات ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور یہ صفات دراصل اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں مناسب الفاظ ہیں۔ ہم ان کے توسط سے اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں۔ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی اس کائنات میں غور وفکر کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدر پالیتا ہے، اسے پہچان لیتا ہے۔ ہم اس تجربے کو ضرور حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

کائنات کا مشاہدہ کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ خود اس ماحول میں موجود ہوتے ہوئے، تنہائی میں اور لوگوں کے ساتھ بھی لیکن بعض اوقات آپ کوئی تجربہ اپنے پاس

کسی وڈیو کلپ میں محفوظ کر لیتے ہیں تو سب کو اکٹھے غور و فکر کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ آپ اپنے پاس بھی ان چیزوں کو غور و فکر کے لیے محفوظ رکھیں اور اتنے دلائل آپ کے پاس ہونے چاہییں جو آپ کو ذاتی طور پر بھی مطمئن کرتے رہیں اور جب آپ اپنے رب کا تعارف کسی اور سے کرائیں گے اور کسی اور کو قائل کریں گے یا یہ مضمون پڑھائیں گے تو یہ آپ کے لیے بہت زیادہ مددگار رہوں گے۔ جیسے آپ ﷺ کہتے ہیں:

﴿يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ﴾

”اے زندہ اور ہمیشہ رہنے والے! تیری رحمت کے وسیلے سے تیری مدد چاہتا ہوں“۔ (ترمذی:3524)

نبی ﷺ نے یہ دعا اس وقت کی تھی جب بدر کے میدان میں آپ کو یوں محسوس ہوا کہ اگر یہ جماعت مٹ گئی، اگر یہ مٹھی بھر لوگ بھی ختم ہو گئے تو زمین پر اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا کوئی نہیں بچے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس کے نام ﴿الحی﴾ اور ﴿القیوم﴾ کا واسطہ دے کر نبی ﷺ نے دعا کی تھی۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سنا ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ

﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ﴾

”اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس وسیلے سے کہ: ساری وحمد تیرے لیے ہے، تیرے سوا کوئی اور معبود نہیں، تو ہی احسان کرنے والا اور آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے، اے جلال اور عطاء و بخشش والے، اے زندہ جاوید، اے آسمانوں اور زمینوں کو تھامنے والے!“ یہ سن کر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اس نے اللہ سے

اس کے اس اسم اعظم (عظیم نام) کے حوالے سے دعا مانگی ہے کہ جب اس کے حوالے سے دعا مانگی جاتی ہے تو وہ دعا قبول فرماتا ہے اور سوال کیا جاتا ہے تو وہ دیتا ہے"۔(ابوداؤد:1495)

اس دعا میں بھی ہم نے دیکھا الاحد، الصمد، الواحد، اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ساتھ مغفرت کی دعا اس طرح سے کی گئی۔ نبی ﷺ کی دعاؤں سے بہت زیادہ پتہ چلتا ہے کہ ناموں کے ساتھ کس طرح دعا کرنی ہے۔ سادگی کے ساتھ بھی آپ کہہ سکتے ہیں یا اللہ، یا شافی، یا رحمن، یا رحیم، یا کریم، یا غفور۔ آپ اللہ تعالیٰ کو اس طرح سے پکار کر کوئی بھی دعا کر سکتے ہیں۔

انسان کلی وجود ہے لیکن وہ سوچ سکتا ہے اور اپنے حواس سے علم بھی حاصل کر سکتا ہے۔ مادی وجود باہر نظر آتا ہے اور جو چیز انسان کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے وہ اس کی سوچیں ہیں، اس کے سوچنے کی صلاحیتیں ہیں جو اس کے لیے مددگار ہوتی ہیں۔ اور جو بات اس کے اندر تک پہنچتی ہے یعنی وہ چیز جو اسے مطمئن کرتی ہے وہ دراصل روحانی معیار ہے۔ اصل میں اندر کا اطمینان جب ہم کہتے ہیں تو اندر سے مراد ہماری روح ہے۔ یہ تینوں ایک ہی کل کا حصہ ہیں۔ روحانی رابطہ دراصل سمجھے بغیر قائم نہیں ہوتا۔ انسان کو یہ پتہ ہوتا ہے کہ یہ درست ہے اور یہ غلط ہے۔ صحیح اسے سمجھ آجاتا ہے لیکن ابھی یقین کا معیار اسے نصیب نہیں ہوتا۔

جب یقین کے معیار تک بات پہنچتی ہے تو پھر روحانی معیار آتا ہے کہ انسان کے اندر وہ بات اتر جاتی ہے۔ اصل معرفت وہی ہے، اسی کے توسط سے انسان کو اپنے رب کی قدر آتی ہے اور پہچان ہوتی ہے۔ صرف زبانی یاد کرنے سے نہیں بلکہ جب تک غور و فکر نہیں کرے گا، جب تک اس کا یقین پختہ نہیں ہوگا پہچان نہیں ہوگی۔ دیکھیں زبانی تو طوطے کو بھی یاد کرا سکتے

ہیں اور زبانی تو ایک کافر بھی یاد کر کے پڑھ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پورا سسٹم دیا ہے پانچ وقت کی نماز، نمازوں کے بعد کے اذکار، صبح وشام کے مسنون اذکار اور رات کو سونے کے وقت کے اذکار ہیں۔ دن کے اوقات میں قرآن حکیم کی تلاوت ہے یعنی کتنے ذریعے ہیں۔ آپ جس کام کا آغاز کریں بسم اللہ سے کریں، آپ جس کام کا اختتام کریں الحمدللہ سے کریں تو رابطہ کہاں ٹوٹے گا؟

البتہ کیفیات میں فرق ہوتا ہے جیسے سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے کہا تھا کہ ''ایک گھڑی غفلت کی ہوتی ہے اور ایک گھڑی یاد کی ہوتی ہے''۔ بات یہ ہے کہ انسان جس وقت ایسے اعمال کرتا ہے جس کی وجہ سے ایمان گھٹتا ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے تعلق میں کمی آتی ہے اور جس وقت انسان زیادہ خالص اعمال کرتا ہے، نیکی کے اعمال، تو اس میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ اصل میں نظر اللہ تعالیٰ پر رکھنی پڑے گی اور اللہ تعالیٰ پر نظر رکھنے کی وجہ سے اعمال کی بہتری کے لیے کام کرنا پڑے گا۔ نبی ﷺ کی اس حدیث کو آپ جانتے ہیں کہ

''کسی کو اس کا عمل جنت میں نہ لے جائے گا۔'' لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ کو بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں مجھے بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔'' (مسلم)

تو اللہ تعالیٰ کی رحمت پر نظر رکھنے والا خالی نہیں ہوتا، اپنے اعمال پر نظر رکھنے والے کو ہر وقت پتہ چلتا ہے یہاں بھی کمی ہے، یہاں بھی کمی ہے۔ کمی تو ہے لیکن اس کمی کا ازالہ موجود ہے استغفار کرنا، پھر کوشش کرنا لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے انسان کبھی خالی نہیں ہوتا اور اس پر یقین کی وجہ سے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔

نکلے تیری تلاش میں

ALNOOR-PUBLICATIONS

دو چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم دیکھیں گے۔

پہلی چیز: اسماء الحسنیٰ اور صفات عالیہ دراصل انسان کی فطری تلاش کا جواب ہے۔

دوسری چیز: اللہ تعالیٰ کی خاص صفت جس کی وجہ سے انسان کے اندر بہت بڑی تبدیلی آتی ہے وہ ہے صفت علم۔

سیدنا لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا:

﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ﴾ (لقمان:16)

"اے میرے چھوٹے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے وزن کی ہو، پس وہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں تو اللہ تعالیٰ اُس کو لے آئے گا۔"

کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں جانتا ہے، اللہ تعالیٰ سے وہ چھپا ہوا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا ہے اور اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

پہلی چیز: اسماء الحسنیٰ فطرت کی تلاش کا جواب ہے

انسان کی فطرت کی کوئی نہ کوئی مانگ ہے، انسان کی فطرت مطالبہ کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے جتنے نام ہیں، اللہ تعالیٰ کی جتنی صفات ہیں وہ انسان کی نسبت سے ہیں۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفات اتنی ہی ہیں جتنی ہمیں بتائی گئیں ہیں۔ جن کی ہمیں ضرورت تھی اس کے بارے میں رب العزت نے ہمیں بتا دیا کہ فطری طور پر انسان یہ چاہتا ہے:

کوئی ہو جو میری سنے

میں جب کہوں وہ میری بات جان لے

وہ قدرت رکھتا ہو کہ ان معاملات میں میری مدد کر سکے

ظاہر ہے محض سن لینا تو کافی نہیں ہے، کتنے ہی لوگ ہیں جو سنا تے ہیں لیکن ان کی بات سنی ان سنی کر دی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات میں جب وہ سماعت کو کمال پر دیکھتا ہے کیونکہ اس کا نام ﴿السمیع﴾ ہے اس کی وجہ سے اس کے دل کے اندر یقین اترتا ہے کہ وہ ہے جو سب کی سنتا ہے۔ایک ہی وقت میں زمین و آسمان میں کتنی مخلوقات ہیں سبھی اس کو پکارتے ہیں اور وہ سب کی سنتا ہے۔پھر کوئی مشکل لمحہ زندگی میں ایسا ہوتا ہے اور یہ لمحے آتے ہی رہتے ہیں جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔جیسے کوئی شدت کا بیمار اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا ہو، جس کو کوئی امید باقی نہ ہو، پھر بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس کا جو تعلق ہے اس کی وجہ سے وہ جانتا ہے کہ کوئی ہے:

جو مردہ ہڈیوں میں جان ڈال سکتا ہے

جو کسی چیز کو عدم سے وجود میں لاتا ہے

جب بیمار ہو جائیں تو وہی شفا دیتا ہے

اس سے امید باندھنے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا

اللہ تعالیٰ کے اس نام کی وجہ سے کس طرح سے انسان اس سے دعائیں کرتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں رمضان اور روزے کے احکامات کے درمیان جب دعا کی بات کی تو اپنی کچھ صفات کا تعارف کروایا:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ﴾ (البقرہ:186)

”اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں۔“

آپ تصور کریں ساری دنیا سوال کر رہی ہے اور اپنے پیدا کرنے والے کے بارے میں سوال کر رہی ہے۔ساری دنیا یہ سوال کرتی ہے کہ کون ہے جس نے ہمیں پیدا کیا؟ تو

آپ انہیں بتا دیں:

﴿فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ (البقرہ:186)

''تو یقیناً میں قریب ہی ہوں، میں پکارنے والے کی دُعا قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے۔''

اسماء الحسنیٰ کا یہ علم انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتا ہے، وہ رہتا زمین پر ہے لیکن اس کی فکر، اس کی سوچ کیسے آسمان والے تک جا پہنچتی ہے۔

وہ زمین کی تنہائیوں میں رہے، گہرائیوں میں رہے

وہ صحراؤں میں ہو، میدانوں میں ہو

پہاڑوں پر ہو یا سمندروں کی تہوں تک پہنچا ہوا ہو

اسے جب یہ علم ہوتا ہے کہ میرا رب ہے، وہ میری سنتا ہے تو کیسے اس کے رویے میں تبدیلی آجاتی ہے۔ اگر ہم یہ دیکھنا چاہیں کہ ہمارا اور اس رب کا کیا تعلق ہے تو یہ تعلق محض الفاظ کا نہیں ہے، یہ تعلق دراصل اس وقت مضبوط ہوتا ہے جب بندہ اپنے رب کے بارے میں جانتا ہے اور اس کے بارے میں غور و فکر کر کے اسے پا لیتا ہے۔ جب وہ اپنے رب کو پا لیتا ہے تو دراصل اس وقت اس کی زندگی میں اصل تبدیلی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے:

وہ کیسا ہے؟

جیسا اس نے اپنی ذات کا تعارف کروایا

''نبی ﷺ کی ایک حدیث میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ:

﴿لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ﴾

''میں تیری ثناء، تیری تعریف کی گنتی اور اس کا احصاء و احاطہ نہیں کر سکتا، تو ویسا ہی

ہے جیسا کہ تو نے خود آپ اپنی ذات کی تعریف کی ہے۔'' (ترمذی:3493)

یعنی نہ الفاظ ویسے ہیں، نہ الفاظ کی حقیقت کا علم ہے اور نہ تیری ذات کے بارے میں اتنا گہرا ادراک رکھتے ہیں۔ اس لیے جو تو ہمیں بتا دے گا وہی آخری بات ہے۔ اس دنیا میں کسی انسان کی ہستی کی حقیقت کا تعین اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق سے ہوتا ہے کہ:

وہ کتنا اپنے رب کے بارے میں جانتا ہے
وہ کتنا اپنے رب کے بارے میں سمجھ رکھتا ہے
وہ کتنا اپنے رب کے بارے میں غور و فکر کر کے اسے پالیتا ہے

جتنی زیادہ آپ کے اندر غور و فکر کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی اتنا ہی زیادہ آپ کا فہم وسعت والا ہو جائے گا، اتنا ہی گہرا تعلق ہوگا، اتنی ہی زیادہ حکمت ملے گی، اتنا ہی زیادہ معاملات کو سمجھنے کی قوت بھی ملے گی۔ اصل میں اسماء الحسنیٰ کی وجہ سے سب سے بڑی تبدیلی جو انسان کے اندر آتی ہے وہ یہ کہ انسان اپنے مولا کے آگے جھک جاتا ہے اور اس کو دل سے اپنی بے بسی کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ جب وہ یہ اظہار کرتا ہے تو اس کے ہاتھ بھی دعا کے لیے اٹھ جاتے ہیں۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور ہمارے بیچ میں Point Of Reference ہے۔ جو سب سے بڑا تعلق ہے وہ دعا کا ہے۔

اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا: ''دعا ہی تو عبادت ہے۔'' (ابن ماجہ:3086)

دعا اللہ تعالیٰ کی پہچان کا ذریعہ ہے اور یہ دعا ہی ہے جس کی وجہ سے ہمارے حالات اور ہمارے معاملات بدل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں دعا کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں دعائیں کرنا نصیب فرمائے (آمین)۔

انسان دراصل متلاشی حیوان ہے۔ متلاشی حیوان سے مراد یہ ہے کہ وہ تلاش میں ہے۔ کبھی آپ نے دیکھا ہے کہ ایک بچہ کیسے اپنے اردگرد کی ہر چیز کی حقیقت کو تلاش کرنا چاہتا

ہے۔ چھوٹے بچے کے لیے سب سے بڑی قوت ذائقے کی ہوتی ہے اسی لیے ابتداء میں وہ ہر چیز کو چکھ کر اندازہ لگانا چاہتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس لیے ہر چیز اس کے منہ میں جاتی ہے تو اسے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ نقصان دہ چیز ہے یا فائدہ مند ہے۔ وہ بہت گہرائی سے تو ادراک نہیں کر سکتا لیکن کرنا ضرور چاہتا ہے۔ اس کا کھلونا، اس کے دودھ کی بوتل اور اس کے اردگرد پڑی ہوئی تمام اشیاء، کچھ بھی اسے مل جائے ہر چیز منہ میں ڈال لیتا ہے۔ اگر کچھ نہ ملے تو اپنا ہاتھ ہی منہ میں ڈال لیتا ہے کیونکہ وہ ہر وقت تلاش میں ہے۔

یہ انسان کی اصل حقیقت ہے کہ

انسان متلاشی ہے

اسے تلاش ہے

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے اسے کس چیز کی تلاش ہے؟

آپ اپنی خوشیوں میں دیکھیں جب بے انتہاء خوشی ہوتی ہے تو اس کے فوراً بعد واپسی کا گیئر لگ جاتا ہے۔ جب انسان کسی چیز کو حاصل کر لے کوئی ڈگری، کوئی جاب، کوئی بزنس، دنیا کا مال، کسی رشتے کی تلاش، کسی محبت کی تلاش ہو یا دنیا میں کچھ بھی ہو۔ سکون، اطمینان، خوشی جہاں بھی وہ تلاش کرنا چاہے تو ہر خوشی کے بعد ایک بے کلی بتاتی ہے کہ انسان کی مانگ کا جواب وہ خوشی نہیں تھی۔ انسان محض اس خوشی کی تلاش میں نہیں تھا بلکہ دراصل وہ یہ چاہتا ہے کہ کوئی ہستی ایسی ہو:

جو اس کی تمناؤں کا مرکز و محور ہو

جو اس کی مانگوں کا جواب ہو

جو اس کی کمیوں کی تلافی کر دے

انسان دراصل محتاج ہے اور اسے احتیاج ہے ایک ایسی ہستی کی جو اس کی احتیاج کو

پورا کر دے۔ جو اس کی ضرورت کو پورا کر دے اب یہ ضرورت کسی بھی نوعیت کی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ انسان کامل نہیں ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا کہ وہ ناقص ہے تو اس کے نقص کی تلافی کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اسماء الحسنیٰ دراصل اسی کا جواب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات اسماء الحسنیٰ کے حوالے سے ہمارے پاس پہنچی ہیں، دراصل وہ ہماری نسبت سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت عظیم اور وسعت والی ہے اور اسماء الحسنیٰ کی صورت میں ہمیں اپنی کمی کا اور اپنی تلاش کا جواب مل جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ایک نام ﴿الغنی﴾ ہے غنی کا مطلب کیا ہوتا ہے؟

"بے نیاز"

بے نیاز کون ہوتا ہے؟

جس کے پاس بہت کچھ ہوتا ہے
جس کو کسی کی ضرورت نہیں ہوتی
اور جو کسی کا محتاج نہیں ہوتا

اللہ تعالیٰ الغنی ہے، وہ ایسی ہستی ہے جسے کسی سے کچھ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنی طرف نظر ڈال کر دیکھیں آپ کو کیا کچھ لینے کی ضرورت ہے؟ سانس لینے کی ضرورت ہے تو آکسیجن چاہیے، پانی چاہیے، لباس چاہیے، آنکھ نے دیکھنا ہے تو روشنی چاہیے، چشمِ بصیرت چاہیے، آپ کے کان سننا چاہتے ہیں تو سننے کی قوت چاہیے، پیچھے پورا سسٹم چاہیے۔ بولنے کی قوت چاہیے، رشتوں کی محبت چاہیے، سوچنے والا ذہن چاہیے، چلنے کے لیے ٹانگیں چاہئیں، ٹانگوں کی قوت بھی چاہیے کیونکہ ٹانگیں بعض اوقات ہوتی ہیں لیکن قوت نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کو فالج ہو جاتا ہے ٹانگ بالکل صحیح سالم موجود ہے لیکن چل نہیں پاتے، اس لیے ٹانگ چاہیے تو ٹانگوں کی قوت بھی چاہیے۔

انسان محتاج ہے اور اسے توفیق چاہیے، اللہ تعالیٰ کی مدد چاہیے۔ جو محتاج ہوتا ہے اسے اپنی احتیاج اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ایک ایسی ہستی کی ضرورت ہے جو کسی کا ضرورت مند نہ ہو لیکن ہر ایک کی ساری ضروریات پوری کر سکتا ہو۔ جب اللہ تعالیٰ کی صفت الغنی کا ہمیں پتہ چلتا ہے تو انسان کو یہ سمجھ آتی ہے کہ کوئی اور ہستی ایسی نہیں ہے، کوئی اور مخلوق ایسی نہیں ہے جو ایسی قوت رکھتی ہو کہ سب کی مدد کر سکے اور اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہ ہو، جو ہر ایک سے بے نیاز ہو۔ پھر انسان کو پتہ لگ جاتا ہے کہ مجھے اسی الٰہ کی تلاش تھی جو میری ساری مانگیں پوری کر دے اور اسے یہ سمجھ آجاتی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں پڑھتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾

”اے لوگو! تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے پروا، تمام تعریفوں کے لائق ہے۔“ (فاطر:15)

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، بہت خوبیوں والا ہے اور کمال درجے کی خوبیاں رکھتا ہے۔ انسان کو زندگی کے لیے رزق چاہیے اور اس رزق کی تلاش میں انسان کس طرح مصروف عمل ہے۔ کوئی محنت کرتا ہے، کوئی نوکری کرتا ہے، کوئی بزنس کرتا ہے، کوئی اس کے لیے انڈسٹری لگاتا ہے اور کوئی دوسرے کئی طرح کے کام کرتا ہے۔ رزق کے لیے اس دنیا میں اتنی کوششیں ہو رہی ہیں کہ آپ کو لگے گا سب کچھ رزق کے حصول کے لیے ہو رہا ہے۔ ہمارے ہاں تعلیم بھی رزق کے حصول کے لیے ہے، مائیں اپنی ممتا بھری گود خالی کرتی ہیں تو رزق کے حصول کے لیے تیار کرنے کے لیے اور جب کوئی پڑھ لکھ جاتا ہے تو توقع ہوتی ہے کہ اسے رزق مل جائے۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انگوٹھا چھاپ تو فیکٹروں کے مالک ہیں اور جو اتنی ڈگریاں رکھتے ہیں ان کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی کچھ نہیں ہے۔ پڑھے لکھے لوگ ان لوگوں کی فیکٹریوں میں ملازم ہو جاتے ہیں جو کچھ

بھی نہیں جانتے۔ پھر انہیں سمجھ آتی ہے کہ:

رزق ڈگریوں کے ساتھ وابستہ نہیں ہے

رزق میری محنت سے ملنے والا نہیں ہے

بلکہ!

رزق کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے

جب اسے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رازق ہے، رزق دینے والا ہے، وہ رزق کا مالک بھی ہے اور رزق کو عطا کرنے کی توفیق بھی اسی کے پاس ہے۔ جس کو چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ پھر وہ اس مولا کے آگے ہاتھ پھیلا دیتا ہے، دل سے تسلیم کر لیتا ہے کہ وہ رزق کا مالک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ بھی رزق کے حصول کے لیے چاہیے وہ سب کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور جو کچھ بھی موجود ہے اس کی تقسیم کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ''الرزاق'' کے بارے میں جب کسی کو فہم ملتا ہے کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ (الذریات:58)

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہی بے حد رزق دینے والا طاقت والا، نہایت مضبوط ہے۔''

تو اسے سمجھ آتی ہے کہ رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، یہ اس کا فیصلہ ہے، اس رزق کا مالک وہی ہے۔ میرے فیصلوں سے، میرے فہم سے کسی کو رزق ملنے والا یا کسی کا رزق چھوٹنے والا نہیں ہے۔ جب وہ رازق ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کو پا لیتا ہے تو اس کا تعلق بدل جاتا ہے، وہ جھک جاتا ہے، وہ ہاتھ اٹھا دیتا ہے کیونکہ اسے پتہ ہے اس کا اختیار نہیں ہے۔ بات تو بڑی سادہ سی اور آسان ہے لیکن سب لوگوں کا تعلق ایک جیسا نہیں جڑتا۔ جیسے سب کو پتہ ہے کہ ہم مرزوق ہیں، کسی سے رزق پاتے ہیں اور وہ رازق ہے لیکن ہر ایک کا فہم اس کے رازق ہونے کے بارے میں ایک جیسا نہیں ہے جس کی وجہ سے ہر

ایک کا تعلق بھی ایک جیسا نہیں ہے۔

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات ایسی ہیں جن کی وجہ سے انسان کی زندگی میں بہت گہری تبدیلی آتی ہے۔اس تبدیلی کے لیے الفاظ برتن کی حیثیت تو رکھتے ہیں لیکن غوروفکر کرنے سے ان برتنوں میں کچھ جائے گا اور اگر آپ غوروفکر نہیں کریں گے تو جانتے ہیں خالی برتن تو انسان کو نفع نہیں دیتے جب تک کہ انسان ان برتنوں میں کچھ ڈالتا نہیں ہے۔پھر برتن میں آپ دودھ بھی ڈال سکتے ہیں اور پانی بھی ڈال سکتے ہیں۔پانی بھی بہت اہم ہے لیکن دودھ زیادہ قابل قدر ہے۔یہاں پر دودھ سے مراد زیادہ کوشش کرنا ہے یعنی فہم کے لیے زیادہ کوشش کرنا۔

اسماء وصفات کے حوالے سے جتنی کوشش کریں گے ویسا ہی رب کے ساتھ تعلق بنے گا۔ایک تو آپ انہیں یاد کرلیں کیونکہ یادداشت میں کوئی چیز ہوتی ہے تو بات آگے بڑھتی ہے۔لیکن یادداشت کی وجہ سے آپ کے فہم میں تبدیلی اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک آپ غوروفکر نہیں کریں گے۔ اس لیے اب اللہ تعالیٰ کی صفت علیم پر غوروفکر کریں گے۔اوراس میں آپ کا بھرپور تعاون چاہیے کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے کلام سے وہ آیات تو ضرور آپ کے سامنے رکھیں گے لیکن آیات کے اندر غوروفکر کرنے کے لیے جب تک آپ تیار نہیں ہوں گے،غوروفکر کے اس سفر میں ساتھ ساتھ نہیں ہوں گے اس وقت تک نفع نصیب نہیں ہوگا اوراس ساری گفتگو کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔لہٰذا آپ میں سے ہر کوئی کوشش کرے گا چاہے کسی کی کوشش کم ہواور کسی کی کوشش زیادہ ہو لیکن اصل میدان یہی ہے۔

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے اپنا تعلق نہ باندھنا چاہتا ہو؟

ہر کوئی تعلق بنانا چاہتا ہے

پھر اعلیٰ درجے کے تعلق کے لیے کیوں نہ کوشش کریں!

لیکن!

اعلیٰ درجے کا تعلق اس کا جڑے گا جو اعلیٰ درجے کی کوشش کرے گا

اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو لفظ ہم بولتے ہیں اور جو چیز ہمارے دل کے اندر ہوتی ہے۔

اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ﴾

''ہم رگ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔'' (ق:16)

ایک اور جگہ رب کریم نے فرمایا:

﴿اَنَّ اللّٰهَ يَحُوۡلُ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهٖ﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے۔'' (الانفال:24)

یعنی بندے کے دل میں جو بات آتی ہے وہ اس کے نوٹس میں بعد میں آتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے پہلے سے جانتا ہے۔ آپ تصور کر کے دیکھئے اس وقت جو کچھ دل میں آ رہا ہے اللہ تعالیٰ اسے پہلے سے جانتے ہیں۔ کوئی بات جو ہم دل میں چھپانا چاہتے ہیں اس سے چھپ نہیں سکتی۔ انسان کی زندگی میں خطا کا، غلطی کا آغاز تب ہوتا ہے جب اس کے ذہن میں، اس کے دل میں یہ آتا ہے کہ کسی کو پتا نہیں چلے گا اور مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ایک بات کو کس کس طریقے سے ہماری زندگی میں رکھا ہے کہ:

وہ آپ کو دیکھتا ہے

آپ کے بارے میں جانتا ہے

پوری طرح سے آپ کی خبر رکھتا ہے

کیسے ہمارے شعور میں مستحضر کیا ہے جیسے آپ روزہ رکھتے ہیں تو روزے میں آپ کو کوئی نہیں دیکھتا۔ آپ کو بھوک لگی ہے، شدت کی پیاس ہے، شدید گرمی کا موسم ہے اور گھر

میں ہر طرح کی نعمتیں بھی موجود ہیں۔ مشروبات بھی ہیں، کھانے پینے کی چیزیں بھی ہیں اور تنہائی بھی لیکن آپ کے دل کے اندر یہ خیال پوری طرح راسخ ہو جاتا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے

اللہ تعالیٰ جانتا ہے

پھر آپ روزہ نہیں توڑتے بلکہ تمام تر تکلیف کو برداشت کرتے ہیں اور کتنی پیاری بات ہے جو اللہ رب العزت نے ارشاد فرمائی ہے، ایک حدیث قدسی میں آتا ہے کہ:

﴿عن أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ﴾

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''بنی آدم کا ہر عمل اس کیلئے ہے سوائے روزے کے، کہ وہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔'' (مسلم: 2704، ابن ماجہ: 1638)

روزے میں اخلاص ہوتا ہے کیونکہ انسان جانتا ہے کہ میرا رب مجھے دیکھتا ہے، میرا رب مجھے جانتا ہے۔ جب ایک انسان اس ایک بات پر یقین کر لیتا ہے پھر وہ خطا نہیں کرتا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اس وقت وہ کھانے پینے سے تو رک جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ وہ بدی سے بھی رک جائے تو اس سے نہیں رک پاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اسی لئے بھیجا تھا کہ انسانوں کو شعور دلائیں اور نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَّدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ﴾

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے کہ یہ شخص

اپنا کھانا پینا چھوڑے۔" (بخاری:1903)

اس سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ اصل میں کھانا پینا چھڑوانا مطلوب نہیں ہے جو چیز مطلوب ہے وہ برائی چھڑوانا ہے۔انسان اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کے احساس سے، اس کی خبر کی وجہ سے، اس کے علم کی وجہ سے یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ بھوکا رہ لیتا ہے، پیاسا رہ لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی اس حد کی پابندی کرتا ہے لیکن دوسری طرف آپ دیکھیں کہ وہی انسان ایک قدم آگے نہیں آپاتا۔ کیوں نہیں آپاتا؟ روزے کی حالت میں کھانے اور پینے کے حوالے سے تو زیادہ احتیاط اور توجہ ہوتی ہے لیکن برے عمل کے بارے میں وہ احتیاط کیوں نہیں ہوتا، وہ توجہ کیوں نہیں ہوتی؟

کیونکہ غور وفکر نہیں کیا ہوتا

دل کے اندر یقین نہیں اترا ہوتا

اصل بات تو یقین کی ہے

اور یقین غور وفکر کے بغیر نہیں آتا

اب ہم اللہ تعالیٰ کے ﴿العلیم﴾ ہونے کے حوالے سے دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔کھانے پینے کے حوالے سے تو اللہ رب العزت کی نگرانی کو محسوس کرتے ہیں لیکن برائی کے وقت نہیں کر پاتے۔اس کا مطلب ہے کہ تھوڑا سا تعلق ہی جوڑنا ہے کیونکہ اگر ہم کھانا پینا چھوڑ سکتے ہیں تو برائی بھی چھوڑ سکتے ہیں۔مشق تو اللہ تعالیٰ نے پورے مہینے کی کروائی ہے لیکن کروائی اسی طرح سے کہ دیکھو کھانا پینا چھوڑتے ہو تو آپ کو اللہ پاک کی نظروں کا احساس، اس کے علم کا احساس، اس کی خبر کا احساس رہتا ہے جس کی وجہ سے آپ پابند ہو جاتے ہیں۔اب برائی چھوڑنے میں بھی اسی چیز کو لاگو کرو لیکن لاگو کرنا نہیں آتا کیوں؟

ہم کہتے ہیں کہ ہماری جڑوں میں برائی بیٹھی ہوئی ہے۔ٹھیک ہے لیکن اصل میں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ برائی کا انسان کتنا ہی عادی ہو برائی چھوٹ جاتی ہے اگر Mind Set تبدیل ہوجائے اور یہ اسماء وصفات کا علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے بدلے گا۔اگر آپ اس کے لیے کوشش کریں اور ایک ایک چیز کے بارے میں خود بھی غور کریں، دوسروں کو بھی اس کی طرف توجہ دلائیں لیکن اس کا اظہار ضرور کریں کیونکہ تذکرہ بہت ضروری ہے۔

جب انسان کو یہ پتہ چل جائے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے تو پھر انسان اس کی ناپسند کو چھوڑتا ہے۔لیکن یہ اس شخص کی حالت ہے جو اپنے علم اور فہم میں بہت آگے پہنچ چکا ہو اور جو اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہو۔جس کی ابھی محبت پروان ہی نہیں چڑھی ،جس کا ابھی محبت کا تعلق مضبوط نہیں ہوا اس کو یہ علم بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرتے ہیں تو فرق نہیں پڑتا۔کیونکہ انسان مادی چیزوں پر توجہ دیتا ہے اور جو غیر مرئی چیزیں ،نظر نہ آنے والی معنوی چیزیں ہیں ان کے بارے میں وہ اتنا محتاط ہی نہیں ہوتا حالانکہ سب سے زیادہ اس کے بارے میں محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔پھر ان پر توجہ بھی نہیں دیتا،ان کو اپنے لیے عیب محسوس نہیں کرتا،اپنے لیے نقصان دہ محسوس نہیں کرتا اور اپنے لیے سزا کا باعث بھی نہیں سمجھتا۔اس کو آنے والے کل میں رکھ کر نہیں دیکھتا کہ اس برائی کی وجہ سے مجھے کہاں تک پہنچا دیا جائے گا۔یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی یعنی مقصد واضح نہیں ہوتا۔

یہ بات بڑی اہم ہے کہ انسان اپنے آپ کو پیغام دیتا ہے کہ یہ تو میری عادت ہے اور اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا پھر اس کا انجام بھی نہیں دیکھتا حالانکہ انسان کو نتیجے کی بنیاد پر کام کرنے چاہئیں اور نتیجے کی بنیاد پر عادات اپنانی چاہئیں۔جن کا اچھا نتیجہ نکلنے والا ہو،جن کی وجہ سے انسان کو نفع پہنچنے والا ہو اور جو چیز نقصان دہ ہو اسے چھوڑ دینا چاہیے۔انسان کی

عقل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نقصان دہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ برائی انسان کے لیے نقصان دہ ہے اور رب العزت بھی انسان کو یہی بات سمجھاتے ہیں کیونکہ اس برائی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کی پسند کا کام کیا ہے وہ بھی ضائع ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر جھوٹ کی وجہ سے روزہ بھی ضائع ہو جائے گا کیونکہ پھر روزہ صرف بھوک پیاس رہ جائے گی حالانکہ روزہ ایک تربیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ﴿العلیم﴾ کو دیکھیں اس میں پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تین نام ہیں:

﴿العالم، العلیم اور العلام﴾

تینوں کا روٹ ایک ہے (ع ل م) علم اور علم جہالت کی ضد ہے۔ جہالت کہتے ہیں کسی چیز کو نہ جاننا اور علم کا مطلب ہے کسی چیز کو جاننا۔

﴿العالم﴾ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو علم رکھنے والا ہو یا جاننے والا ہو

﴿العلام﴾ مبالغے کا صیغہ ہے

﴿العلیم﴾ میں بھی بہت زیادہ شدت پائی جاتی ہے

عالم کے مقابلے میں العلیم سب کچھ جاننے والا ہے، یعنی جس سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ اور جاننے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کسی چیز کو پہچان لیا ہے یا اسے اس چیز کی خبر ہے۔ یعنی کوئی علم والا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس چیز کو جانتا ہے جس کا اسے علم ہے اور وہ اس کی خبر رکھتا ہے یعنی اس کو ان کے سارے حالات کا علم ہے۔

قرآن حکیم میں ﴿العلیم﴾ نام "157" بار آیا ہے

اس سے آپ اس کی اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ العلیم کے حوالے سے جس آیت نے زندگی میں بہت متاثر کیا ہے وہ فرشتوں کا رب کریم کے العلیم ہونے کا اظہار ہے۔ انہوں نے کہا:

﴿سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا﴾ (البقرہ:32)

"آپ پاک ہیں، جو کچھ آپ نے ہمیں سکھایا ہے اُس کے سوا ہمیں کچھ علم نہیں۔"

اس میں تعلق ہے، اس میں اظہار ہے کہ جو علم ہمارا ہے آپ ہی کی جانب سے ہے۔ اصلاً جو چیز ہر انسان کو اپنے ذہن میں رکھنی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کسی چیز کے بارے میں نہ علم رکھ سکتا ہے، نہ علم پر اس کی کوئی قدرت ہے اور نہ اس کا علمی حوالے سے کوئی کمال ہے۔ اس کے پاس جو علم ہے، اس کے پاس جو کمال ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا کمال ہے اور اس کے پاس جو علم ہے وہ ربِ عظیم کا دیا ہوا ہے۔

﴿اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ﴾ (البقرہ:32)

"یقیناً آپ ہی سب کچھ جاننے والے، کمال حکمت والے ہیں۔"

اس آیت سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ فرشتوں نے اعتراف کیا تھا کہ ہمارے علم کا مرکز، منبع اور اصل آپ کی ذات ہے۔ جو آپ دے دیں وہ ہمیں ملتا ہے اور جو آپ نہ دیں وہ ہم نہیں سیکھ پاتے۔ ہر انسان کو اس آیت سے سبق لینا چاہیے جس چیز کا اس کے پاس علم نہیں ہے اس کے لیے اپنے رب سے سوال کرنا چاہیے کیونکہ رب العزت سب کچھ جاننے والا ہے۔ جو علم ہے وہ اسی کا دیا ہوا ہے اور اسی نے علم کے ذرائع بھی دیے ہیں مثلاً دیکھنا، بولنا، سننا، سمجھنا اسی نے سکھایا۔ قوتوں کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے وہ جب تک چاہتا ہے کسی کو کوئی قوت دیتا ہے اور جب چاہتا ہے ان قوتوں کو زوال پذیر کر دیتا ہے یا ان قوتوں کو بالکل واپس لے لیتا ہے۔ جیسے اس نے قوتیں عطا کیں ہیں اسی طرح سے اس نے سارے علوم بھی سکھائے ہیں۔

انسانی علم کا آغاز کہاں سے ہوا یعنی کس علم سے؟

علم الاشیاء سے

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان کو اشیاء کے ناموں کا علم ہی دیا تھا اور اگر آپ اپنے

علم کی حقیقت کو سمجھنا چاہیں تو بڑی عجیب بات ہے لیکن ہم کسی چیز کے نام کے بغیر اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان پاتے۔انسان اپنا نام رکھتا ہے، ہر چیز کو اس کے ناموں سے پہچانتا ہے، نام اس کے لیے علم کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور نام کی وجہ سے ہی بات آگے بڑھتی ہے۔

کیا آپ کسی ایسی چیز کے بارے میں جانتے ہیں جس کا کوئی نام نہ ہو؟ کوئی ایسی چیز، کوئی پودا، کوئی درخت، نباتات میں سے دیگر چیزیں، کوئی جانور یا اس کے علاوہ کچھ بھی ہو۔انسان کسی بھی چیز کو تب پہچانتا ہے جب وہ اس کا نام رکھ لیتا ہے اور ناموں سے ہی فرق بھی کرتا ہے کہ فلاں چیز فلاں سے فرق ہے۔ ناموں کے بعد اگلی چیزیں آتی ہیں اس کی خصوصیات، اس کی فائدے، اس کے نقصانات اور اشیاء کے بارے میں یہ سب چیزیں آتی ہیں لیکن نام کے بغیر کسی چیز کی تحقیق کا کوئی فائدہ نصیب نہیں ہوتا کیونکہ نام علم کے میدان میں پہلی چیز ہے۔

پھر اسی طرح سے رب العزت نے فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ (آل عمران:154)

”اور اللہ تعالیٰ سینوں والی باتیں خوب جاننے والا ہے۔“

دل کی بات آپ جس سے جی چاہیں چھپالیں اپنی ماں سے، باپ سے، شوہر سے، بچے سے لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے اور

﴿ذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾

عربی زبان میں ذات الصدور کو دلوں کی ملکہ کہتے ہیں

یعنی اس میں انسان کے رجحانات، اس کے خیالات، اس کی پسند ناپسند ہر ایک چیز آجاتی ہے۔اب انسان نے چھپا کر رکھا ہے کہ اسے کیا پسند ہے اور کیا ناپسند ہے؟ انسان کا رجحان کیا ہے؟ اپنے رجحان کے بارے میں بچے ماں باپ سے بھی چھپا لیتے ہیں کہ میرا

کس چیز کی جانب رجحان ہو رہا ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے۔ آپ ذرا اس کو تصور کر کے دیکھئے:

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ (آل عمران:119)

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔“

تو وہ سینہ جس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کے بارے میں جب یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتا؟ جو اس بات پر یقین رکھتا ہے پھر:

وہاں پر کینہ کیسے رہتا ہے؟

وہاں پر بغض کیسے رہتا ہے؟

وہاں پر غفلت کیسے آتی ہے؟

وہاں پر حسد کیسے جنم لیتا ہے؟

وہاں پر بدگمانی کیسے رہتی ہے؟

وہاں پر دنیا کی محبت کیسے آتی ہے؟

بیشک اللہ تعالیٰ سینوں کی باتیں پوری طرح جاننے والا ہے۔ بالکل پوری طرح، کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ مثلاً ہمیں صرف اپنے سامنے نظر آتا ہے لیکن پیچھے نظر نہیں آتا یہ ہماری حد ہے اور ہم سب ایک برابر ہیں، صرف سامنے والی چیز کو دیکھتے ہیں اس کے پیچھے جو کچھ ہے وہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے پیچھے بھی سامنے ہے اور جو کچھ اس نے ہمارے وجود کے اندر رکھا ہے کچھ بھی اس سے چھپا ہوا نہیں ہے اور نہ ہی اس سے چھپا سکتے ہیں کیونکہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ (آل عمران:119)

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔“

جس کا اس آیت پر یقین ہو جائے اس کا دل (قلب) شفاف ہو جائے گا۔ وہ کوشش

کرے گا اور آہستہ آہستہ سیاہ دل گناہوں سے پاک ہو جائے گا کیونکہ وہ بدگمانی ٹھہرا نہیں سکتا، حسد ٹھہرا نہیں سکتا، کینہ اور بغض رکھ نہیں سکتا، کسی کے بارے میں برا سوچ نہیں سکتا کیونکہ اسے پتہ ہے دل داغدار ہو جائے گا۔ پھر تبدیلی کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق کے ساتھ اس کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی طرح سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 97 میں فرمایا:

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾

"اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔"

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بنایا ہے، ہمیں وجود عطا کیا ہے اور وہ اس وجود کی نگہبانی کرتا ہے تو انسان کو اس سے بہت زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ ہاں جو احسان فراموش نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور دوسری طرف جس کو اللہ رب العزت کے احسان کا احساس نہیں ہے اسے اس بات سے فرق ہی نہیں پڑتا کہ اس نے مجھے کیا کچھ دے رکھا ہے۔ دیکھنے کی قوت دی ہے، بولنے والی زبان عطا کی ہے اور یہ بھی طے کیا ہے کہ زبان نے کب تک بولنا ہے اور کیا کچھ بولنا ہے۔

کیا آپ بتا سکتے ہیں!

آپ کی زبان نے آج کے دن پر کون کونسی بات کرنی ہے؟

آج شام تک آپ کی زبان نے یہ یہ بات ضرور کر لینی ہے؟

آپ کی زبان نے آپ کی موت تک کیا کچھ بولنا ہے؟

کیا کوئی اپنے علم سے یہ بات پتہ چلا سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کو وہ ساری باتیں بھی معلوم ہے جو ہم نے موت کے وقت تک کرنی ہیں۔ وہ کیسا علم رکھنے والا ہے کہ ہماری زبان نے کیا کچھ بولنا ہے، ہماری آنکھ نے کیا کچھ دیکھنا ہے، ہمارے کانوں نے کیا کچھ سننا ہے، ہمارے دل نے کیا کچھ اپنے اندر رکھنا ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔ جب انسان غور کرتا ہے تو غور و فکر کر کے اسے اپنی عاجزی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ

لازمی سی چیز ہے جتنا اس کے اندر اپنی بے بسی کا احساس ابھرتا ہے کہ میں کچھ نہیں چھپا سکتا اتنا ہی زیادہ وہ اللہ تعالیٰ کے آگے جھک سکتا ہے۔ اگر وہ بے بسی کے احساس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے آگے جھک جائے، سجدے میں جائے یا دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دے کہ:

یا اللہ!

تو نے مجھے پیدا کیا اور تو نے ہی مجھے علم عطا فرمایا ہے

میری قدرت میں کچھ نہیں ہے الا یہ کہ تو قوت اور قدرت دے دے

میں بے بس ہوں اور تو زور آور ہے، میری پیشانی کے بال تیری مٹھی میں ہیں

جب انسان ادراک کرتا ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے آگے بچھا دیتا ہے، یہ اس کی شخصیت کے بدلنے کا آغاز ہے۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کے علم، اس کی سماعت یا اس کی کسی بھی صفت کی حقیقت کو کھولتے جانا، پرت پرت کر کے اس میں غور وفکر کرنا اور دوسری طرف اس کے اعلیٰ ہونے کے مقابلے میں، کمال والا ہونے کے مقابلے میں اپنی بے بسی کو پاتے چلے جانا۔ اپنی بے بسی کو اور اس کی عظمت کو دیکھیں گے تو اس کے آگے جھک جائیں گے۔ لیکن اگر آپ نے اپنے آپ کو بیچ میں سے الگ کر لیا اور اپنے بارے میں نہ سوچا تو پھر کیسے جھکیں گے؟

اس لیے اپنی بے بسی کو بھی سوچنا پڑتا ہے کہ ہم تو اتنی آواز سن سکتے ہیں جتنی قوت دی گئی ہے اور اگر اس سے زیادہ آواز ہو تو کان کے پردے پھٹ جائیں گے اور ایک وقت میں دو آوازوں کو الگ الگ فرق کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک وقت میں دو لوگوں کی بات کو صحیح طریقے سے سمجھ نہیں پاتے اور دیوار کے پار کوئی بولے تو سمجھ نہیں آتی۔ ہمارا علم اتنا محدود ہے کیونکہ صلاحیتیں اور قوتیں محدود ہیں اور جو چیز علم میں آ بھی جاتی ہے اس پر بھی اختیار نہیں ہوتا۔ اختیار اسی کا ہے تو پھر گیں ڈال دیں، اپنے آپ کو اس کے آگے بچھا دیں۔

جو کچھ حشر کے میدان میں بھی ہونے والا ہے انسان نے جو کچھ کہنا ہے اللہ تعالیٰ

اسے بھی جانتے ہیں۔قبر کی زندگی میں ہمارے ساتھ کیا بیتنے والی ہے اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتے ہیں۔درختوں کا کوئی پتا ایسا نہیں ہے جو درختوں سے جدا ہو جاتا ہے جس کو رب نہ جانتا ہو۔کبھی خزاں کے موسم میں دیکھا ہے کتنے پتے گرتے ہیں؟ جب آپ دیکھیں تو اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہیں ان میں سے کوئی پتا ایسا نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نہ جانتا ہو۔یہ پڑھنے اور پڑھانے والی چیزیں نہیں ہیں اصل میں یہ برتنے والی چیزیں ہیں، پیغام دینے والی چیزیں ہیں۔

کوئی پتا ایسا نہیں ہے جس کو میرا رب نہ جانتا ہو، کتنے پھول ہیں جو دنیا میں کھلتے ہیں کیا آپ ان کی تعداد بتا سکتے ہیں؟ آج کے دن پر کتنے پھول کھلیں ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان کی تعداد کے بارے میں جانتا ہے۔آج کے دن پر کتنی عورتیں حاملہ ہوئی ہیں؟ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں بھی پورے طریقے سے جانتے ہیں۔کوئی انسان اس کے بارے میں نہیں جان سکتا آج کے دن کتنے لوگوں کی وفات ہونی ہے یا ہو چکی ہے؟ کتنے لوگ آج پیدا ہوں گے۔ہم نہیں جانتے لیکن ذرا اس کے علم کو تو دیکھئے وہ کس کس چیز کا علم رکھتا ہے کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔

انسان ظاہر کی طرف دیکھتا ہے اور جو چیز چھپی ہوئی ہو اس کو تصور نہیں کر پاتا۔جب اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں جانیں گے اور جتنا زیادہ آپ کے دل کے اندر راسخ ہوں گی تو پھر آپ ظاہر سے بالاتر ہو جائیں گے۔جب انسان علم سیکھ رہا ہوتا ہے تو اسے استاد کی نظروں سے بھی اس کے اشارے سے بھی، حرکات وسکنات سے بھی، اس کی آواز سے بھی ان چیزوں کی حقیقت سمجھ آتی ہے۔اس لیے کہ توجہ اس جانب ہوتی ہے لیکن استاد کی جانب توجہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب توجہ نہیں ہے۔اصل توجہ تو اسی کی جانب ہے اور اسی کے لیے آپ آ کر بیٹھے ہیں، قدرتی طور پر جب اس کا علم کسی کے واسطے سے مل رہا ہے تو جو چیز درمیان میں آتی ہے وہ نظر تو آتی ہے لیکن اس کو ہٹائیں کیسے؟

ایسا کب ہوسکتا ہے؟ جب آپ اپنی باتوں سے زیادہ رب کی باتیں کریں۔کیا آپ اپنے رب کی باتیں کرتے ہیں؟ آپ شعوری طور پراللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں باتیں کریں،اللہ تعالیٰ کے العلیم ہونے کے حوالے سے اور یہ آپ کے لیے بہت زیادہ مددگار ہو گا۔آپ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وئی چھوٹی چھوٹی نظمیں یادکرلیں کیونکہ وہ انسان کو بہت زیادہ فائدہ دیتی ہیں۔آپ کو بھی ان سے بہت فائدہ ہوگا۔وہ آپ کی تنہائیوں میں بھی آپ کی مدد کریں گی، گنگناہٹوں میں اور پھر بار بار آپ انہیں زبان پہ لائیں گے،کبھی اکیلے میں،کبھی سب کے سامنے تو اس نظم کے اندر جو پیغام ہے وہ آپ کواللہ تعالیٰ کے قریب کردے گا۔

اسی طرح سے آپ آیات اور احادیث کو خوبصورت انداز میں پڑھنا سیکھیں اور یاد کرلیں۔جتنی آیات اللہ تعالیٰ کے ﴿العلیم﴾ ہونے کے حوالے سے ہیں ان کو ضرور یاد کریں اور یہ یاد کرنا ایسا نہیں ہے جو امتحانی نقطۂ نظر سے ہو بلکہ آپ محبت کرنا چاہتے ہیں تو محبت کے لیے یاد کریں۔آپ ان کو دل کی محبت کے ساتھ،پورے شوق کے ساتھ یاد کریں، آپس میں ایک دوسرے کو ضرور سنائیں اور جیسے انسان خود کلامی کرتا ہے،گنگناتا ہے تو خود کلامی کی صورت ان آیات کو اندر باہر،آتے جاتے،اٹھتے بیٹھتے گنگناہٹوں میں لے آئیں۔ پھر آپ کو ان پر غور وفکر کرنا آئے گا،آپ کے پاس کوئی چیز تو ہونی چاہیے جس کی وجہ سے آپ کا ذہن کام کرنا شروع کرے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی ذات کے بارے میں غور وفکر کرنے کا ہمیں شوق لگادے اوراپنی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دے۔جس کی وجہ سے دنیا وآخرت میں ہمیں اس کا قرب نصیب ہو(آمین)۔

اسے دل میں
بسانا ہے

ALNOOR-PUBLICATIONS

تذکرہ ہے جہانوں کے بادشاہ کا

وہ جسے نگاہیں دیکھ نہیں سکتیں

وہ جس کو حواس محسوس نہیں کر سکتے

وہ جو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے

وہ جو پکار سنتا ہے اور جواب دیتا ہے

وہ جو ساری مانگیں پوری کرنے والا ہے

وہ جو کائنات کی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے

وہ رب عظیم کہتا ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ﴾ (البقرہ:186)

''جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو آپ انہیں بتا دو کہ میں قریب ہوں۔''

یقیناً وہ تو قریب ہے بات ہماری ہے کہ

ہم اس کے کتنے قریب ہیں؟

اور ہم کیسے اس کے قریب ہو سکتے ہیں؟

اس کے جو ہمارے قریب ہے، جو ہماری سنتا ہے

اور انسان جو اس کی مخلوق ہیں، جو اس سے رزق پاتے ہیں، جو اس کے در کے سوالی ہیں، جو اس کے فقیر ہیں۔ وہ اس غنی کی نہیں سنتے کیونکہ وہ اس کے قریب نہیں ہیں۔ انسان اس کے قریب ہوتا ہے جس کو وہ پہچانتا ہے، جس کو وہ جانتا ہے اور جس کو وہ جان لیتا ہے اسے مان لیتا ہے۔ تعلق کی بات بعد میں آتی ہے لیکن اسی سے جڑی ہوئی ہوتی ہے اور ہم سب

جانتے ہیں کہ اس دنیا میں اگر اس کی نہ مانی تو اس کے نتیجے میں ہمارے ساتھ کیا بیتنے والا ہے۔ہم یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہیں، زبان سے یہ کہنا کتنا آسان ہے:

﴿اِنَّا لِلّٰہِ﴾

”بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں۔“

لیکن انسان سمجھتا ہے کہ میری ذات میری اپنی ہے۔ ارد گرد ہونے والی اموات اعلان کرتی رہتی ہیں کہ میری ذات اپنی نہیں ہے۔کون ہے جو چاہتا ہے کہ اسے مٹی میں دبا دیا جائے؟ کوئی بھی نہیں چاہتا لیکن جب اس کی روح پرواز کر جاتی ہے، وہ اپنے مولیٰ کے پاس پہنچ جاتی ہے تو باقی کا وجود کس قابل رہ جاتا ہے، وہ تو مٹی میں دبا دیا جاتا ہے۔اسی وجود کو کھلانے پلانے کے لئے، بنانے سنوارنے کے لئے ساری زندگی بتا دی جاتی ہے اور وہی وجود، وہی بدن، مٹی کی امانت، مٹی میں پہنچ جاتا ہے۔

حقیقت تو اتنی سی ہے کہ

وہ (اللہ تعالیٰ) باقی ہے اور ہم فانی ہیں

کتنا عجیب معاملہ ہے کہ جس نے فنا ہو جانا ہے وہ باقی رہ جانے والی ذات سے تعلق بنا لے تو کیسے فنا ہونے والے کی ذات تو نہیں لیکن اس کی صفات صالحات امر ہو جاتی ہیں۔ وہ رب رحمان فرماتا ہے کہ

﴿وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ﴾

”باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔“

نیکی کیسے وجود میں آتی ہے؟

کیا نیکی کسی ارادے کے بغیر وجود میں آجاتی ہے؟

کیا نیکی کا ارادہ کسی تعلق کے بغیر وجود میں آجاتا ہے؟

کیاارادے کے پیچھے چھپی ہوئی خواہش کسی تعلق کے بغیر وجود میں آجاتی ہے؟

کیسے کوئی انسان کسی کام کو کرنے کے لئے آمادہ ہوتا ہے؟

کیسے کسی انسان کو ترغیب ملتی ہے؟

کیسے کوئی انسان کسی کام کو کرنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے؟

عمل کے پیچھے ارداہ، اردادے کے پیچھے مضبوط تحریک اور مضبوط تحریک کا سبب رب کی ذات کا تعلق ہے۔ نیک اعمال اس کی ذات پر یقین کے ساتھ وجود میں آتے ہیں لہٰذا اس کی ذات کے ساتھ تعلق بنانا، اس کے قریب ہونا یہ ہماری ضرورت ہے کیونکہ اس تعلق کے بغیر ہم اپنی زندگی کا مقصد بھی پورا نہیں کر سکتے۔ اتنی سچی بات ہے جو رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الزاریات:56)

”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اور انسانوں کو پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری عبادت کریں۔“

یہ عبادت کیا ہے؟

ہر وہ قول، ہر وہ عمل جو انسان کرتا ہے

خواہ وہ دل کا ہو، زبان کا ہو یا بدن کا

جو اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے

جس کا اس نے حکم دیا ہو

جس کا اس نے مطالبہ کیا ہو

عمل میں تو نگاہوں کا عمل بھی آتا ہے، عمل میں تو سماعت کا عمل بھی آتا ہے، عمل میں تو قلب کا عمل بھی آتا ہے اور سارے ہی اعمال عبادت ہوجاتے ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم

سے، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اور نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق انجام دیے جاتے ہیں۔ شیخ صالح ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ نے اس معاملے کے حوالے سے یہ بتا کر ہمارے لئے کتنا آسان کر دیا کہ

''ہم سب اللہ تعالیٰ کے لئے پیدا کئے گئے ہیں''

انسان کتنا نادان ہے، سمجھتا ہے کہ میں اپنے لئے پیدا ہوا ہوں۔ ایک ماں یہ سمجھتی ہے میں اپنے بچوں کے لئے پیدا ہوئی ہوں، ایک بیوی یہ سمجھتی ہے کہ مجھے میرے شوہر کے لئے بنایا گیا ہے۔ جو مال کا بیٹا ہے، درہم و دینار کا بیٹا ہے وہ کہتا ہے کہ میں تو مال کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ جو شہرت کے لئے جیتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں تو دنیا میں اچھا نام کمانے کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ کتنی نادانی ہے کہ انسان یہی نہ سمجھ پائے اسے کیوں پیدا کیا گیا ہے؟

ہم سب اللہ تعالیٰ کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور ہماری زندگی کا مقصد عبادت ہے۔ وہ کام کرنے ہیں، وہ نیکیاں کرنی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لئے ہوں اور محمد ﷺ کے طریقے کے مطابق ہوں۔ ہماری ہر بات، ہماری ہر نظر، ہماری سماعت اور ہر وہ سوچ جو دل میں آئے وہ رب عظیم کی پسند کے مطابق آئے، جو دل سے نکلے وہ رب کی ناپسندیدگی کی وجہ سے نکلے۔ زندگی کی ایک ایک تار، ایک ایک چیز اس سے جڑی ہوئی ہے۔

''ہم سب اللہ تعالیٰ کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور ہماری زندگی کا مقصد عبادت ہے تاکہ ہمارے دل محبت اور تعظیم کے ساتھ اس ذات سے جڑ جائیں۔''

تو ہم سب کیوں پیدا ہوئے؟

اس لئے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کریں، اپنے مولیٰ کے قریب ہو جائیں۔ ہم عبادت بھی اس لئے کرتے ہیں کہ ہم اس سے محبت کر سکیں۔ ہم زندگی میں جتنی ریاضت کرتے ہیں وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں محبوب ہو جائے۔ محبت ہماری ضرورت ہے، وہ محبت جو اللہ تعالیٰ

کی ذات سے ہے۔محبت جان پہچان کے بغیر نہیں ہوتی اور یہ محبت تقاضا کرتی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں جانیں، اس کو پہچانیں اور اس کی ذات پر یقین ہمارے قلب کی گہرائیوں میں اتر جائے، پیوست ہو جائے۔ یہ یقین جتنا پختہ ہوتا ہے اتنی ہی محبت ہوتی ہے، جتنی یہ محبت بڑھتی ہے اتنی ہی نیکیاں کرنے کی محبت بڑھتی ہے۔

نیک اعمال کیسے وجود میں آتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کی محبت میں، اللہ تعالیٰ کے لئے وجود میں آتے ہیں۔ اگر آپ نگاہ دوڑا کر دیکھیں اس پوری کائنات میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے، اس لئے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اس کا مالک وہ اللہ ہے، اس کی تدبیر اور انتظام کرنے والا وہ رب ہے، اس کے لئے ہر طرح کی راہ نمائی کرنے والا، رزق دینے والا، وہی پیدا کرنے والا، راستہ دکھانے والا اور راستے پہ چلانے والا بھی ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو حیرت کی انتہا نہیں رہے گی کہ وہ ساری باتیں جن کا تجربہ آپ ہر وقت کرتے رہتے ہیں لیکن دراصل وہ تجربہ نہیں ہے صرف استعمال ہے۔ مثال کے طور پر سورج کو رب نے بنایا ہے، پیدا کرنے والا وہ ہے، اس کو رب نے راستہ دکھایا۔ سورج اور چاند دونوں طے شدہ راستے پہ چلے ہی جا رہے ہیں اور دونوں ہی روشنی دیتے ہیں۔ ایک روشنی دینے والی چیز آپ کے پاس بھی ہے، آپ کی آنکھیں جن سے آپ جہان کو دیکھتے ہیں۔

کیا آپ کو اپنی آنکھوں سے محبت ہے؟

کیا یہ آنکھیں آپ کسی کو دے سکتے ہیں؟

ان آنکھوں سے آپ کیا کیا کچھ کر سکتے ہیں؟

یہ آنکھیں آپ کو رنگ بتاتی ہیں

یہ آنکھیں آپ کو راستہ دکھاتی ہیں

یہ آنکھیں کتنی چیزوں میں فرق کرواتی ہیں

ان آنکھوں سے آپ چیزوں کو پہچانتے ہیں

آنکھوں کی روشنی کیسے وجود میں آئی؟

کس نے بصارت کو آنکھوں کے راستے سے ہمارے لئے نعمت بنا دیا؟

چشمۂ بصارت کے پیچھے پورا سسٹم ہے، اگر یہ چشمہ سوکھ جائے تو سامنے نظر آنے والی آنکھ کچھ بھی نہیں کرسکتی۔ وہ رب ہے جو آنکھ کو بناتا ہے، آنکھ کو دیکھنا سکھاتا ہے اور ہر آنکھ کو وہ کیسے ہدایت دیتا ہے۔ کان کو سننا سکھاتا ہے تو پیچھے سننے کی قوت، سننے کا سارا عمل بھی رکھ دیتا ہے اور سارے اسباب جو سننے کے لئے مہیا کرنے کی ضرورت ہے وہ بھی پیدا کرتا ہے۔

وہ کتنا عظیم ہے جس نے ہمیں آنکھوں جیسی دولت دی ہے۔ کوئی اس دولت کو اپنی زندگی میں اپنے کسی بہت عزیز کو بھی عطیہ نہیں دینا چاہتا کیونکہ اندھا بننا کسی کو بھی پسند نہیں ہے۔ کوئی نہیں چاہتا کہ وہ کچھ نہ دیکھ پائے اور اس سے روشنی گم ہو جائے۔ وہ رب جیسے آنکھ کو دیکھنا سکھاتا ہے، روشنی کو راستہ دیتا ہے تو آنکھ روشن ہوتی ہے اور پورا جہان اس کے لئے روشن ہو جاتا ہے۔ وہ جو آنکھوں کو نور عطا کرتا ہے وہی ساری کائنات کا نور ہے، وہی ہر چیز کی روشنی ہے۔ جانتے ہیں انسان کے وجود میں اس روشنی کا منبع و مرکز کیا ہے؟

انسان کا قلب، اس کا دل

یہ دل کی بستی خدا کی بستی ہے

یہ دل رب کریم کے نور کا گھر ہے

اور ہم اس کے گھر میں اسی کو نہیں بساتے

یہ گھر تو اسی کا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

کیا میرا دل اس روشنی سے محروم ہے؟

کیا صدا ہی محروم رہے گا؟

آخر کیوں! کیوں یہ دل روشن نہیں ہوتا؟ کیوں یہ دل بے کار کی باتیں سوچتا ہے؟ اور بے کار چیزوں کو اپنے اندر جگہ دیتا ہے۔ یہ قلب ہے، یہ وہ دل نہیں جو خون پمپ کرتا ہے۔ قرآن اسے قلب کہتا ہے، جو سوچتا ہے، جو فیصلے کرتا ہے، ارادے کرتا ہے۔ یہ اردادے کرنے والا دل، مختلف خیالات کی آماجگاہ بننے والا دل جو مختلف رجحانات رکھتا ہے، یہ دل اللہ تعالیٰ کی بستی ہے۔

کیوں غیر اللہ کی محبت دلوں کے اندر بسی ہوئی ہے؟

کیوں اس دل میں کسی اور کو بسایا اور خواہشات کی بستی بنا دیا؟

کیوں اسے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی محبت کی آماجگاہ بنا دیا؟

ہاں یہی دل تو ہے جہاں سے ارادے اٹھتے ہیں۔ پیچھے ترغیب دلانے والی قوت یعنی محرک کیا ہے؟ وہ رب کی قوت ہے، وہ رب کی خوشی ہے۔ کیا یہ دل رب کی خوشی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا ہے؟ رب کی خوشی اس دل کے اندر جگہ نہیں بنائے گی؟ انسان کوئی کام رب کی خوشی کے لئے تو اس وقت کرتا ہے جب وہ رب اس دل میں بستا ہو۔

کیوں بسایا کسی اور کو؟

کیوں بسایا غیر اللہ کی محبت کو؟

کیا رب نے نہیں کہا تھا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (التوبہ:24)

”آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ﴾

”کہہ دو اگر تمارے باپ۔“

یعنی تمہارے ماں باپ اور اوپر کی ساری نسلیں اس میں آجاتی ہیں۔

﴿وَاَبْنَآؤُكُمْ﴾

”اور تمہارے بیٹے۔“

تم سے وجود میں آنے والے تمہارے جگر گوشے، جو تمہیں بہت عزیز ہیں۔

﴿وَاِخْوَانُكُمْ﴾

”اور تمہارے بھائی۔“

برابر کے سارے لوگ، سارے بہن بھائی جن کے ساتھ خصوصی تعلق ہوتا ہے۔

﴿وَاَزْوَاجُكُمْ﴾

”اور تمہارے ازواج۔“

تمہاری بیویاں اور بیویوں کے لئے شوہر، اس رشتے کی محبت رب نے ہی دلوں میں بسائی ہے۔

﴿وَعَشِيْرَتُكُمْ﴾

”اور تمہارے کنبے قبیلے کے لوگ۔“

ہم نے اپنے دلوں میں خاندان اور قبیلے کی محبت بسائی ہوئی ہے اور وہ رب کہتا ہے اے رحمۃ للعالمین آپ بتا دیں اگر تم نے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر ماں باپ سے محبت کی، اللہ تعالیٰ پر اس محبت کو ترجیح دی، اگر تم نے اپنے بیٹوں سے، اپنی اولاد سے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر محبت کی، اگر تم نے اپنے بہن بھائیوں سے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر محبت کی، اگر تم نے اپنے کنبے قبیلے کے لوگوں سے، اپنی ازواج سے اپنے رب کریم سے بڑھ کر محبت کی۔

﴿وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا﴾

”اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں۔“

مال جس میں انسان کا دل اٹکتا ہے اگر اس مال کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت سے بڑھ کر ہے۔ انسان مانتا تو نہیں ہے لیکن کیا سارا دن نو اور ننانوے کے چکر میں نہیں لگاتے اور اس مال کی محبت کی وجہ سے وقت ہی نہیں ملتا کہ رب عظیم کی طرف بھی توجہ کر سکیں۔

﴿وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا﴾

”اور تمہاری وہ تجارت جس کے ماند پڑ جانے کا تمہیں خوف ہے۔“

جس کے کم ہو جانے سے تم ڈرتے ہو، وہ کاروبار جس کے لئے ساری زندگی لگا دی جاتی ہے۔ پہلے اس کے لیے تعلیم حاصل کرنے میں اور پھر اس کو بڑھانے کے چکر میں پھنسے رہتے ہیں۔

﴿وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ﴾

”اور تمہارے وہ گھر جو تمہیں بے حد عزیز ہیں۔“

کیسے ہر شخص ساری زندگی اپنے گھر کا خواب دیکھتا رہتا ہے اور اپنی ساری جمع پونجی اس گھر کو بنانے میں لگا دیتا ہے۔

﴿اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ﴾

''تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں۔''

﴿فَتَرَبَّصُوْا﴾

''تو انتظار کرو۔''

کیونکہ اب تمہارا کچھ نہیں ہوسکتا، تم اب کسی قابل نہیں ہو، تمہارے دل میں رب کریم کی محبت نہیں بسی، تمہارے دل میں اس کے رسول کی محبت نہیں بسی، تمہارے دل میں اس کے دین کے لیے کوشش کرنے کی محبت نہیں بسی تو دیکھو کب وہ وقت آتا ہے:

﴿حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾

''یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے۔''

اور اس کے مقابلے میں جنہوں نے اپنے دل میں رب العزت کو بسایا ہے تو رب العزت نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرۃ:165)

''اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادہ شدید ہیں۔''

جنہوں نے مان لیا، جو تصدیق کرتے ہیں، جن کی زبانیں اعتراف کرتی ہیں، جنہوں نے اپنے رب کو جان لیا، جنہوں نے اپنے رب کو مان لیا، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب بنا لیا۔ وہ شدت پسند ہیں، انسانوں کی محبت میں نہیں، مال کی محبت میں بھی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں شدید ہیں، کوئی اور محبت اس محبت سے بڑھ کر نہیں ہے۔ ہمیں پیدا کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ ہم اپنے پیدا کرنے والے سے محبت کریں۔ پھر کیوں نہ کی وہ محبت جو ہم سے مطلوب تھی؟ وہ جیسے اقبال نے کہا:

تم ماہ شب چہار دہم تھے میرے گھر کے
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

یعنی تم تو میرے گھر کے چودھویں کے چاند تھے پھر تمہاری وجہ سے میرے گھر کا نقشہ کیوں نہ بدلا۔ اگر اس رب کریم کی محبت چودھویں کے چاند کی طرح دل میں بستی، چمکتی تو کیسے ممکن تھا کہ ہمارا دل نہ چمکتا۔ چودھویں کا چاند جب نکلتا ہے تو پورا روشن ہوتا ہے، اس کی کتنی ٹھنڈی میٹھی چاندنی ہوتی ہے۔

کیوں نہ اس رب کو، دل کو روشن کرنے والا بنایا؟

کیوں نہ اسے قریب کیا؟

وہ کون ہے جو آپ کے قریب ہے؟

کوئی تو اتنا قریب ہے کہ رب کو قریب نہیں کر پاتے

کیا بسا ہوا ہے دل میں؟

کوئی چیز تو اس کے علاوہ دل میں بسی ہوئی ہے

بنی اسرائیل سے رب العزّت نے یہ کہا تھا کہ بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں بسا دی گئی، رچا دی گئی، انہیں یہ محبت پلا دی گئی۔ ان کے دلوں میں تو بچھڑا بسا ہوا تھا، اس بچھڑے کو تلاش کریں جہاں آپ کا دل اٹکا ہوا ہے۔ جب تک اپنے دل کو خالی نہیں کریں گے تو اس رب کو اپنے دل میں کیسے بسائیں گے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ دل کی بستی اجڑی ہوئی ہے؟ کیونکہ کوئی بھی نہیں بستا تو یاد رکھئے گا اجڑے دیاروں پر تو شیطان قبضہ کر لیتا ہے اور اجڑے دیار کسی انسان کے نہ ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔ جن گھروں میں کوئی نہیں رہتا، جو اجڑ جاتے ہیں، زبانِ حال سے بتاتے ہیں یہاں کوئی نہیں رہتا۔

سوچیں کوئی بستا ہے تو وہ کون ہے؟

اور اگر دل اجڑا ہوا ہے، کوئی نہیں بستا تو کس نے اجاڑا؟

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡإِنسَٰنُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ ٱلۡكَرِيمِ﴾ (الانفطار:6)

"اے انسان! اپنے رب کریم کے بارے میں تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا؟"

یہ بتاؤ کہ کس نے دھوکہ دیا ہے؟
یہ تو بتادو کس دھوکے میں مبتلا ہو؟

کس دھوکے کی وجہ سے آپ کی تمناؤں کا رخ بدل گیا؟
اور آپ کی نظریں اپنے رب پر نہیں لگتیں

اب آپ کی تمناؤں کا مرکز وہ ذات نہیں ہے۔کیا آپ اپنے بارے میں سوچیں گے؟ بولیں گے؟ کون کھرا ہے؟ کون اپنے ساتھ مخلص ہے؟ دیکھیں قلب کی کیا کیفیت ہے؟ کیونکہ خالی کرنے کے لیے یہ پتہ لگانے کی ضرورت ہے کہ پہلے سے دل میں کیا ہے؟ کیا بدگمانیاں ہیں؟ آپ لوگوں میں سے کتنے لوگ ہیں جو بہت حساس ہیں؟ فوراً کسی کی بات محسوس کر جاتے ہیں، اندر ہی اندر کڑھتے رہتے ہیں اور دل کے اندر کسی غم کو پال لیتے ہیں کیونکہ بدلہ لینے کی قدرت نہیں رکھتے۔ یا قدرت رکھتے ہیں اور غصہ بہت آتا ہے تو غصے کا مرکز کیا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں دل کے بہت سے دروازے ہیں اور وہ سارے چوپٹ ہیں؟ جب دل کے دروازے کھلے ہوں اور ارد گرد کے ماحول میں آندھیاں اور طوفان چلتے ہوں، جھکڑ چلتے ہوں تو کیا اس کا اثر دل پر نہیں آئے گا؟ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

میں بھی تو گرد آلود فضاؤں میں رہتا ہوں
میرا بھی تو دامن میلا ہو سکتا ہے

قلب کے اوپر ماحول کا اثر بھی ہوتا ہے تو ہماری کیا کیفیت ہے؟ کون کھرا اور مخلص ہے جو اپنے آپ کو جانچے کہ میرے دل کا کیا حال ہے۔آپ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہیں تو اپنے آپ سے دو سوال کریں:

دل میں کیا ہے؟

دل میں کیا بسا یا ہوا ہے؟

یہ دو الگ الگ سوال ہیں کہ دل میں کیا رچا بسا ہے؟ جو دل میں رچا بسا ہے وہی آپ کا مزاج ہے۔تو کیا آپ کا مزاج رب کی محبت والا مزاج ہے؟ جب انسان کے قلب میں رب کی محبت ہوتی ہے تو اس کے سارے اعمال بدل جاتے ہیں۔زبان کا عمل، نگاہوں کا عمل، سماعت کا عمل، انسان کی حرکات وسکنات، انسان کے اعضاء کا عمل، سب بدل جاتے ہیں۔اپنی زندگی کا جائزہ لیں اور جب آپ جائزہ لیں گے کہ دل میں کیا بسا ہے؟ تو اس اعتبار سے جائزہ لیں کہ

کان جو کچھ سنتے ہیں دل میں جا کر وہ کیا کرتا ہے؟

وہ سب کہاں جا کر بیٹھتا ہے؟

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے وہ کیسی تصویر دل کے اندر بناتی ہے؟

تصویر تو بنتی ہے، ہم بچ تو نہیں سکتے لیکن ہر ایک کی کوشش کے مطابق وہ تصویر مختلف بنتی ہے۔میں سمجھتی ہوں انسان کو اتنا سچّا ہونا چاہیے کہ جو کچھ بھی دل میں آتا ہے، جو دل کی کیفیت ہوتی ہے وہ بیان کرے۔جیسے ڈاکٹر کو اپنے بدن کے بارے میں بتاتے ہیں کہ میرا گلا خراب ہے، نزلہ ہو رہا ہے، بخار ہو گیا، سر میں درد ہے، پیٹ میں درد ہے، فلاں تکلیف ہے اور کچھ بھی نہیں چھپاتے ہیں۔ذراسی بھی کوئی اور چیز نظر آئے وہ بھی فوراً کہہ دیتے ہیں اس لیے کہ ہم اپنے بدن کے ساتھ مخلص ہیں۔

لیکن!

ہمارا بدن بھی درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہمارا قلب درست نہ ہو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی کے دل میں بہت بدگمانیاں آتی ہوں، جب کسی کے دل کے اندر کینہ اور

بغض پلتا ہو تو اس کا دل مایوسی، غم اور پریشانیوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ یہ پریشانیاں ذہنی دباؤ تک لے جاتی ہیں کیونکہ اس کا کہیں جی نہیں لگتا اور ایسا انسان کوئی تعمیری کام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ جیسے منیر نیازی نے کہا ہے کہ

عادت ہی بنالی ہے تم نے تو منیر اپنی
جس شہر میں بھی رہنا اکتائے ہوئے رہنا

تو اکتاہٹ کیوں ہے؟ دل میں کچھ اور بستا ہے جو اس شہر میں نہیں ملتا۔ انسان کے اندر جب کوئی ولولہ، کوئی عزم نہ ہو، زندگی کے لیے کوئی بڑا خیال نہ ہو، وہ زندگی میں کوئی انقلاب نہ لانا چاہتا ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل میں کوئی اور بستا ہے۔ اپنی تلاشی لیں کیونکہ تلاشی لینا بہت ضروری ہے۔ کیا چیز اندر کہیں چھپی بیٹھی ہے؟ اگر کسی کے گھر کے اندر چور بیٹھا ہو تو کیا وہ تلاش نہیں کرے گا؟ یہ منفی اخلاق، اخلاق سیئہ بھی چھپے چور ہیں، اندر جاتے ہیں اور چھپ جاتے ہیں۔

مجھے بخار ہوتا تھا اور پھر اتر جاتا تھا پھر دوبارہ بخار ہو جاتا تھا۔ شاید ٹائیفائیڈ تھا تو میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب اس کی کیا وجہ ہے کہ دوائی کی خوراک بھی پوری لی ہے اور اس کے باوجود بخار بار بار آتا ہے۔ انہوں نے کہا بات دراصل یہ ہے کہ اگر ہم Booster Dose نہیں دیتے تو اس کے جراثیم تلی میں جا کر چھپ جاتے ہیں۔ اگر باقاعدہ طور پر تعلیم نہیں لیتے تو قلب کو بھی Booster Dose نہیں ملتی جس کی وجہ سے سارے جراثیم اندر کہیں جا کر چھپ جاتے ہیں۔ پھر چاہے وقفے وقفے سے کچھ چیزیں سنتے رہیں لیکن ایک دوائی کی خوراک کام نہیں آتی، اس کے لیے Booster Dose چاہیے۔

اصل میں اسماء وصفات کا علم Booster Dose ہے تاکہ آپ کے اندر جو جراثیم چھپے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں جگہ نہیں بنا پاتی اس کو آپ خود تلاش

کرنے کے قابل ہوجائیں۔

یہ کسی انسان کو شرمندہ کرنے والا معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے اگر آپ کے کسی پیارے کے چہرے پر کوئی چیز لگ جائے تو آپ اسے بتائیں گے بھی اور خود آگے بڑھ کر اسے صاف بھی کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ بھی ہم سے یہی چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے کے اندر برائیاں برداشت نہ کریں بلکہ تواصو بالحق کریں، تواصو بالصبر کریں۔ کوئی پھسلنے لگے تو اسے جمانے کے لیے کوشش کریں، کوئی سیدھے راستے پر نہیں آ رہا تو اسے لانے کی کوشش کریں اور مسلسل نصیحت کا عمل جاری رہنا چاہیے۔ کیونکہ اگر Booster Dose بھی مل جائے تب بھی کچھ چیزوں سے پرہیز بہت ضروری ہے۔ جیسے ٹائیفائیڈ کا مریض ہے اگر باربی کیو لینے لگ جائے یعنی گوشت کھائے، روٹی کھائے یا نان اگر اسے بہت پسند ہیں تو کھانے کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ بے شک جتنی مرضی اچھی دوا لے لیں بہر حال غذا میں بھی پرہیز ضروری ہے۔ اسی طرح سے آپ کی دوستیاں بدلنی ضروری ہیں۔ ایسے افراد سے دوستی کریں جو آپ کو رب کی یاد دلائیں، آپ کو اچھی نصیحت کر سکیں وہی آپ کے مخلص دوست ہیں۔

اور جیسے نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿مَنْ أَحَبَّ لِلهِ وَأَبْغَضَ لِلهِ وَأَعْطَى لِلهِ وَمَنَعَ لِلهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ﴾

”جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کی، اللہ تعالیٰ کی خاطر دشمنی رکھی، بغض رکھا، جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر دیا، اور اللہ تعالیٰ کی خاطر روک لیا اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔“ (ابوداؤد: 4681)

اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی تو اللہ تعالیٰ کے لیے بھی محبت بھی ہوگی۔ پھر آپ کسی سے بغض رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ کے لیے رکھیں گے مثال کے طور پر کوئی اپنے رشتہ دار سے خوف زدہ ہے

اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ رشتہ دار مجھے نقصان پہنچائے گا تو رجوع کس سے کرے گا؟ امی سے! بہن سے! کزن سے! دوست سے! نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے گا۔

رجوع الی اللہ کا کیا مطلب ہے؟

یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کو کیا پسند ہے؟

رشتہ داروں کے بارے میں دل میں بغض رکھنا یا دل شفاف رکھنا؟

یقیناً دل شفاف رکھنا ہی اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ پھر دل یہ کہتا ہے کہ اتنے تو تجربے کر لیے ہیں، تجربہ تو کچھ اور بتاتا ہے۔ سب کچھ ہمارے ہاتھ میں کب ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حوالے کریں کیونکہ اس کے سپرد کی ہوئی کوئی چیز کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ اپنے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کریں گے تو کبھی ضائع نہیں ہوں گے۔ دنیا میں رشتہ داری خراب نہیں کرنی، آپ میں سے ایک ایک فرد اگر اپنے رشتے داروں کے بارے میں سچی بات بولے تو سب پتہ چل جائے گا کہ رشتہ داریوں کے بارے میں ابلیس نے کتنا کام کیا ہوا ہے۔ کسی پر 100 فی صد، کسی پر 90 فی صد اور کسی پر 70,80 فی صد یعنی کچھ نہ کچھ کام ضرور ہے۔ جب تک آپ اس دل کو خالی نہیں کریں گے تب تک اپنے رب کریم کو دل میں نہیں بسا سکتے۔

دل کو ایسے تمام افعال سے بھی پاک کرنا ہے جو آپ کے اپنے ہوں جس کی وجہ سے آپ کا دل خراب ہو گیا اور ایسی ہستیوں کی محبت اور تعلق سے بھی پاک کرنا ہے جن کی وجہ سے دل خالی نہیں ہے۔ وہ ساری چیزیں جن سے انسان کو دنیا میں محبت ہو جاتی ہے ان سے بھی دل کو پاک کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

سوال وجواب

طالبہ: میرے دل میں بہت زیادہ بدگمانیاں آتی ہیں۔ کبھی میں معاف بھی کر دیتی ہوں، اس کے لیے دعائیں بھی کرتی ہوں لیکن پھر بھی میرا دل وہی کچھ کرتا ہے اور میرے

اندر وہی چیزیں دوبارہ سے آجاتی ہیں۔

استاذہ: ابلیس نے تو اپنا کام کرنا ہے اور دل کے اندر بدگمانی آنی ہے۔ دل کے اندر آنے والے خیالات کے بارے میں حافظ ابن قیم نے کہا کہ:

''یہ (خواطر) خیالات جو دل کے اندر آتے ہیں ابلیس ایک خیال ڈالتا ہے چھپ جاتا ہے، پھر خیال ڈالتا ہے پھر چھپ جاتا ہے، پھر خیال ڈالتا ہے پھر دیکھتا ہے کہ ابھی بھی اسے پتہ چلا ہے کہ نہیں۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کو کچھ پتہ نہیں تو وہ دل کے اندر ایک فلم ہی چلا دیتا ہے اور بندے کو لگتا ہے گویا یہی میرے دل میں ہے، وہ اسے اپنے دل کی بات لگتی ہے، اب وہ باتیں جب انسان کے اندر گھومتی ہیں تو دل کے اندر چسپاں ہو جاتی ہے وہاں سے خواہش جنم لیتی ہے، بری خواہش۔ جیسے کسی کے بارے میں برا خیال رکھا، بدگمانی کی، وہاں سے اس کے بارے میں برا ارادہ جنم لے گا۔ یہ خواہش ارادے تک پہنچے گی، ارادے سے عمل وجود میں آئے گا یوں ایک انسان برا عمل کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔''

اس کے لیے ایک بہت خوبصورت کورس ہے ''دل بدلے تو زندگی بدلے'' جس میں اپنے دل کا جائزہ لینے اور اس کی اصلاح کے طریقے پتہ چلتے ہیں۔ آپ بھی یہ کورس کریں گے تو اس کا بہت نفع ہوگا۔

طالبہ: یہاں آنے سے پہلے میرے دل کی کیفیت بھی پتھریلی اور بنجر زمین جیسی تھی۔ میں نے پہلے دو تین دفعہ قرآن کلاسز اٹینڈ بھی کیں لیکن جب دوبارہ اسی ماحول میں چلے جاتے تو کوئی اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔

استاذہ: Booster Dose نہیں ملتی تھی۔

طالبہ: جب سے میں نے باقاعدہ یہاں پر کلاسز لینا شروع کیں، ڈپلومہ کا آغاز کیا تو اب اس

کا یہ فائدہ ہوا ہے کہ جس طرح آہستہ آہستہ بارش ہوتی ہے اور تھوڑا تھوڑا اثر ہوتا ہے لیکن دیر پا ہوتا ہے جب کہ تیز بارش ہوئی اور پانی بہہ گیا، چلا گیا، تو با قاعدہ کلاسز سے بالکل ہلکی بارش والا اثر ہے۔ وہ بارش جیسے سما جاتی ہے اس طرح سے اس کا اثر ہے۔ لہٰذا میں تو یہ کہوں گی کہ اگر ہم مستقل سیکھیں تو ہم پر زیادہ اثر ہوگا اور اب میں الحمدللہ بہت کچھ حاصل کر رہی ہوں۔

استاذہ: الحمدللہ

طالبہ: استاذہ ابھی آپ نے کہا کہ جب تک دل خالی نہیں ہوتا تب تک اللہ تعالیٰ دل میں نہیں بس سکتے۔ میرے دل کی عجیب کیفیت ہے اللہ تعالیٰ بھی ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچھڑے بھی ہیں تو مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آتی۔ اب میں اللہ تعالیٰ کے لیے یہاں پر آتی ہوں میرا دل یہ بھی نہیں مانتا۔

استاذہ:

﴿لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾

”نہ اِس طرف اور نہ اُس طرف۔“

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ایک فیصلہ کرنا پڑے گا، اگر آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ناگزیر ہے، ہماری ضرورت ہے اور یقیناً زندگی کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہیں تو باقیوں کو نکال دیں۔ باقیوں کو نکالنا ضروری ہے جو چھوٹے چھوٹے بچھڑے ہیں۔ اس کے بارے میں آپ کو پتہ ہے یا اللہ تعالیٰ کو پتہ ہے۔ اس پر ہم تفصیل سے بات کریں گے کہ ان کو کیسے نکالا جا سکتا ہے؟

طالبہ: میرے اندر لوگوں کی محبت غالب آجاتی ہے۔ بہن بھائیوں کی، والدین کی اور رشتوں کی محبت اتنی زیادہ ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح کا تعلق نہیں بنتا۔

استاذہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ دل کو یقین نہیں ہے اللہ تعالیٰ سے سب سے بڑھ کر محبت کرنی ہے۔ کیا آج آپ کے دل کو یہ یقین آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سب سے بڑھ کر محبت کرنی ہے؟ یہ ہماری ضرورت ہے، یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے اور اس محبت کے بغیر کسی نیکی کا ارادہ جنم نہیں لے سکتا اور جب نیکی کا ارادہ ہی نہیں ہوگا تو عمل کیسے ہوگا۔

طالبہ: ایسے محسوس ہوتا ہے کہ دل کے جو ہم دروازے ہیں ان کے بارے میں تو ہمیں معلوم ہے، ان کو تو ہم بند کر لیتے ہیں لیکن ابھی بھی کچھ روشن دان یا کچھ سوراخ باقی ہیں کہ جن سے کہیں نا کہیں کچھ ایسے طریقے سے آتا ہے کہ جب وہ کام کر دیتا ہے تو اس کے بعد احساس ہوتا ہے کہ یہ کام تو اس طرح نہیں ہونا چاہیے تھا۔

استاذہ: مجھے آپ کی بات سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یاد آ گئے جب وہ غارِ ثور میں گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے ٹھہرایا، غار کو صاف کیا، پھر ارد گرد دیکھا کہ کہیں سوراخ تو نہیں ہے پھر انہوں نے اپنی چادر پھاڑی اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے اس سے مختلف سوراخ بند کر دیے۔ ایک سوراخ رہ گیا تو اس پر اپنا پاؤں رکھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے کہ ایک موذی جانور آیا اور اس نے پاؤں پہ کاٹ لیا۔ جب اس نے کاٹا تو درد کی شدت سے آنکھ سے نکلنے والا آنسو لڑھک کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گال پر گرا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ تو اس وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بتایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب لگایا تو موذی جانور کے ڈسنے سے جو کیفیت پیدا ہوئی تھی وہ دور ہوگئی۔

یہ تو ساری زندگی کا کام ہے کہ آپ یہ سوراخ، یہ دروازے، کھڑکیاں، یہ روشن دان

بند کرتے ہی رہیں گے۔ آپ ایک بند کریں گے تو دوسرا کھولنے کے لیے ابلیس حملہ کردے گا، دوسرا بند کریں گے تو تیسرا کھولنے کے لیے حملہ کرے گا۔ اسی کے لیے تو نیک لوگوں کی بستی میں رہنا، نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا بہت زیادہ ضروری ہے اور ایسے کام کرنے ضروری ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا معاملہ دل کے اندر ہمیشہ تروتازہ رہے۔ یعنی اس کی سوچ، اس کے بارے میں غوروفکر اور اردگرد کا ماحول ایسا ہو جہاں ہر وقت لوگ نیکی کی تلقین کرنے والے، برائی سے روکنے والے ہوں۔ اس کی وجہ سے جب حملہ ہوگا تو آپ کی طرف سے مقابلہ بھی ہوگا۔ اگر ان سارے دروازوں کو ایک ہی وقت میں بند کرنا ممکن ہو جائے تو سارے بے فکر ہو جائیں کہ تمام دروازے، کھڑکیاں بند کر دیے ہیں اور اب کوئی نقصان نہیں ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ نے زندگی کو امتحان بنایا ہے اس لیے کھلنے اور بند ہونے کا سلسلہ جاری رہے گا۔

طالبہ: میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ایک وقت تھا جب مجھے لگتا تھا کہ میں بڑی مظلوم ہوں، بڑے ظلم ہو گئے ہیں۔ پھر اتنی ضد اور انا آ گئی تھی میرے اندر کہ میں یہ کہتی تھی کہ اگر خوش نہیں رہنا تو رہنے بھی نہیں دینا۔ پھر جب میں نے دل کے دروازے پڑھا تو مجھے احساس ہوا کہ میرے تو سارے دل کے دروازے کھلے تھے پھر میں کیسے مظلوم ہوگئی۔ پھر میں نے اپنے آپ کو بہتر کرنے کی کوشش کی۔

استاذہ: ہاں یہ کتنا اہم ہے اور یہ صرف آپ کا معاملہ نہیں ہے بلکہ خواتین کا عمومی طور پر ایسا ہی مزاج ہوتا ہے۔ اس بچی کا اپنے بارے میں تجزیہ کتنا خالص ہے۔ جو اس نے اپنی ذات کے اندر سے نکالا ہے کہ میں اپنے آپ کو مظلوم سمجھتی تھی اور میں نے ٹھان لی تھی کہ اگر میں خوش نہیں تو کوئی بھی خوش نہیں ہوگا۔ ایسا ہوتا ہے اور دنیا میں فساد اسی طرح سے پھیلتا ہے۔

استاذہ: اب کیا حال ہے؟

طالبہ: اب صلہ رحمی کی آیات پڑھیں ہیں تو صلہ رحمی بھی کر لی۔ اب میرے دل میں یہ آتا ہے کہ اچھا میں نے معاف کر دیا حالانکہ اس نے تو میرے ساتھ یہ زیادتی بھی کی تھی، یہ بھی کی تھی پھر میں بھول کیسے گئی؟ ابھی بھی دل خالی نہیں ہو رہا، دل میں نفرت ابھی بھی اٹھتی ہے۔

استاذہ: اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک بار آپ نے سوچ لیا، آپ نے صفائی کرنے کی کوشش کر لی پھر اس کے بعد دوبارہ کبھی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ آپ اپنا گھر کتنے دن کے بعد صاف کرتے ہیں؟ روزانہ کرتے ہیں۔ آپ جن برتنوں میں کھانا کھاتے ہیں وہ کب دھلتے ہیں؟ روزانہ دھلتے ہیں یعنی جب وہ خراب ہوتے ہیں، گندے ہو جاتے ہیں پھر آپ انہیں دھو لیتے ہو۔ آپ جو کپڑے پہنتے ہیں وہ کب دھلتے ہیں؟ جب گندے ہوتے ہیں تو دھل جاتے ہیں۔

آپ کا بدن بھی میلا ہو جاتا ہے اور اس کے کچھ حصے ایسے ہیں جن کو آپ دن میں پانچ مرتبہ دھوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے ورنہ انسان کبھی پانچ دفعہ اپنے آپ کو اس طرح سے نہ دھوتا۔ پھر بدن میلا ہوتا ہے تو آپ غسل کرتے ہیں۔ کچھ لوگ روزانہ غسل کرتے ہیں چاہے سردیاں ہوں یا گرمیاں اور کچھ لوگ روزانہ غسل نہیں کرتے لیکن بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی ایک حد رکھ دی ہے۔ ہفتے میں ایک بار تو ضرور ہی غسل کرنا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ طاہر اور پاک رہنے کے لیے، پاک زندگی گزارنے کے لیے کچھ کام تو روزانہ کرنے کے ہیں، کچھ دن میں پانچ بار کرنے کے ہیں اور کچھ ایسے کام ہیں جو ہفتے میں ایک بار کرنے کے ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو جمعہ کی نماز باجماعت پڑھتے ہیں اور خطبہ سنتے ہیں کیونکہ ہفتہ وار صفائی ہو جاتی ہے، اس کا کافی فائدہ ہوتا ہے۔ اجتماعی

طور پر آپ خواہ کتنا ہی علم حاصل کر لیں لیکن آپ کو اپنا دل صاف کرنے کے لیے مسلسل کوشش کرنی ہے۔

کتنی چیزیں ہیں جن پر مٹی پڑ جائے تو عمومی طور پر لوگ اسے برداشت کر لیتے ہیں مثال کے طور پر بلب کے اوپر جو مٹی ہے، لائٹ پر جو مٹی ہے یا پنکھے کے اوپر ہے تو آپ اسے روزانہ صاف نہیں کرتے لیکن جو بہت نفیس لوگ ہوتے ہیں، صفائی پسند ہوتے ہیں ان کو چین نہیں آتا جب تک کہ ہر جگہ کی مٹی صاف نہیں کر لیتے۔ تو ذرا سوچیں کہ آپ لکڑیوں کی مٹی صاف کریں، کپڑوں پر جمنے والی گرد کو بھی صاف کریں، برتن بھی صاف کریں، فرش بھی صاف کریں اور جس چیز کی صفائی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اس کو صاف ہی نہ کریں۔ یہ بات ضرور سمجھ لیں کہ یہ مسلسل جاری رہنے والا عمل ہے۔ صفائی ستھرائی میں تسلسل ہونا چاہیے اور اپنے دل کا محاسبہ کریں۔ ہر روز یہ جائزہ لینا ضروری ہے اب کیا حال ہے؟ اور پھر ان حالات کے مطابق استغفار بھی کریں، اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کریں اور عملی طور پر کوشش بھی کریں۔

طالبہ: عملی طور پر کوشش بھی ہے، دعائیں بھی ہیں لیکن دل کو سکون کب آئے گا یعنی پرسکون حالت کب ہوگی کہ اب کوئی بے چینی نہیں ہے، بے سکونی نہیں ہے یہ حالت کب آئے گی؟

استاذہ: جب آپ اللہ تعالیٰ کو دل میں بسا لیں گی تو سکون آجائے گا۔ اس لیے اپنے رب کو دل میں رکھنا ہے۔

طالبہ: اب لگتا ہے جیسے آج کی کلاس کے بعد اب ہماری روحانی بیماریوں کا علاج شروع ہو گیا ہے۔ دراصل ہماری روح ہی مردہ تھی، ہم زندہ لاشیں چلتے پھرتے دنیا کے سارے ہی کام کرتے تھے لیکن سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ کام بھی مکمل نہیں ہو رہے، جو ہم

کرنا چاہتے ہیں وہ کام بھی نہیں ہو رہا۔ہمیں دراصل ان راستوں کا نہیں پتہ جہاں کامیابیاں ہیں۔تو الحمدللہ آج استاذہ سے کچھ سمجھنے کا موقع ملا ہے اور میں یہ سمجھتی ہوں کہ یہ ہماری بیماریوں کا علاج ہو رہا ہے۔ہمیں صحیح راستے کے تعین کا پتہ نہیں تھا، اللہ تعالیٰ کی محبت جو ہمارا سب سے پہلا فرض ہے کہ ہم نے اپنے رب کو پہچاننا ہے اور ہم نے اپنے رب کو کیسے پہچاننا ہے؟اس کا ہمیں بالکل بھی نہیں پتہ تھا کہ کیسے پہچانیں۔درختوں سے پہچانیں، پودوں سے پہچانیں وہ تو ہم دیکھتے تھے جب کبھی ہمیں سامنے نظر آجاتے تو ہم اپنے اللہ کو یاد کر لیتے ہیں لیکن لمحہ لمحہ کیسے ہمارے ہر کام کا نقطہ ہمارے رب سے ہی جڑنا ہے۔تو الحمدللہ ہم نے سیکھا ہے اور میری خواہش ہے کہ یہ سیکھنے کا عمل ساری زندگی جاری رہے۔میں یہ پیغام اپنے بہن بھائیوں سے، دوست احباب سے Share کرتی ہوں تاکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو اپنا بنانے کی کوشش کریں جیسے میں کر رہی ہوں۔

طالبہ:استاذہ جو آپ نے آخری بات کی ہے کہ دل کے اندر کیا ہے؟اس میں حسد، کینہ، بغض، غصہ وغیرہ یہ ساری چیزیں آتی ہیں لیکن یہ دل کے اندر رہتی ہیں باہر نہیں آتیں۔وہ سب کچھ کسی کے اوپر نکلتا نہیں ہے اور پھر میری اپنے آپ سے جنگ شروع ہوتی ہے کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟ پھر آہستہ آہستہ کچھ اللہ تعالیٰ کا تعلق ملتا ہے تو خود ہی یہ چیزیں ختم ہو جاتی ہیں۔اور بار بار یہی عمل چلتا ہے، پھر میں کہتی ہوں کہ ٹھیک ہے اللہ تعالی نے کہا ہے غصہ نہیں کرنا اور میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے چھوڑ دیا لیکن پھر انسان کیوں بار بار ایسا کرتے ہیں اور یہ چیز مجھے ستاتی ہے۔

استاذہ:بات یہ ہے کہ جب آپ دنیا میں کسی سے محبت کرتے ہیں اور آپ نے محبت کا تجربہ کیا ہو گا ماں سے محبت، اپنے بہن بھائیوں سے محبت، رشتوں کی محبت اور

جو انسان کے دل کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے کیا آپ اس کے ناپسندیدہ کام اس کے سامنے جاری رکھتے ہیں؟ جن سے وہ نفرت کرتا ہے۔نہیں کیونکہ انسان کا دل ڈرتا ہے کہ کہیں وہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔انسان قلبی طور پر یہ چاہتا ہے کہ جس سے میں محبت کرتا ہوں مجھے اس کو راضی رکھنا ہے۔

تو زندگی کی کہانی یہی ہے جب اسے یعنی اللہ تعالیٰ کو دل میں بسائیں گے تو اس کی پسند کا خیال رکھیں گے اور ناپسندیدہ کاموں کو دور پھینک دیں گے۔اور یہ جو دل کے اندر گہری جمی ہوئی کائیاں ہیں، گہری جمی ہوئی گندگی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے زیادہ کوشش کی ضرورت ہے۔جیسے دھاتوں کو پگھلانے کے لیے زیادہ گرمی دی جاتی ہے اور گندگی کو نکالنے کے لیے بھی بہت سے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔پہلے گندگی ہٹانی پڑتی ہے پھر جگہ کو صاف کرنے کے لیے اس کے مطابق چیزیں استعمال کی جاتی ہیں۔جیسے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی عام فرش کے اوپر بہت زیادہ گندگی کی وجہ سے داغ لگ گئے ہیں، اگر ٹائلز ہوں تو ٹائل کلینز اور اگر ویسے فرش ہو تو کوئی ایسڈ وغیرہ استعمال کیے جاتے ہیں۔آپ یہ دیکھ لیں کہ اتنا بڑا علاج ہوتا ہے تو یہ آسان نہیں ہے۔سب سے زیادہ جو چیز آپ کو فائدہ دے گی وہ اللہ کے رسول ﷺ نے بتائی ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

''خبردار! دلوں کو زنگ لگ جاتا ہے جس طرح لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے دریافت فرمایا: ''اس زنگ کو کیسے دور کیا جائے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ﴾ ''کثرت سے قرآنِ پاک کی تلاوت اور کثرت سے آخرت کی یاد۔'' (مشکوٰۃ:2168،اسنادہ ضعیف)

اچھی خوب صورت انداز میں خود تلاوت کریں، اچھی تلاوت سننا اپنی روٹین بنائیں آپ کی دل کی دنیا بدل جائے گی۔

قرآن میں حرف
حرف میں کہانی
کہانی میں انسان
انسان اور قرآن

قرآن اور رحمن
رحمن میں خوشی
خوشی میں رنگ

رنگ زندگانی کے
زندگی میں لگن
لگن میں قرآن ہے

قرآن میں پیار
پیار میں زندگی
زندگی میں قرآن

قرآن میرا دوست
دوست میرا لافانی
فانی ہے انسان
انسان اور قرآن

قرآن میں نغمگیت
نغمگیت میں تاثیر
تاثیر میں سکون
سکون اور قرآن
قرآن ہے انسان کا

انسان اور رحمن
رحمن کی خوشی
خوشی کی پہچان
پہچان اور قرآن

پہچان اور لفظ
لفظ اور رحمن
رحمن کی پہچان
پہچان اور قرآن

قرآن اور زندگی
زندگی اور تم
تم اور قرآن

قرآن اور مزہ
مزہ زندگی کا
زندگی تمہاری ہے

زندگی ادھاری ہے
جانے کی تیاری ہے
تیاری اور قرآن

قرآن اور وقت
وقت ہے قرآن کا

نگہت ہاشمی

Share Quraan

ALNOOR-PUBLICATIONS

اللہ تعالیٰ
کی رحمت ہے

ALNOOR-PUBLICATIONS

جہانوں کا بادشاہ رحمن بھی ہے، رحیم بھی ہے اور اس کی رحمتیں تو بے کنار ہیں۔ اگر کوئی اس کی رحمت کی وسعت کا اندازہ لگانا چاہے تو کوشش کر سکتا ہے لیکن کامیاب نہیں ہو سکتا یعنی کچھ حصے کا تو وہ اندازہ کر لے گا باقی حصے کا اندازہ نہیں کر پائے گا۔ انسان ہوں یا حیوان، نباتات ہوں یا جمادات ہر ایک کی زندگی اور اس کا قیام رب رحیم کی رحمت کی وجہ سے ہے۔ اور زندگی میں جب ہمارے پاس عقل ہے تو دو راہیں موجود ہیں، خیر اور شر، جب ایک چیز دو حصوں میں بٹ سکتی ہے تو فساد آ سکتا ہے، انتشار پیدا ہو سکتا ہے۔

انسان جس کے اندر ہر وقت تقسیم ہونے کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور جس کے اثرات بھی انسان پر مرتب ہوتے ہیں۔ انسان کی فکر، اس کی سوچ جب انتشار کا شکار ہوتی ہے، جب وہ ایک جگہ توجہ مرکوز کرنے کے قابل نہیں ہوتا تو اس کی زندگی کا اطمینان رخصت ہو جاتا ہے اور اس کے لیے سکون اور اطمینان خواب و خیال کی باتیں ہو جاتی ہیں۔ انسانی زندگی میں جتنے دکھ ہیں، مصائب ہیں، پریشانیاں ہیں، چاہے وہ پریشانیاں جسم کے حوالے سے ہوں، روح کے حوالے سے ہوں یا فکر کے حوالے سے ہوں ان سارے مصائب کو انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کنٹرول کر سکتا ہے۔ یعنی مصائب تو ہوں لیکن محسوس نہ ہوں کیونکہ انسان کے دل کے اندر آمادگی پیدا ہو گئی ہے۔

ہم آج کی اس نشست میں دیکھیں گے کہ:

وہ دل کے اندر آمادگی کیسے ہوتی ہے؟

کیسے انسان کے اندر یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ وہ جسمانی طور پر بیمار ہو لیکن اس کے باوجود ذہنی سکون میں ہو۔ عجیب بات ہے کہ جب انسان کا بدن بیمار ہوتا ہے تو اس سے کہیں زیادہ اس کی سوچ اور روح بیمار ہو جاتی ہے، اور جتنا انسان فکر کرتا ہے، پریشان ہوتا ہے تو

اس کی تکلیف میں مزید اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

آپ کبھی بیماری میں پریشان ہوتے ہیں؟

مثلاً جب گلہ خراب ہوجائے تو کتنی بار کہتے ہیں کہ میرا گلہ خراب ہوگیا ہے، جب بخار ہوجائے تو کتنی بار کہتے ہیں مجھے بخار ہے، ایک آدھ بار تو ہوسکتا ہے تاکہ اس کا کوئی علاج کر لیا جائے لیکن شکوے کے طور پر جو لوگ بار بار دہراتے رہتے ہیں تو ایسا نہیں ہوتا کہ اس شکوے کا انسان کی روح پر اثر نہ ہو۔ پھر انسان کیسے بیماری کی پریشانی اور تکلیف سے نکل سکتا ہے۔ اسی طرح سے کبھی آپ کے اوپر کوئی مصیبت، کوئی تکلیف آئی ہو، آپ نے کبھی تجربہ کیا ہو، گھر میں کوئی پریشانی آئی ہو، مالی طور پر کسی مسئلے میں مبتلا ہوگئے ہوں۔ گھر میں رشتے داروں کے حوالے سے بعض اوقات خوشیاں ملتی ہیں، بعض اوقات پریشانیاں آجاتی ہیں، معاشرتی حالات وواقعات میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے اور جہاں پر بھی انسان رہتا ہے ہر وقت کافی تیروں کا رخ اس کی جانب ہوتا ہے اور انسان کے لیے زندہ رہنا بڑا مشکل ہوجاتا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ برٹن رسل نے کہا: Survival Of The Fitest یعنی جو اپنے آپ کو ماحول کے مطابق زیادہ اچھے طریقے سے ڈھالنے میں کامیاب ہوجاتا ہے وہ زندہ رہ سکتا ہے اور اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور جو حقیقت ہے وہ یہ کہ انسان اس کو سمجھ نہ پائے کہ اسے اصل میں دنیا میں کیسے زندہ رہنا ہے۔ جب انسان کے پاس علم نہیں ہوتا اور وہ لوگوں کی مرضی اور ماحول کے مطابق اپنے آپ کو فٹ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ مثلاً آپ کسی چوکور ڈبے کے اندر کسی گول چیز کو فٹ کرنا چاہیں تو وہ نہیں ہوگی اور اگر چوکور کو گول میں فٹ کرنا چاہیں تو وہ بھی فٹ نہیں ہوگی، پھر کیا کریں چوکور کو گول کرلیں یا گول کو چوکور کرلیں یقیناً یہ تکلیف دہ عمل ہے اور پھر بھی ضروری نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے اندر فٹ

ہو جائیں۔ کیونکہ یہ حقیقت نہیں ہے اور انسان آج تک اس نظریے کے تحت اطمینان کی زندگی بسر نہیں کر پایا کہ

چلو تم ادھر کو، جدھر کی ہوا ہو

اور

کھاؤ من بھاتا، پہنو جگ بھاتا

زبان خواہ کوئی بھی ہو آپ کو اس ماحول میں ڈھلنے کے لیے قائل کیا جاتا ہے کہ آپ ڈھل جاؤ۔ کہیں پر کسی کی فطرت کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اس کی فطرت کیا ہے؟ وہ اگر ڈھلنے کی کوشش کرے گا تو اس پر کیا بیتے گی؟ اور اسی چکر میں انسان بے بس ہو گیا ہے وہ بھاگتا ہے، بھاگتا ہے، بھاگتا ہے اور اپنے آپ کو فٹ نہیں کر پاتا۔ وہ خود کو Misfit محسوس کرتا ہے، لوگ بھی اسے اجنبی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو مطمئن بھی نہیں کر پاتا۔ پھر وہ سوچتا ہے کہ دنیا کو کبھی کوئی راضی کر ہی نہیں سکا تو پھر وہ کچھ کر لو جس سے آپ راضی ہو جاؤ اور انسان اپنے آپ کو خوش کرنے کی کوشش میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اور آج کے دور میں Chemistry Of Happiness کے حوالے سے جتنے نظریات ہیں، جتنے فلسفے ہیں کہ

خوش ہو جاؤ	اپنے مطابق جیو
اپنے آپ پر مان کرو	اپنے آپ پر اعتماد کرو
جو کرنا چاہتے ہو وہ کر لو	دنیا میں یہ سوچو کہ آپ ہو

میں ہوں اور میں ہوتا رہتا ہوں

بس ساری دنیا مجھے تسلیم کرے

اگر آپ ٹیکنالوجی میں آنے والی ساری تبدیلی کو دیکھیں تو وہ اسی فلسفے کے مطابق

وجود میں آ رہی ہے۔ کیونکہ یہ انسان کی سوچ ہے اور وہ وہی چیزیں سامنے لے کے آتا ہے جس میں وہ خود نمایاں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جیسے You Tube پر کوئی بھی اپنا چینل بنا سکتا ہے اور دنیا میں کتنے زیادہ افراد اس کو استعمال کرتے ہیں۔ ہر ایک متعارف کرواتا ہے کہ آپ میرے چینل کو جوائن کرلیں۔ ذرا غور کریں ''میں'' جس چینل پر میں ہوں اور جس چینل کے ذریعے سے آپ کو فلاں نفع ہوسکتا ہے۔ آپ اپنی فیس بک پر ہر وقت یہ بتاتے رہتے ہیں کہ

''میں ہوں''

میں کھاتا ہوں میں پیتا ہوں

میں سوتا ہوں میں جاگتا ہوں

میں ملتا جلتا ہوں میں فلاں جگہ جاتا ہوں

ہر وقت اعلان ہو رہے ہیں

اور

ایک اعلان مسجد میں بھی ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ کے گھر میں اور وہ اعلان کتنا مختلف ہے۔ اس میں مسجد کے مؤذن جو اذان دیتے ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ

''میں ہوں''

میری آواز سنو، میری آواز کتنی خوب صورت ہے اور میری آواز کی خوب صورتی کے قصیدے لکھ دو۔

بلکہ!

وہ اپنے رب عظیم کی بڑائی بیان کرتے ہیں

کہ آؤ اور اپنے رب رحمن کے سامنے جھک جاؤ

یہ یوٹیوب چینلز اور فیس بک پیجز کسی کو کیا خوشی دے سکتے ہیں۔ ہر ایک اپنے آپ کو مکمل طور پر بے نقاب بھی کرتا ہے اور چھپ کر بھی رہنا چاہتا ہے کیونکہ سب سے بڑی اپنی ذات ہو گئی (نعوذ باللہ)۔کیا انسان اس طرح سے خوش ہو گیا ہے؟ عجیب بات یہ ہے کہ خودکشی کا تناسب بھی بڑھ گیا ہے اور انا پرستی کے دین نے انسان کو کیا دیا؟ ڈپریشن، منشیات، نشہ اور اس کے باوجود جارحیت، قتل و غارت گری ہو رہی ہے۔

کیا یہ انسانیت کا سب سے بڑا خواب تھا؟

انسان کے دکھوں کا حل!

انسان کے لیے خوشی کی تلاش کی یہ منزل تو نہیں ہے

پھر انسان اپنے آپ کو کیسے مطمئن کرے؟

کیسے خوش رہے؟

دنیا کی ہر چیز اپنی فطرت کے مطابق زندگی بسر کرتی ہے تو کوئی چیز ڈیپریسڈ نہیں ہے ،کوئی چیز تکلیف میں نہیں ہے اور وہ اپنے کام کرتی ہی چلی جا رہی ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔آپ گائے کو دیکھیں اسے کبھی یہ فکر لاحق نہیں ہوتی کہ مجھے کوئی نیا کھانا چاہیے، میرے لیے ریسٹورنٹ بنائے جائیں، مجھے کپڑے بھی پہننے ہیں، مجھے سیر و تفریح کے لیے بھی جانا ہے، ضیافت بھی ہونی چاہیے وغیرہ وغیرہ۔کیونکہ گائے اپنی فطرت کے مطابق جیتی ہے اور اسے جس فطرت پر بنایا گیا ہے اس میں کہیں بھی یہ چیزیں شامل ہی نہیں ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان خوش نہ ہو۔انسان کو تفریح چاہیے، انسان نیا پن بھی چاہتا ہے، انسان تبدیلی سے اکثر اوقات خوش بھی ہوتا ہے اور وہ یکسانیت سے اکتا تا بھی

ہے۔لیکن ضروری تو نہیں کہ یہ ساری چیزیں ہر انسان کے ذاتی فیصلے سے اسے نصیب ہو جائیں۔سورج نکلتا ہے جب سے اسے پیدا کرنے والے نے پیدا کیا ہے وہ اپنے کام میں ذرا سا بھی انحراف نہیں کرتا۔کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ سورج چاند کو جا پکڑے یا چاند سورج میں گر جائے اور تارے آپس میں ٹکراتے نہیں ہیں۔سارا نظام بالکل صحیح قائم ہے کیونکہ جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے اس نے ہر چیز کو اس کی فطرت کے مطابق اصولوں میں باندھ رکھا ہے،پوری کائنات میں جہاں کہیں بھی غور کرلو ہر چیز میں Built in پروگرام ہے:

﴿مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ﴾ (الملک:3)

”تم رحمان کی تخلیق میں کوئی بے ترتیبی نہ دیکھو گے۔“

ہر چیز ترتیب میں ہے،ہر چیز پرسکون ہے اور ہم ہر چیز کو دیکھ کر پریشان نہیں ہوتے۔چاند نکلے تو اچھا لگتا ہے،چودھویں کا چاند کس کو برا لگتا ہے؟ تارے کتنے خوبصورت لگتے ہیں۔یہ انسان کے اندر کی دنیا کے حالات کا معاملہ ہے کہ جب وہ غم میں ہوتو اسے کوئی چیز اچھی نہیں لگتی اور جب وہ خوشی میں ہوتو اسے ہر چیز اچھی لگتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی چیز اپنی تخلیق کے مطابق چلتی ہے،ان اصولوں پر جس کے مطابق اسے تخلیق کیا گیا ہے تو وہ بالکل ٹھیک کام کرتی ہے،اطمینان اور سکون سے،نہ وہ بھڑکتی ہے،نہ تڑپتی ہے،نہ وہ بجھ جاتی ہے بلکہ ٹھیک رہتی ہے۔آپ سورج کی آگ کو دیکھئے کبھی بجھتی ہے یا زیادہ بھڑک جاتی ہے بلکہ ایک ترتیب کے ساتھ اس کا سلسلہ ازل سے جاری ہے کیونکہ اصولوں کے مطابق ہے۔

ہم خود اپنی زندگی میں تجربہ کرتے ہیں مثلاً جب آپ کھانا بناتے ہیں اور اس کی ایک مخصوص ترکیب ہے۔اگر اسی کے مطابق کیا جائے،آنچ بھی اتنی رکھی جائے،ترتیب بھی وہی رکھی جائے تو آپ کوئی بھی کھانا بنانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے

اس کا ذائقہ بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ اصول ضابطے تو چاہئیں اور انسان کی خوشی، اطمینان، سکون اور کامیابی کے لیے اس کی فطرت میں رب العزت نے عبودیت رکھ دی ہے یعنی اعلیٰ وارفع ذات کے آگے جھکنا۔اور دوسری چیز تلاش ہے، انسان کی فطرت میں اللہ رب العزت نے Idealism بھی رکھ دیا ہے اور وہ آئیڈیل کی تلاش میں رہتا ہے۔

میں آئیڈیل کی تلاش کی مثال دینا چاہتی ہوں۔آپ اپنی ماں کی محبت کو محسوس کرتے ہوں گے، دنیا میں جو ہستی سب سے زیادہ شفیق ہوتی ہے وہ ماں ہے، ماں کی محبت پانے کے باوجود کیا انسان کو پھر کسی اور کی محبت کی تلاش ہوتی ہے؟ اسی طرح سے چھوٹا بچہ پہلے ماں سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے لیکن تھوڑا بڑا ہوتا ہے اور اس کی آنکھیں کھلتی ہیں تو اسے لگتا ہے نہیں کچھ اور لوگ بھی ہیں، وہاں بھی میرے لیے محبت ہوسکتی ہے، باپ ہے، بہن بھائی ہیں۔ وہ کچھ عرصے تک مطمئن رہتا ہے پھر اسے لگتا ہے نہیں دوست بھی ہونے چاہئیں۔اور جوں جوں وہ بڑا ہوتا ہے اسے لگتا ہے یہ محبتیں تو مل ہی رہی ہیں ان میں کونسا کمی آنی ہے دوستوں کی محبت اصل میں محبت ہے کیونکہ وہ ہماری باتیں زیادہ سمجھتے ہیں، ان کو پتہ لگتا ہے ہم کیسے سوچتے ہیں اور ہماری ان کے ساتھ ہم آہنگی ہو جاتی ہے۔

پھر ماں باپ اور بچوں کے درمیان چونکہ عمر کا وقفہ آگیا، نسل کا فرق جس کی وجہ سے بچے یہ سوچتے ہیں کہ وہاں تو ان کی بات نہیں سمجھی جائے گی، دوست سمجھ جائیں گے۔ پھر دوستوں کے ساتھ رہتے رہتے ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جہاں انسان کہتا ہے بھئی دوست تو اپنی جگہ ٹھیک ہیں لیکن زندگی کا ساتھی بھی چاہیے۔ پھر وہ زندگی کے ساتھی میں محبت تلاش کرنے کی، سکون تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب وہ ساتھی مل جاتا ہے اور اس کی محبت بھی مل جاتی ہے تو کچھ عرصے بعد لگتا ہے اور زیادہ محبت چاہیے۔

انسان اللہ تعالیٰ کی محبت سے کم پر سمجھوتہ کر ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ ایسی محبت ہے جو بہت

وسعت رکھتی ہے اور وسعت والی محبت بے غرض ہو تو اسے رحمت کہتے ہیں۔ اس کی رحمت نے تو ہر چیز کو گھیرے میں لے رکھا ہے، ہر چیز اس کی رحمت کا مظہر ہے لیکن:

انسان کو وہ رحمت کب نفع دیتی ہے؟

اس کے لیے اللہ پاک نے انسان کی مشینری کے اندر ایک چیز فٹ کر رکھی ہے جسے عقل کہتے ہیں۔ جس سے انسان غور و فکر کر سکتا ہے اور انسان جب تک غور فکر نہیں کرتا اس کو تجربہ نہیں ہوتا، تجربہ نہیں کرتا تو اس کو نفع نہیں ہوتا۔ عجیب بات یہ ہے کہ باہر تو رحمت کم نہیں ہوتی، اس میں وسعت ہی رہتی ہے لیکن اندر کی دنیا میں تبدیلی ایسی ہے جس کی وجہ سے ہر آنے والے لمحے میں غور فکر کیا جاتا ہے، اس کی وجہ سے انسان کی شخصیت میں بہت گہرائی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے اندر تبدیلی آتی ہے۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے آپ کو زندگی کے دکھ ملیں، کوئی نقصان ہو جائے، کسی مشکل میں آ جائیں۔ اگر اپنے آپ کو غور فکر کر کے ایسی سٹیج پر لے آئیں کہ آپ کے ذہن کا رخ اس کی رحمت کی طرف مڑ سکتا ہو تو آپ ہر تکلیف پر، ہر مصیبت پر، ہر پریشانی میں مطمئن ہو سکتے ہیں۔ آپ کی کارکردگی اور اطمنان میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے انسان تجربہ کرتا رہتا ہے، اس کے اندر تبدیلیاں آتی ہیں۔

جانتے ہیں کیا تبدیلیاں آتی ہیں؟

بڑی بڑی تبدیلیوں کا ذکر کروں گی۔ جو کوئی مشکل آتی ہے، مصیبت آتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تجربہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ جو اس رحمت کا تجربہ نہیں کرتا اس کو سوچنا نہیں آتا، اپنے ذہن کا رخ اس طرف موڑنا نہیں آتا پھر اس کو صبر بھی نہیں آتا۔ اس کی رحمت کی طرف توجہ کرنے والا اس مشکل مرحلے میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے

حوالے کر دیتا ہے کیونکہ وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرنے والا ہے وہ مجھے تھام لے گا۔ہم عملی طور پر بھی دیکھتے ہیں کہ کس موقع پر کیا کرنا چاہیے۔لیکن نبی ﷺ کی دعا کو سب سے پہلے سامنے رکھنا چاہتی ہوں۔

﴿اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو فَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَأَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ﴾

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں تو مجھے میرے نفس کے حوالے ایک لمحے کے لیے بھی نہ کرنا اور میرے سارے معاملات کی اصلاح کر دیا، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔'' (ابوداؤد:5090)

میرے سارے حالات کی اصلاح کر دینا۔میری سوچ جو ٹیڑھی ہوئی، میری روح پر جو اثرات مرتب ہوئے، جو میرے جسم نے سہا، جو ماحول کے اندر خرابیاں پیدا ہوئیں میرے سارے حالات کی اصلاح کر دینا۔

آپ کے اندر وہ امید ہے؟

کون کون سے کام آپ زندگی میں کرتے ہیں؟

سن رہے ہیں، لکھ بھی رہے ہیں، سوچ بھی رہے ہیں۔جب انسان سنتا ہے تو ہو سکتا ہے 50% سن رہا ہو اور 50% ہی سمجھ آ رہی ہو لیکن جب رحمت سے امید لگائیں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ تو بالکل ہی نیا میدان ہے (الحمدللہ)۔یا اللہ! یہ تو کبھی میرے ذہن میں آیا ہی نہیں تھا۔53%، 54%، 55% اور انتہاء ہی نہیں ہے، گنتی ختم ہو جائے گی۔ جب حالات کی اصلاح ہوگی تو سب سے پہلے سوچ اور فکر کی اصلاح ہوگی، پھر آپ کو بیماری میں اللہ تعالیٰ کی رحمت نظر آئے گی۔آپ سیدھا سوچ نہیں پا رہے، آپ کے اندر اتنی تلخی ہے کسی کی بات کی کہ وہ نکل نہیں رہی، آپ اتنے گہرے صدمے میں ہیں اور اس کی وجہ

سے آپ کی سوچ کا سانچا ٹیڑھا ہو گیا ہے، صدمہ اتنا حاوی آجاتا ہے۔ آپ کی روح پر بھی اثرات ہیں اور جو غلطیاں ہوتی ہیں ان کی وجہ سے انسان کے قلب پر کتنے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ وَإِنْ عَادَ زِيدَ فِيهَا حَتَّى تَعْلُوَ قَلْبَهُ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَ اللهُ﴾ (ترمذی:3334)

”بندہ جب ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ڈال دیا جاتا ہے اور جب وہ گناہ سے باز آجاتا ہے اور استغفار اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو وہ نقطہ بڑھ جاتا ہے حتی کہ وہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔“

ہم کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتے، ہم چاہیں بھی تو اس کو درست نہیں کر پاتے تو جب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید باندھ لی، دعا مانگ لی اور یہ کہا کہ یا اللہ! میرے نفس کے حوالے مجھے ایک لمحے کے لیے بھی نہ کرنا، اور یہ کہا کہ فلاں مجھ سے ناراض ہے، فلاں مجھ سے بات نہیں کرتا، فلاں مجھ سے ہمیشہ تلخ بات کرتا ہے اور میرے ماحول میں میرے کام اتنے زیادہ ہیں کہ میں ان کو نہیں کر سکتا۔ جیسے امام ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ:

”میرا جی چاہتا ہے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں۔ جب میں رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں تو میں سوچتا ہوں کہ علم عبادت سے افضل ہے، علم حاصل کرنے بیٹھتا ہوں تو میری عبادت مختصر ہو جاتی ہے۔ پھر جب میں یہ سوچتا ہوں کہ غیرت کے ساتھ میرا اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے کمانا ضروری ہے تو میرا بہت سارا وقت

دعوت الی اللہ کے کاموں سے نکل جاتا ہے۔اور جس وقت میں رشتے داروں سے ملتا ہوں اور بیماروں کی عیادت کرتا ہوں اور بہت سارے دوسرے کام ہیں تو نیکی کے کام چھوٹتے ہیں۔تقریباً انہوں نے 20,25 کام گنوائے اور کہا کہ میں کوئی کام بھی سیدھا نہیں کرسکتا۔''

تو پھر سیدھا کرنے والا کون ہے؟

جس کی رحمت سے امید باندھنی ہے

لہٰذا امید باندھنی سیکھیں کیونکہ ایسا نہیں ہے امید اچانک سے آپ کے اندر آجائے۔ کیا آپ کا کوئی تعلق ہے، آپ اپنی سوچ کو کسی جگہ لے جانے کے قابل ہوئے ہیں؟ اگر آپ کی سوچ کہیں سفر کرسکتی ہے تو وہ اس جگہ امید لے کر آجائے گی اور اگر آپ سفر نہیں کر سکتے تو آپ اپنی سوچ کو اپنی ذات کے گرد گھمائے رکھتے ہیں۔وہ آپ کے اندر رہتی ہے یا اردگرد کے ماحول کے اندر گھومتی ہے اور آپ کے اندر سے گھبراہٹ اٹھے گی۔

پھر کیسے اپنے آپ کو سیدھا کریں گے؟

یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے

جو ہر میدان میں کامیاب کروائے گی

جو ہر جگہ آپ کو چاہیے وہ دلوائے گی

اس رب رحمٰن کی رحمت سے امید باندھیں، جس بھی چیز سے نجات چاہیے، جو چیز اپنی زندگی میں لانا چاہتے ہیں، جن جن کاموں کو کرنا چاہتے ہیں۔اسی طرح سے جب انسان اپنی زندگی میں کچھ کرنا چاہتا ہے تو بعض اوقات اتنا محدود سکوپ رکھتا ہے مثلاً اس کی قوت تو 100% ہے اور وہ سوچتا ہے پوائنٹ (.001) میں نے سوچ لیا بس اتنا ہی کافی ہے۔اب اس کا Scope وسیع نہیں ہوتا، ذہنی افق وسیع نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت

سے امید باندھتا ہے تو اس کے اندر Bubbling ہونا شروع ہو جاتی ہے، نئے نئے خیالات آتے ہیں، وہ نئے نئے کام کرنا چاہتا ہے اور اسے کام کرنے کا پتہ نہیں کہ یہ کیسے کروں؟ پھر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید باندھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کا موقع دیتے ہیں، جتنا جتنا وہ تجربہ کرتا چلا جاتا ہے، اس کا تجربہ Rich ہو جاتا ہے، تعلق مضبوط ہو جاتا ہے، زندگی میں اطمینان آتا جاتا ہے اور جو اس کی ذات کے اندر کی کمیاں ہیں وہ دور ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف ہماری سوچ کیسے اور کہاں کہاں سفر کرے گی؟

اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کو دیکھیں تو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمیں کیا بتاتی ہے کہ آپ کہاں کہاں اپنی سوچ کو سفر کروا سکتے ہیں؟ یہ سوچ کا سفر ہے۔

﴿اَلرَّحۡمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ﴿۲﴾﴾ (الرحمن:2,1)

”وسیع رحمت والے نے۔ قرآن کی تعلیم دی ہے۔“

آپ کسی آیت کے کسی حصے پر جا کر اٹکتے ہیں، سمجھ نہیں آتی اور آپ چاہتے ہیں کہ یہ آپ کے دل کے اندر اترے، آپ اس پر عمل کریں تو آپ کیا کریں گے؟ کتنی بار آپ کی سوچ جاتی ہے کہ میرے بس میں نہیں ہے لیکن میرا رب مجھے سکھا دے گا؟ کیا یہ بات ذہن میں آتی ہے؟ اگر اس کو اور زیادہ آگے بڑھائیں گے، ہر آیت کے ہر حصے پر آگے بڑھائیں گے تو اللہ تعالیٰ ذہن کے دروازے کھول دے گا۔ لیکن جس جگہ پر آپ نے رحمٰن سے تعلیم کے لیے درخواست نہیں کی تو علم نہیں ملے گا۔

یہ تجربات کی باتیں ہیں کہ اگر آپ آیات پر نشان لگانا شروع کریں گے تو آپ کا پورا قرآن بھر جائے گا۔ آپ کو پتہ چلے گا کہ ایک دفعہ، دس دفعہ، پچاس دفعہ بھی ایسا کر لیا ہے تو کتنی آیات پڑھی ہیں اور باقی حصے تو خالی رہ گئے ہیں۔ لیکن آپ نے کسی جگہ کو بھی خالی نہیں

چھوڑنا بلکہ ہر جگہ اپنی سوچ کو اس سفر کے لیے رغبت دلانی ہے کہ چلو وہاں سے رحمت ملے گی، چلو اس کی رحمت کو آواز دے کے آئیں، اس کو پکاریں۔ جب آپ اس کی رحمت کو دیکھنا چاہیں گے پھر آپ کو یقین چاہیے کہ وہ کہاں کہاں رحمت کرتا ہے۔ اور اللہ پاک نے اپنی کتاب میں بار بار وہ یقین دلایا ہے، جیسے سورہ الملک میں وہ اپنی رحمت کی مثال دیتا ہے فضاؤں میں پرواز کرنے والے پرندوں کے حوالے سے کہ

﴿اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَهُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقۡبِضۡنَ ؕۘ مَا یُمۡسِکُهُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ﴾

”اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا ہے اس حال میں کہ وہ پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں رحمن کے سوا انہیں کوئی نہیں تھامتا کے بلاشبہ وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے۔“ (الملک:19)

تو انسان کو یقین آتا ہے کہ ہم تو فضا میں ایک لمحے کے لیے کھڑے نہیں ہو سکتے لیکن پرندے جب پر پھیلائیں تو پھیلے ہوئے پروں کے ساتھ اڑنا ممکن ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ پر سکیڑ لیتے ہیں تو فوراً زمین پر تھوڑی گرتے ہیں بلکہ آہستہ آہستہ زمین پر اترتے ہیں۔ ایک سائنس دان یہ سوچتا ہے کہ پرندہ کیسے پر کھولتا ہے؟ کتنی ڈگری پر کھولتا ہے تو اس کی وجہ سے یہ اپنے آپ کو تھام لیتا ہے؟ اور جب پر سکیڑتا ہے تو کیسے وہ اپنے آپ کو بچا کر رکھتا ہے۔ اسلام اور سائنس میں بنیادی فرق یہی ہے کہ سائنس اسباب تلاش کرتی ہے اور اسلام ہمیں یہ بتاتا ہے کہ رحمن کے سوا کوئی نہیں جو اسے تھام لیتا ہو کیونکہ رحمن نے اسے بنایا ہے، اس کی تخلیق اس انداز میں کی ہے اور اس کے لیے سبب پیدا کیا ہے تو وہ رحمن ہے جو تھامتا ہے۔

آپ نے کیا سوچنا ہے؟

آپ اپنی سوچ کا سفر کیسے کریں گے؟

جو رب فضا میں پرواز کرنے والے پرندوں کو تھام کر رکھتا ہے وہ مجھے بھی مصیبت کے حالات میں لڑکھڑانے سے بچالے گا، وہ میرے قدم بھی جما دے گا (ان شاء اللہ)۔ آپ خالی ذہن ہو کر نہ سوچا کریں کیونکہ سوچ کے لیے ہمیشہ آپ کو کوئی چیز چاہیے ہوتی ہے جس پر آپ غور و فکر کریں۔ یہ وہ مناظر ہیں جو آیات میں ہیں، وہ مناظر ہیں جو کائنات میں ہیں اور اللہ پاک نے انھی آیات میں بتایا ہے کہ ان مناظر پر غور و فکر کریں۔ جیسے آپ یہ سوچتے ہیں کہ اب میرے بس میں ہی نہیں ہے کہ اس چیز کو میں سمجھ جاؤں تو یہ کیا اسی طرح کا سکڑنا نہیں ہے جیسے پرندے اپنے پروں کو سکیڑ لیتے ہیں اور جب پر سکڑ جاتے ہیں تو نیچے گرنے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔

انسان کا بھی کوئی وقت ایسا ہوتا ہے جب سمجھ آنی بند ہو جاتی ہے، نینداس کے اوپر حملہ کر دیتی ہے، وہ تھک جاتا ہے پھر اسے لگتا ہے اب کچھ نہیں ہوگا۔ اگر وہ لکھ رہا ہو تو لفظ ٹیڑھے ہوتے ہوتے بالکل سیدھی لائنیں لگ جاتی ہیں، ایسی کیفیت میں آپ رحمٰن کی رحمت کو آواز دے کر دیکھیں، ذہن میں اس پرندے کو لے کر آئیں اور اس پرندے کی بات اپنے رب کے سامنے رکھیں۔ اسی چیز کو دہرا دیں تو آپ محسوس کریں گے کہ آپ کے اندر طاقت آرہی ہے، تجربہ کر کے ضرور دیکھئے گا۔ یہ بہت بڑی دولت ہے اور اس سے بڑی کوئی دولت نہیں ہے لیکن ابھی آپ اس کا تجربہ نہیں کر رہے، گھبرا رہے ہیں۔ جیسے شروع شروع میں جب ATM کارڈ کا سلسلہ شروع ہوا تو لوگوں کو ڈر لگتا تھا اور لوگ عجیب سمجھتے تھے کہ اس کی وجہ سے شاید سارے معاملات اس طرح سے نہیں ہوں گے جیسے ہم بینک سے لین دین کرتے ہیں، لین دین درست نہیں ہوگا اور اس کے حساب کتاب میں کوئی کمی بیشی تو نہیں رہ جائے گی۔

اسی طرح سے جب لاؤڈ اسپیکر آیا تھا تو امام اس میں خطبہ دیتے تھے، اذان دیتے

تھے۔اس وقت بہت سے لوگ ڈر گئے کہ لاؤڈ اسپیکر میں بولیں گے تو آیا یہ جائز ہوگا یا نہیں۔کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ آواز کو اپنے منہ سے تو جتنا اونچا نکال لیں ٹھیک ہے لیکن کسی مشینری کو استعمال کرنا درست ہے یا نہیں۔ان کی سوچ محدود ہوگئی کیونکہ انہوں نے کائنات پہ غوروفکر نہیں کیا کہ آواز کو بڑھانے اور کم کرنے والی چیزوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔کبھی آپ دیکھیں کہ پہاڑوں میں بازگشت پیدا ہوتی ہے آپ بولتے ہیں تو اونچی آواز دوبارہ آپ کی طرف لوٹ رہی ہوتی ہے۔

کائنات میں جب آپ یہ چیزیں تجربہ کرتے ہیں تو آپ کو پتہ چلتا ہے کہ میں نے کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، میں نے کوئی غلطی نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ کی کائنات میں وہ سب کچھ موجود ہے۔دراصل جتنی سائنسی ایجادات ہیں ان کے بارے میں ایک خوف تھا، ایک ڈر تھا۔ان کے بارے میں سوچتے نہیں تھے، ان کے استعمال کے بارے میں فتوے بھی آ گئے کہ لاؤڈ اسپیکر میں اذان دینا منع ہے، لاؤڈ اسپیکر میں خطبہ نہیں دے سکتے وغیرہ وغیرہ بعد کے دور میں جب کچھ لوگوں نے اس کے اوپر تحقیق کی اور یہ چیزیں ان کے سامنے آئیں تو انہوں نے کہا اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے کیونکہ غوروفکر کر لیا تھا۔آپ بھی نہ گھبرائیں بلکہ غوروفکر کر لیں اور اپنے رب کے بارے میں سوچنا شروع کر دیں نفع ہوگا۔آپ کو زندگی گزارنی آئے گی اور آپ صحیح زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں گے۔

ہم کچھ آیات کو دیکھیں گے جس کی وجہ سے آپ اپنی مصیبت، تکلیف، مشقت اپنی زندگی کے کسی بھی میدان میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو آواز دیں گے تو وہ آپ کو تھام لے گا۔ جیسے ایک گناہ گار انسان ہے، وہ گناہ کرتا ہے لیکن ابلیس اس کے ذہن میں ڈالتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو روک ہی نہیں سکتے تو وہ بھی کہنا شروع کر دیتا ہے میں اس گناہ سے نہیں رک سکتا۔میں شراب نہیں چھوڑ سکتا، سود کو نہیں چھوڑ سکتا، کوئی زانی ایسا ہوتا ہے جو زنا کو نہیں چھوڑ

سکتا، کوئی بد کردار انسان ایسا ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ابھی امید نہیں ہوتی تو اس کو لگتا ہے کہ یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا، جو چیز انسان کو گناہوں کے دلدل سے باہر نکالنے والی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید باندھنا ہے۔ جو چیز انسان کو گناہوں بھری زندگی سے نکال کر ایمان کی اعلیٰ ترین زندگی تک لے جانے والی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید باندھنی سیکھیں۔

امید کیسے باندھنی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جتنے مظاہر رکھے ہیں وہ ہمارے غور و فکر کے لئے ہیں کہ ان پر غور و فکر کریں اور ہماری سوچ اس تک پہنچ جائے۔ آپ پھولوں کے رنگ دیکھیں اور اپنے رب سے کہیں اے میرے رب! تو نے اپنی رحمت سے ان پھولوں کو رنگ دیا جس رنگ میں آپ نے رنگنا چاہا تو اے وہ جو پھولوں کو رنگ دیتا ہے، جس نے آنکھ کو رنگ دیے، جس نے ہر جانور کو مختلف رنگوں میں پیدا کیا، جس نے مچھلیوں کو اتنے خوب صورت رنگوں سے سجایا ہے تو مجھے اپنے رنگ میں رنگ دے۔ ویسے تو مشکل لگتا ہے لیکن جب انسان یاد کرتا ہے کہ وہ جو رنگنے والا ہے، وہ ہر چیز کو ایسے رنگ دیتا ہے جو کچے رنگ نہیں ہوتے۔

یا اللہ!

میرے اوپر بھی اپنا رنگ چڑھا دے

تیرے رنگ سے زیادہ اچھا رنگ کس کا ہے

اب دیکھا تو کسی نے پھول کے رنگ کو ہے لیکن اپنی زندگی کے لئے رب کی رحمت کو آواز نہیں دے دی۔ اور ہر وہ موقع جو غور فکر کا ہوتا ہے وہی دعا کا موقع بھی ہوتا ہے۔ دراصل اس کو Point of reference بنانا سیکھنے کی ضرورت ہے۔ آپ جو کچھ دیکھیں

اس کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کا سلسلہ اپنی ذات کے ساتھ جوڑیں اور دعا کریں۔ اپنے آپ کو رب کریم کے سامنے پیش کردیں تو آپ کے لئے یہ جہان بہت وسعتوں والا ہوجائے گا۔ آپ کے لئے روشنیوں میں اپنی زندگی کے روشن کرنے کے لئے دعا شامل ہوجائے گی۔ آپ کے لئے رنگوں میں اپنی ذات پر اللہ تعالیٰ کے رنگ کی بات شامل ہوجائے گی۔ آپ کی زندگی میں، ذائقوں میں جنت کے ذائقے آجائیں گے۔

یا اللہ! ایسے عمل کرنے کی توفیق دینا کہ

جنت کے ذائقے لینے کے قابل ہوجائیں

جب آپ کوئی پھل دیکھیں تو جنت کے پھلوں کو یاد کریں، جب آپ کھانے دیکھیں تو جنت کے کھانے آپ کے ذہن میں آئیں۔ جب جنت کے کھانوں کو سوچیں گے تو اس دنیا میں جب آپ کے پاس کھانا نہیں ہوگا تو آپ کے لئے اپنے رب کی خوشی کے لئے کہ میرے رب نے مجھے اس حال میں رکھا ہے، یقیناً اس کی حکمت ہے لہٰذا صبر کرنا آسان ہو جائے گا۔

نبی ﷺ دعا کرتے تھے: ''کہ اے میرے رب! میں چاہتا ہوں کہ ایک دن میں بھوکا رہوں اور بھوکا رہ کر میں صبر کروں اور ایک دن میں پیٹ بھر کے کھاؤں اور تیرا شکر ادا کروں۔'' (ترمذی)

یہ تجربات ہیں

اور تجربات کب تک چاہئیں؟

ہر روز، ہر روز، ہر روز

آپ دیکھیں جس نے سدا ہی یہ دعا کرنی ہے کہ سدا ہی مجھے پیٹ بھر کہ کھانا ملتا رہے، ہر وقت نعمتیں میرے آگے حاضر رہیں تو وہ صبر کب کرے گا اور صبر تو اتنی بڑی

خصوصیت ہے۔ اس سے آپ کو زندگی کی کہانی سمجھ آئے گی کہ جب رب دیتا ہے وہ بھی ہمارے نفع کے لئے اور جب وہ لے لیتا ہے تب بھی ہمارے نفع کے لئے ہے۔ جانتے ہیں جن جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت پر غور وفکر کیا ان کو یقین آیا، ان کی زندگی میں کتنی بڑی تبدیلی آئی۔

مثال کے طور پر سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ شوہر گھر میں نہیں ہے اور سفر سے واپس آیا ہے۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا بالکل نارمل ہیں کیونکہ انہیں پتہ ہے اللہ تعالیٰ کی امانت، اللہ تعالیٰ نے لے لی ہے۔ سوچیں اتنا سکون ہے شوہر کو کھانا دیتی ہیں اور بتاتی نہیں ہیں کیونکہ آنے والے کے اندر گھبراہٹ آسکتی ہے، فیصلہ سازی کتنی مضبوط ہے اور اپنے آپ پر کتنا کنٹرول ہے۔ سکون سے کھانا کھلانے کے بعد یہ نہیں ہے کہ اندر Bubbling ہو کہ میں بتاؤں یا غم میں ہوں یا تکلیف میں ہوں بلکہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اب بھی بالکل سکون میں ہیں۔ شوہر نے کہا میں آپ کے ساتھ اچھا وقت گزارنا چاہتا ہوں وہ بھی گزار لیا پھر بھی نہیں بتایا۔ پھر کہنے لگیں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تمہارے پاس اگر کوئی امانت رکھوائے اور وہ اپنی امانت لے لے، مانگ لے تو تم کیا کرو گے؟ وہ کہنے لگے میں واپس دے دوں گا، امین تھے لیکن امانت کا مفہوم موقع پر سمجھ نہیں آتا۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا کہنے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت واپس لے لی ہے اب آپ صبر کر جاؤ۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سٹ پٹا اٹھے کہ یہ عورت ہے یا صبر کی چٹان، اس نے مجھے تب بھی نہیں بتایا جب مجھے کھانا کھلایا، اس وقت بھی نہیں بتایا جب میں نے کہا میرے ساتھ اچھا وقت گزارو اب مجھے یہ کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی امانت تھی اس پر صبر کر جاؤ۔ کہنے لگے میں تو اس بات کو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر جاؤں گا۔ صبح ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا اللہ تعالیٰ تمہاری رات میں برکت دے۔

دنیا خوشی کی تلاش میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشی کو اپنانے والے کیسے ہوتے ہیں ان کی زندگی بتاتی ہے۔ نبی ﷺ نے دعا دی، اس پر تبصرہ نہیں کیا کہ اس کو یہ کرنا چاہیے تھا کیونکہ یہ آپ ﷺ کی تعلیمات تھیں، یہ آپ کی تربیت تھی جس کی وجہ سے تبدیلی آئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے اس بیٹے کے بدلے اس رات کو برکت والا کر دیا اور ام سلیم رضی اللہ عنہا کے یہاں اپنے مقررہ وقت کے بعد بیٹا پیدا ہوا۔ ام سلیم رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس گھٹی دینے کے لئے بھیجا تو آپ ﷺ نے منہ میں کھجور ڈالی، چبائی اور آپ ﷺ نے جب بچے کے منہ میں اپنی انگلی رکھی تو بچے نے انگلی پکڑ لی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''انصار کھجوروں سے بہت محبت کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کی رضا والی زندگی کتنی خوب صورت ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت پر یقین کے ساتھ کہ وہ بہترین بدلہ دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی ہونے سے انسان کتنے عظیم ہو جاتے ہیں۔ نفع کس کا ہے؟ انسان صبر کرے تو رب رحمان ہے، وہ اجر دیتا ہے یعنی ہمارے فائدے پر ہمیں اور فائدہ دیتا ہے۔ ہر صورت میں نفع کس کا ہے؟ انسان کا اور کسی صورت میں کمی نہیں آتی۔ اب کون کون اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ہمیشہ غور و فکر کرنے کی کوشش کرتا رہے گا؟ اور کون ہے جو دوسروں کو تواصو بالحق کرے گا؟ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے اندر ایسی تبدیلی آ جائے جیسی رسول اللہ ﷺ کے اندر تھی، جیسی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے اندر تھی، جیسی صحابیات رضی اللہ عنہا کے اندر تھی تو انسان ایسے بدلتے ہیں اور تبدیلی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آتی ہے۔ آپ بدلنا چاہتے ہیں تو آپ کے دل پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت چھائی رہے گی۔

اور آپ بدل جائیں گے

آپ صبر کرنے والے ہو جائیں گے

آپ شکر کرنے والے ہو جائیں گے

آپ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جائیں تو آپ کو گھبراہٹ نہیں ہوگی، آپ پریشان نہیں ہوں گے اور سب سے بڑی بات جانتے ہیں کیا ہے؟ آپ کی نماز میں حسن پیدا ہو گا۔ آپ جانتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نماز میں کس قدر توجہ مرکوز رکھتے تھے۔ میں ایسی نسل سے یہ بات کر رہی ہوں جن کے لیے تین سیکنڈ بھی اپنی کسی سوچ کو جاری رکھنا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ تین سیکنڈ کے بعد کوئی نئی پوسٹ آ رہی ہے اور لوگوں کا دھیان اسی میں لگا رہتا ہے۔ آپ کتنے خوش نصیب لوگ ہیں کہ آپ کا دھیان اللہ تعالیٰ میں لگنا شروع ہو گیا۔ آپ سوچیں جب آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت پہ غور وفکر کریں گے پھر آپ کو اللہ تعالی سے کتنی محبت ہو جائے گی۔ آپ میں سے کون اللہ رب العزت سے سب سے زیادہ محبت کرے گا؟ آپ نے اللہ رب العزت کے علاوہ کسی اور کو اپنا محبوب نہیں بنانا کیونکہ کوئی آپ کے ساتھ ویسی رحمت کا معاملہ نہیں کر سکتا۔

کوئی ایسا نہیں ہے جو آپ کی ساری باتیں سنے
کوئی ایسا نہیں ہے جو آپ کے دل کو جوڑتا ہی چلا جائے
کوئی ایسا نہیں ہے جو آپ کو پورے طریقے سے سمجھ جائے
کوئی ایسا نہیں ہے جو بن مانگے آپ کو سب کچھ دیتا ہی چلا جائے
کوئی ایسا نہیں ہے جو آپ کو کامیابی کے راستے پہ آگے بڑھاتا ہی جائے
کوئی ایسا نہیں ہے جو کامیاب کرنے کے لئے اتنے زیادہ مواقع پیدا کر دے

ان لوگوں کو دیکھیں جو دنیا میں ناکام انسان تھے یا اب ہیں۔ سب سے زیادہ ناکام انسان کون تھے؟ وہ کون لوگ تھے جو سب سے زیادہ ناکام ہوئے؟ فرعون۔ کوئی نہ بھی کہے تو سب کو پتہ چلتا ہے کہ سب سے ناکام انسان فرعون تھا، نمرود تھا، قارون تھا، ہامان تھا اور

اپنی دنیا میں دیکھیں کتنی دنیا ناکامی کے لئے ساری زندگی لگا رہی ہے۔وقت،صلاحیت، مال، پوری دنیا میں جتنی کوششیں ہورہی ہیں آگ لگانے کے لئے، آگ میں جانے کے لئے اور لوگوں کو پتہ نہیں ہے کہ وہ جس دنیا میں رہتے ہیں اس کو جنت سمجھتے ہیں لیکن اس جنت کے اختتام پر آگ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لئے اپنی سوچ کو لگا دیں،بس آپ یوں سمجھ لیں دنیا میں جو موجود ہے وہ رب تک پہنچنے کے لیے ہے۔جس چیز سے آپ رب تک نہیں پہنچے وہاں پر آپ کا نقصان ہے۔آپ کو شروع شروع میں لگے گا اچھا اتنی چیزیں تو نظر آتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید باندھ لیں؟ جہاں آپ گھبرانا شروع کریں کہ میرے لئے کرنا ممکن نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو سوچنا سکھائے گا۔

﴿إِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَإِيَّاكَ نَسۡتَعِينُ ﴿٤﴾ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيمَ ﴿٥﴾﴾

(سورۃ الفاتحہ:5,4)

''ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔''

اور ہر جگہ جہاں آپ رب کریم کی طرف جا رہے ہیں وہ Point Of Reference ہے۔دعا کے لئے وہ الفاظ جو دل سے نکلیں اور جو آپ سوچیں، اب سوچ سفر کر رہی ہے اور سوچ گئی کسی تتلی تک، کسی مور تک، کسی سانپ تک، اب سانپ کا نام لوں گی تو ظاہر ہے اچھی احساسات نہیں ہوں گے۔یعنی کسی بھی چیز تک آپ کی سوچ گئی ہے اور اب وہ سوچ واپس آئی ہے تو وہ Point Of Reference ہے۔آپ وہاں سے نرمی لے کر آئے ہیں تو اس جگہ پر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔پھر آپ اتنی پیاری پیاری دعائیں کریں گے اور جب آپ دعا کریں تو مجھے بھی یاد رکھیں۔

آپ سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اپنے لئے چھوٹی چھوٹی نوٹ بک بنالیں اوراس کے اوپر اللہ تعالیٰ کے تعلق کی باتیں لکھنا شروع کردیں۔جس سے محبت ہوتی ہے اس کی محبت کو انسان قلم بند کرلے تو وہ یاد بن جاتی ہے۔یہ آپ کی یادیں ہوں گی،آپ کے جذبات شاید اتنے منظم نہ ہوں ،کوئی بات نہیں اللہ تعالیٰ منظم کروادیں گے۔ٹوٹی پھوٹی بھی لکھیں،نہیں سیدھا لکھا جاتا کوئی بات نہیں وہ جودلوں کو جوڑتا ہے وہ لفظوں کو بھی جوڑ دے گا۔لفظ بھی تواس نے ہی سکھائے ہیں،ہر چیز کا علم دینے والا بھی تو وہی ہے۔اس کی رحمت کی طرف اپنا چہرہ، اپنی توجہ کردیں یعنی اپنا آپ بھی کام میں لگائیں،اپنی آنکھوں کو بھی لگائیں،اپنی ناک کو بھی لگائیں۔کہیں سے خوشبو سونگھ کر انسان کی طبیعت کتنی اچھی ہوجاتی ہے،آپ سوچیں کوئی انسان انتہائی غم میں ہے اوروہ اس موقع پر عطر لگالے تو خوشبو اس کے موڈ کو خوشگوار کردیتی ہے،غم میں بہت فرق آجاتا ہے۔

جیسے سیدہ عائشہ کسی کے گھر میں وفات ہوجاتی،کوئی تکلیف میں ہوتا تو اس کے لئے میٹھا بنا کر بھیجتی تھیں۔کبھی آپ انتہائی صدمے میں مبتلا کسی شخص کو میٹھا کھلا کر دیکھیں تو اس کا موڈ بدل جائے گا،موڈ خوشگوار ہوجاتا ہے۔آپ کو تجربات کرنے کے لئے زندگی ملی ہے، آپ جب چھوٹے تھے تو آپ نے کتنے تجربے کئے تھے۔جب آپ کو اپنے وجود کی خبر ہی نہیں تھی تب آپ نے تجربات کئے تھے۔کبھی چیزیں پٹختے تھے،کبھی چکھتے تھے کبھی پھینکتے تھے،کبھی اس کے لئے روتے تھے،کبھی ماں کو دیکھ کر تجربہ،کبھی باپ کو دیکھ کر تجربہ اور پھر تجربات آگے بڑھتے گئے۔لیکن جوں جوں آپ بڑے ہوتے گئے آپ کے تجربات محدود ہوتے گئے اور آپ نے اپنے آپ کو زیادہ محدود کرلیا۔اپنے آپ کو ایک بار پھر زیادہ فعال کرلیں،فکری طور پر،روحانی طور پر اور جب آپ کی فکر تیز بھاگے گی تو آپ کا بدن بھی چاہے گا مجھے تیز بھگاؤ اور آپ زیادہ تیز بھاگنے کے قابل ہوجائیں گے۔

دو تین باتیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں جیسے سورہ الفرقان کی آیت نمبر 5 میں رب العزت نے فرمایا:

﴿وَقَالُوٓا اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِىَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيلًا﴾

(الفرقان:5)

''انہوں نے کہا کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جنہیں اس نے لکھوا رکھا ہے پس وہی اس کو صبح وشام پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔''

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے۔

یا اللہ! مجھے بھی اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لینا

یا اللہ! ہم سب کو اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لے

اور سورہ زخرف میں ہے:

﴿وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ (الزخرف:32)

''اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بھی بہتر ہے جو وہ لوگ جمع کرتے ہیں۔''

کیا کیا جمع کرتے ہیں؟

لوگ زندگی میں جو چیزیں بھی جمع کرتے ہیں، مال جمع کرتے ہیں، کپڑے جمع کرتے ہیں، جوتے جمع کرتے ہیں، برتن جمع کرتے ہیں، لکھنے کی چیزیں جمع کرتے ہیں، کتابیں جمع کرتے ہیں اور جو کچھ بھی جمع کرتے ہیں۔

لیکن! سب سے اچھی چیز اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے آپ اسے جمع کریں

اللہ تعالیٰ کی رحمت تو بہت ہے لیکن آپ کے تجربات کے مطابق، آپ کے لئے جمع ہو گی۔ آپ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو Pop up کریں، بڑھاتے جائیں، پھر آپ ایک دوسرے سے شیئر کریں، پھر ہم جہاں بیٹھیں گے وہاں بھی شیئر کریں گے۔ سب سے

پہلی چیز جس پہ غور وفکر کرنا چاہیے اور بہت زیادہ دوڑانا چاہیے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تجربہ کریں گے اور لکھیں گے، ٹوٹا پھوٹا لکھ دیں، ایک، دو، تین، پانچ، سات، گیارہ، پندراں، سترہ، اکیس، جتنا چاہیں لکھیں لیکن ایک دفعہ ضرور لکھیں۔ روزانہ ایک تجربہ تو کم از کم کر لیں، آپ کی نظر تو لاکھوں بار اٹھے گی اور اصلاً اگر آپ دیکھیں تو لاکھوں بار اٹھتی ہے، ایک لمحے میں کیا سے کیا لے آتی ہے۔

ایک چیز ضرور یاد رکھئے گا، سورہ الانعام کی آیت نمبر 12 میں ہے:

﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام:12)

”آپ پوچھیں کس کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے؟ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، اس نے رحمت کرنا اپنے اوپر لکھ دیا ہے۔ وہ قیامت کے دن ضرور بہ ضرور تمہیں جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا ہے وہی اس پر ایمان نہیں لاتے۔“

جب آپ کا یقین ڈولنے لگے گا تو سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر رحمت کو لکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے کہ رحمت کا معاملہ کرنا ہے تو آپ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کیوں نہیں تلاش کرتے۔ آپ متلاشی ہیں، آپ کہیں تک پہنچنا چاہتے ہیں، یاد رکھیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی رحمت تک پہنچنا ہے تو آپ پہنچیں گے۔

سوال وجواب

طالبہ: سارا دن ہمارا لوگوں سے رابطہ ہوتا ہے اور لوگوں کی باتیں محسوس ہوتی ہیں۔ میں اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو ڈھونڈ لیتی ہوں کافی سوچتی ہوں کہ تیری اس رحمت کی وجہ

سے یہ ہوا؟

استاذہ: لوگوں کے حوالے سے ان کے اندر مثبت چیزیں دیکھیں پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں تو آپ خود بہت مثبت ہو جائیں گی اور مثبتیت (مثبت انداز سے سوچنا) آپ کے کردار کا سب سے بڑا حصہ بن جائے گا۔ بس اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ضرور کرنی ہے کہ یا اللہ! دنیا کی آگ سے تو نے بچا لیا، جہنم کی آگ سے بھی بچا لینا۔ شکر ہے اللہ تعالیٰ کا جو اپنے بندوں کے دلوں میں ایسی باتیں ڈالتا ہے جس کی وجہ سے وہ غیب کو سوچنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

طالبہ: بعض اوقات ہم لوگوں کے غلط رویوں پر صبر کر جاتے ہیں اور بعض اوقات ہم شکوہ بھی کر جاتے ہیں پھر بعد میں اتنی تکلیف ہوتی ہے کہ میں نے یہاں صبر کیوں نہیں کیا، کیا اس وقت اللہ تعالیٰ سے تعلق میں کمی ہوئی ہوتی ہے؟

استاذہ: ظاہر ہے اور دوسری بات یہ کہ ذہن سے جو بات غائب ہوتی ہے وہ یہ کہ میں اپنے اس معاملے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دوں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس پر کیا اجر دے گا؟ وہ اجر غائب ہو جاتا ہے۔ شکوہ کرنے کا فائدہ نہیں ہے اور شکوہ نہ کرنے کا بہت فائدہ ہے۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں:

﴿وَأَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ﴾

”اور میرے تمام کام درست فرما دے، تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔“

(ابوداؤد:5090)

اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون زیادہ اصلاح کرنے والا ہے؟

وہ رب کریم تو دل بدل دیتا ہے

غزوہ بنی نضیر جب ہوا تو اس قدر طاقت ور یہودی تھے اور وہ کسی صورت میں جانے

والے نہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے کیا کیا؟ ان کی ہمت ختم کر دی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ آپ کے رشتہ داروں میں سے جہاں سے بھی آپ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ اپنے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتے ہیں تو وہ لوگ آپ کے ساتھ یوں ہو جاتے ہیں جیسے آپ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والا ان کے سوا کوئی نہیں۔ لہٰذا اس سے محبت کیوں نہ کریں جو ہمیں اجر بھی دیتا ہے اور ہمیں بچاتا بھی ہے اور اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا اندازہ ہم نہیں کر سکتے کہ آگے اس نے خیر کے کیا سلسلے رکھے ہیں۔

طالبہ: اگر کسی انسان کو لگے کہ اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی کوئی رحمت نہیں ہے، تو اسے کیا کرنا چاہئے؟

استاذہ: وہ انسان اپنی زبان بھی نکال دے، کان بھی ختم کر دے، ناک بھی، بال بھی واپس کر دے، اپنا وجود بھی واپس کر دے اور کسی اور دنیا میں چلا جائے تو اسے سمجھ لگے گی کہ اس کے اوپر کتنی رحمتیں ہوئی ہیں، یہ سوچ کا طریقہ ہے۔ دیکھیں اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾ (الرحمٰن:33)

”اے گروہِ جن وانس! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ، کسی غلبے کے سوا تم نہیں نکلو گے۔“

وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بھاگ رہا ہے کہ میرے اوپر رحمت نہیں ہوئی تو بھاگ کر دیکھ لے۔ بھاگ کر کہاں جائے گا؟ اس کے لئے بھاگنا ممکن ہی نہیں صرف سوچ ٹیڑھی ہے۔ بعض اوقات ایسے شخص کے لئے کوئی Reasoning ایسی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دل کے اندر اتر جاتی ہے۔ اسے ایسے افراد کے ساتھ بات چیت کرنی چاہیے جو اس

کو اس کیفیت سے نکال سکیں کیونکہ سوچ کا زاویہ ٹیڑھا ہو گیا ہے۔ جو انسان ہمیشہ سے ساری چیزوں کو روشن دیکھتا ہے، آنکھوں جیسا چشمہ ملا ہوا ہے تو اگر وہ صرف آنکھوں کا ہی شکر ادا کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ آنکھ کتنی بڑی نعمت ہے اور پھر بھی انسان کہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر رحمت نہیں کی تو یہ نا شکری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے ہمیں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف کون جانے والا ہے۔

رحمت کے کون سے راستے ہیں؟

وہ صبر کا راستہ ہے

شکر کا راستہ ہے

وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا راستہ ہے

وہ گناہ چھوڑ دینے کا راستہ ہے

گناہ کرنے کا راستہ، رحمت کا راستہ ہے ہی نہیں یہ اس کی غلط فہمی ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے میرا کام گناہ کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کام معاف کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام الغفور ہے تو وہ کہتا ہے:

﴿غَافِرِ الذَّنۡبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ شَدِيۡدِ الۡعِقَابِ﴾ (سورۃ غافر:3)

”گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا، بہت سخت سزا دینے والا ہے“

؎ تو نہ جا اس کے تحمل پر کہ بے ڈھب ہے گرفت اس کی
ڈر اس کی دیر گیری سے کہ سخت ہے انتقام اس کا

طالبہ: نماز پڑھتی ہوں لیکن اس سے سکون نہیں ملتا، اس کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

استاذہ: یہی جو آج ہم نے کہا ہے، سکون اسی میں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو پا لیں۔ آپ کو پتہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کتنا رحیم ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر

صرف اس وجہ سے نماز ادا کرتی ہیں کہ فرض ہے، پھر سکون تو نہیں ملے گا۔

؎ شوق اگر میرا نہ ہو تیری نماز کا امام
ایسی نماز سے گزر ایسے امام سے گزر

جانتے ہیں شوق انسان کے اندر کیسے پیدا ہوتا ہے؟ تعلق سے، محبت سے اور محبت کی بہت اگلی سٹیج ہے شوق، شوق کے ساتھ نماز پڑھیں۔

شوق کس کا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا

اللہ تعالیٰ کی ذات سے ملاقات کا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿والشوق مرکبی﴾ (رحمت للعالمین)

''شوق میری سواری ہے۔''

کیونکہ جتنا کسی کے اندر شوق ہوتا ہے اتنا ہی وہ آگے بڑھتا ہے۔ جیسے مسلمانوں کے اندر عید کا شوق ختم ہو گیا ہے تو عید کے دن سارے سوئے رہتے ہیں اور اسے خوشی کے طور پر نہیں مناتے، جشن نہیں مناتے۔ عیسائیوں کے اندر اس دن کا شوق ہے جو دراصل ان کا تہوار نہیں تھا لیکن انہوں نے بنا لیا، ان کو شوق ہے تو اس میں سیلز لگاتے ہیں۔ لوگوں کو کہتے ہیں 70%، 80% پر کچھ خرید ضرور لو، پھر اس کے لئے ایسی چیزیں بناتے ہیں، تحائف پیک کرتے ہیں، بھلے سے اس دن پہ کچھ ہونا ہو لیکن شوق ہے ساری دنیا کو پتہ چلتا ہے کرسمس ہے۔ شوق بڑی چیز ہے آپ لوگوں کا شوق کدھر گم ہو گیا ہے؟ میں دیکھتی ہوں کہ اچھے کپڑے پہننے کا بھی شوق نہیں ہے، اپنے بال اچھے بنانے کا بھی شوق نہیں ہے، کوئی تو شوق ہو۔

کسی دائرے میں تو زلفوں کو لاؤ
نہ الجھا رہے ہو نہ سلجھا رہے ہو

زندگی کو کسی دائرے میں تو لائیں، کہیں سے زندگی ابھر سکتی ہے تو اس کو ابھاریں۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ آپ کے اندر شوق ابھرے گا، محبت ابھرے گی، امید ابھرے گی آپ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچیں گے۔

طالبہ: الحمدللہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں پر غور کرنے کا بہت فائدہ ہے۔ میں غور کر رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی مجھ پر کتنی رحمتیں اور نعمتیں ہیں (الحمدللہ)۔

استاذہ: اپنی طرف جو رحمتیں ہیں ان پر بھی انسان غور کرتا رہتا ہے لیکن انسان بڑی عجیب چیز ہے۔ آپ ذات سے ابتداء نہ کیجئے گا ذات سے ابتداء کرنے سے اندر Justifications بہت آتی ہیں، کیونکہ ابلیس ذات پر زیادہ حملے کرتا ہے لہٰذا ذات سے باہر دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات پر غور و فکر کے لیے کہا ہے اور اسی لئے اتنی وسعت والی کائنات بنائی ہے اور ہماری چھوٹی سی ذات ہے۔ ہر چیز کے ساتھ وہ تعلق نہیں ہوتا، پھر اتنی Justifications نہیں آتی کیونکہ شیطان پہلے سے تیاری کر کے بیٹھا ہوتا ہے۔ جب آپ ایسی چیز پر غور کریں گے تو شیطان کو بھی مشکل پیش آئے گی اور آپ کے لیے آسانی ہو جائے گی۔

طالبہ: ایسے محسوس ہوتا ہے کہ کچھ کھو جائے تو افسوس نہیں ہوتا۔ ایسا لگتا ہے کہ کچھ فرق ہی نہیں پڑتا۔

استاذہ: بغیر وجہ کے اگر مطمئن ہیں تو فائدہ نہیں ہے یعنی یہ Anesthesia ہے اور اگر آپ کے پاس کوئی منطق ہے، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک تعلق لے کر آئے ہیں تو وہ آپ کو نفع دے گا۔ یہ فرق تو آپ خود کریں گے آپ کے اندر اس کی منطق ہوتی ہے، آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سفر کر کے پہنچتے ہیں یا خود بہ خود ہی مطمئن

ہیں۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس ضیاع جاتا رہا

یہ جو احساس ضیاع ہے یہ بہت بڑی چیز ہے۔ یہ احساس ہونا کہ یہ چیز ضائع ہو رہی ہے اور اگر آج کی نسل میں دیکھیں تو یہ احساس ضیاع نہیں ہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ کل کوئی چیز میرے ہاتھ سے گری تو میں نے سوچا یا اللہ! تو نے اسے زمین میں کس وقت پیدا کیا ہوگا، کتنا لمبا عرصہ لگا اس کو وجود میں آنے میں اور پھر کس کس کے توسط سے یہ میرے پاس پہنچا۔ تیری اتنی بڑی رحمت میرے پاس آئی اور وہ میرے ہاتھ سے نیچے گر گئی۔ میں نے سوچا کہ اسے اٹھا لوں کیونکہ اگر میں نہ اٹھاؤں تو یہ کتنی بڑی زیادتی ہوگی، ظلم ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ اسی وجہ سے ہاتھ سے گرا ہوا لقمہ بھی اٹھا لیا کرتے تھے۔ لیکن آج اگر دیکھیں تو لوگ لقمہ اٹھانا شان کے خلاف سمجھتے ہیں کہ جراثیم ہیں، فلاں ہے اور پتہ نہیں کون کون سی باتیں تو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کون اس بات کا احساس رکھتا ہوگا۔

اتنی زیادہ چیزیں ہیں جو ضائع ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر روٹی کا ایک ٹکڑا ہے جو بچ گیا اور آپ اگلی دفعہ اسے کھانا شان کے خلاف سمجھتے ہیں کیوں؟ اتنا نرم نہیں ہے، اس کا ٹیسٹ ویسا نہیں رہا، اور مل سکتا ہے، لہٰذا گھروں کے اندر اتنا بڑا ضیاع ہے۔ آپ کی بات کی وجہ سے بہت ساری باتیں میرے ذہن میں آ گئیں۔ کیا اس ضیاع پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہم پر ہوگی؟ ضیاع کی وجہ سے دل اور سخت ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے دستک دی اور اس دستک کا آپ نے جواب ہی نہیں دیا۔

آپ کے پاس جو بچا ہے اسے کسی انسان تک پہنچا دیں، کسی جانور کے لیے، کسی اور جگہ پر، کہیں نہ کہیں کام آ جائے۔ آخر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، کتنے دانے پسے ہوں گے جن کو

مہینوں لگ گئے اور وہ آپ کے پاس کتنے واسطوں سے نکل کر روٹی کی صورت میں سامنے آئے اور وہ روٹی ضائع ہو رہی ہے۔ صرف اس وجہ سے کہ میری ڈیوٹی نہیں یا ٹھیک ہے بچ گئی ہے تو کیا کریں، احساس ضیاع نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر غور نہیں کرتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو میری پاس آئی تھی اور میں نے ٹھکرا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت آئی ہے تو آپ صدقہ بھی کر سکتے ہیں، آپ کسی تک پہنچا سکتے ہیں، کبھی ضائع کرنے والوں میں نہ ہوں۔ جب آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی سمجھ نہیں ہوتی تو آپ چیزوں کو ضائع کرتے ہیں۔

آج آپ نے ضرور دیکھنا ہے کہ جب آپ کھانا کھاتے ہیں تو کتنا کھانا ضائع کرتے ہیں، پلیٹ میں کتنا چھوڑتے ہیں؟ روٹی بچ جاتی ہے اسے کیا کرتے ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حوالے سے ایک اور چیز جو میں ضمناً یہاں پر کہنا چاہتی ہوں کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک روٹی آپ کا پیٹ بھر سکتی ہے لیکن آپ کہتے ہیں کہ کھانا زیادہ اچھا ہے چلو تھوڑا سا اور لے لو، کھاتے کھاتے دو ختم ہو گئیں، پھر جب دو کے بعد آگے سوچتے ہیں کہ اب اور روٹی بنی ہوئی نہیں ہے تو آپ کہتے ہیں کہ مجھے تو بھوک ہے حالانکہ بھوک نہیں ہوتی بلکہ یہ حرص ہے۔ حرص اللہ تعالیٰ کی رحمت تک نہیں لے جاتی۔ آپ نے حریص نہیں بننا سوائے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی حرص رکھیں دنیا کی چیزوں کی حرص نہ رکھیں۔

بعض اوقات انسان غم سہہ سہہ کر بھی سن ہو جاتا ہے لیکن آپ نے سن ہونے کی کیفیت سے نکلنا ہے۔ جب جسم کے کسی حصے کا آپریشن ہوتا ہے تو جلد کٹتی ہے، وہ بعض اوقات چھ چھ مہینے تک سن رہتی ہے اور وہاں پر جہاں سے کوئی جلد کٹتی ہے کوئی چیز محسوس نہیں ہوتی۔ پھر جو حصہ کٹا ہوا ہو، سن ہو اور انسان کو کچھ محسوس نہ ہو رہا ہو تو کتنا عجیب لگتا ہے۔ تو آپ سوچیں اگر پورے کا پورا وجود ایسا ہے جو کچھ بھی محسوس کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید بھی رکھنی ہے، دعا بھی کرنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کیفیت سے نکال لے۔

طالبہ: جب ہم رشتوں میں صبر کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو تلاش کرتے ہیں تو جہاں پر ہماری زیادہ اتھارٹی ہوتی ہے، ہماری پوزیشن زیادہ مضبوط ہوتی ہے وہاں پر ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کو نہیں سوچ رہے ہوتے۔ جیسے مثال کے طور پر ماں ہوتی ہے وہ اپنے بچوں پر اتھارٹی رکھتی ہے تو ان کو کچھ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمت پر نظر نہیں رہتی۔

استاذہ: آپ نے بڑی اچھی طرف توجہ دلائی ہے اور اپنے ذاتی تجربے کے حوالے سے جو چیز آپ نے Share کی کہ جہاں پر کسی کے پاس اتھارٹی ہوتی ہے وہاں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف توجہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اتھارٹی کو اللہ رب العزت کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری سمجھیں اور اللہ رب العزت کے سامنے یہ رکھیں کہ یا اللہ! یہ سب کچھ جو میں کر رہی ہوں یہ تیرے حکم کی وجہ سے ہے۔ تو نے ایسا چاہا اور میں یہ سب کچھ تیرے کہنے کی وجہ سے کر رہی ہوں۔ یا اللہ! اس میں اثر تو نے پیدا کرنا ہے، میں جو بات کہوں، میں جو معاملہ کروں اور یا اللہ! ان کے دلوں کو اپنی طرف تو نے موڑنا ہے۔ جو ماں بچوں پر راعیہ ہے، جو ماں اپنے بچوں کی نگران ہے اور ہر ماں نگران ہے، اللہ تعالیٰ نے حساب کتاب تو لینا ہے۔ اب جس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہے تو اس کا دل جھک جاتا ہے۔ اتھارٹی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری سمجھیں گے تو آپ کا دل اور زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو دیکھے گا، موقع بن جائے گا۔ لیکن اگر اس اتھارٹی کو آپ کمزور کے سامنے یعنی بچوں کے سامنے اپنی قوت کی وجہ سے وہ سب کچھ کر رہے ہوں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا گزر بھی نہیں ہوگا۔ اس لیے ذمہ داری کا احساس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لیے جگہ بنائے گا۔

طالبہ: اللہ تعالیٰ سے زیادہ امید رکھنی چاہیے یا خوف؟

استاذہ: امید اور خوف محبت کے دو پر ہیں، کبھی خوف زیادہ ہو جاتا ہے اور کبھی امید زیادہ ہو

جاتی ہے کیونکہ پر ہے تو اکیلا پر کیوں استعمال کرتے ہیں۔ایک پر استعمال نہیں کرنا چاہیے بلکہ خوف کے ساتھ امید بھی باندھنی چاہیے۔جیسے گاڑی کو ایک ٹائر پر تھوڑی چلائیں گے،بیلنس قائم کرنا تو ضروری ہے اور خوف بڑا ہے یا محبت۔

محبت فاتحِ عالم

محبت زیادہ بڑی ہے محبت ہی کی وجہ سے خوف آتا ہے،تعلق کی وجہ سے خوف آتا ہے۔لیکن جب آپ شعوری طور پر سوچیں گے تو آپ کو سمجھ آئے گی کہ ہاں یہ محبت ہے جس کی وجہ سے اس کی ناراضگی سے ڈر لگتا ہے۔پھر جب آپ کو یہ سمجھ آجائے گی تو آپ فوراً امید باندھنے کے قابل ہوجائیں گے۔

طالبہ: میں چاہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی بڑا کام کروں۔

استاذہ: اصل بات یہی ہے کہ انسان کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کیا کرے؟ وہ کہتا ہے میں بڑا کام کرلوں اور کسی کام کو وہ خود ہی سے چھوٹا سمجھ لیتا ہے اور کسی کو بڑا سمجھ لیتا ہے۔

جانتے ہیں کوئی کام بڑا کیسے ہوتا ہے؟

اخلاص سے

اور کوئی کام چھوٹا کیسے ہوتا ہے؟

اخلاص کی کمی سے

اخلاص بہت چھوٹے کام کو بہت بڑا بنا دیتا ہے جیسے:

”سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ سے فجر کے وقت پوچھا کہ اے بلال! مجھے اپنا سب سے زیادہ امید والا نیک کام بتاؤ جسے تم نے اسلام لانے کے بعد کیا ہے کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتوں کی چاپ سنی ہے۔بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے تو اپنے نزدیک اس سے

زیادہ امید کا کوئی کام نہیں کیا کہ جب میں نے رات یا دن میں کسی وقت بھی وضو کیا تو میں اس وضو سے نفل نماز پڑھتا رہتا جتنی میری تقدیر لکھی گئی تھی۔'' (بخاری:1149)

اگر آپ وضو کے بعد نوافل پڑھیں تو کوئی بہت بھاری کام تو نہیں ہے، ذاتی کام ہے اور کسی کے ساتھ اس کا تعلق بھی نہیں ہے لیکن جنت میں کس مقام تک پہنچا سکتا ہے۔ ایک عورت مسجدِ نبوی میں جھاڑو دیتی تھی اب آپ سوچیں آپ لوگوں میں سے کتنے لوگ ہیں جو جھاڑو دینے کو چھوٹا کام سمجھتے ہیں یا اتنا اچھا کام نہیں سمجھتے۔ اگر آپ کی ڈیوٹی لگا دی جائے کہ سڑک پہ جھاڑو دیں تو کتنے لوگ جھاڑو دیں گے؟ جھاڑو دینے کو عام طور پر لوگ اچھا کام نہیں سمجھتے لیکن جھاڑو مجبوری کے تحت دیتے ہیں کیونکہ جھاڑو کے بغیر صفائی نہیں ہوتی۔ اب جو مجبوری کے ساتھ جھاڑو دے رہا ہے اس کو اجر کہاں سے ملے گا؟ وہ کسی کے سامنے جھاڑو نہیں دینا چاہے گا اس کے نزدیک جھاڑو دینا کوئی اچھا کام نہیں ہوگا۔

''ایک حبشی عورت مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ ایک دن اس کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ تو انتقال کر گئی۔ آپ ﷺ نے اس پر فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں نہ بتایا، پھر آپ ﷺ قبر پر تشریف لائے اور اس پر نماز پڑھی۔'' (صحیح بخاری:458)

لیکن آپ ﷺ نے اس عورت کے معاملے کو چھوٹا معاملہ نہیں سمجھا۔ اللہ تعالیٰ کے گھروں کی صفائی تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے کی۔ یہ چھوٹا کام نہیں ہے آپ اگر اسے بڑا کام سمجھیں گے تو آپ میں سے ہر فرد اس گھر کی صفائی کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے ہر گھر کی صفائی کے لیے کسی کے کہے بغیر کوشش کرے گا اور اگر آپ اسے چھوٹا کام سمجھیں گے تو آپ کبھی یہ کام نہیں کریں گے۔ اب آپ نے کیسا کام سمجھنا ہے کیونکہ صفائی نصف ایمان ہے؟

آپ سوچیں کہ اگر کسی کی ڈیوٹی لگ جائے واش روم دھونے پر تو وہ اپنے آپ کو یہ

سمجھے گا کہ میرے ساتھ بڑی رحمت کا معاملہ ہوا؟ کتنا مشکل ہے رحمت کے بارے میں سوچنا کہ واش روم میں ڈیوٹی لگی ہے اور یہ میرے لیے رحمت ہے۔حقیقتاً اس سے زیادہ انسان کے لیے کوئی بڑی رحمت ہی نہیں ہے کیونکہ اس کی وجہ سے اس کی ''میں'' اس کی ''انا'' اس کے اندر کا ''تکبر'' ٹوٹتا ہے۔

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے مجھے یاد ہے ایک بچی راتوں کو جب سب سو جاتے تھے تو اٹھتی تھی اور وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو پتہ چلے جا کے واش روم دھوتی تھی اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتی تھی کہ یا اللہ! جس طرح سے میں اس جگہ کو صاف کر رہی ہوں تیری خوشی کے لیے تو ایسے ہی میرا دل شفاف کر دینا۔ یا اللہ! میرے اندر تو بہت گندگی ہے، میرے اندر تو بہت کچھ بھرا ہوا ہے اور تو شفاف کر سکتا ہے۔ یا اللہ! اس کے بدلے میں تو مجھ سے راضی ہو جانا۔ اس کی آہیں، اس کی سسکیاں اور اس کے آنسو کیا اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی درجہ نہیں پائیں گے؟ بڑا کام ہے جو اخلاص کے ساتھ کیا جائے اور اخلاص کے بغیر کوئی بڑے سے بڑا کام بھی کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہی نہیں ہوتا۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

''مجھے اپنی امت کے معاملے میں سب سے زیادہ شرک اصغر کا ڈر ہے۔ تو لوگوں نے پوچھا شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ریاکاری، دکھاوے کے کام کرنا۔''

(مسند احمد:23630)

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کا صدقہ کیا اس نے شرک کیا۔'' (مسند احمد:17140)

لہٰذا دکھاوے کے لیے کام نہیں کرنا، اللہ تعالیٰ کے لیے کام کریں چاہے چھوٹے سے

چھوٹا کام ہو اور ایسا کام لیں جس پر دل نہیں چاہتا کیونکہ آپ کے لیے رحمت وہیں چھپی ہوئی ہے۔ جس پہ دل نہیں چاہتا، جس کو کرنے میں آپ اپنی توہین سمجھیں، جس کے لیے نفس آمادہ نہ ہو وہ کام کریں۔ آپ کی اصلاح کا آغاز ہو جائے گا، آپ کی زندگی بدل جائے گی ہوا کے برعکس چل کر دیکھیں بہت نفع ہوگا لیکن پہلے سوچنا سیکھ لیں کیونکہ صحیح سوچا نہیں تو فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ سوچیں گے تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تک پہنچانے والی بہت بڑی رحمت ہے۔

میں صرف اس لیے آپ کے سامنے یہ بات لا رہی ہوں کہ آپ کو اپنی ذات سے باہر کوئی بات ابھی نظر نہیں آ رہی، پتہ نہیں چل رہا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے وہ رب کتنا کریم ہے جو پھر بھی موقع دیتا ہے۔ وہ کون سے صحابی تھے جنہوں نے کہا تھا کہ میں لنگڑاتا ہوا جنت میں چلا جاؤں گا؟ عمرو بن جموح۔

اللہ تعالیٰ کس کو کتنا پسند کرتے ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اللہ پاک کو پتہ ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی کے لیے ایک جانب کوئی کمی رکھتا ہے تو اس چیز کو دیکھیں جہاں اللہ نے رحمت کی ہے۔ دیکھیں آپ نے جب کام کیا لوگ آپ کو غیر مخلص سمجھتے ہیں تو آپ اللہ تعالیٰ سے کہیں یا اللہ! خلوص کے ساتھ کرنے کی کوشش کی تھی اور لوگ مجھے سمجھ نہیں پائے۔ یہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے لیے کیا تھا یا اخلاص کا مفہوم ابھی سمجھ نہیں پائے، کیونکہ جب آپ اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لیے کریں گے تو آپ کو افسوس ہی نہیں ہوگا کہ کوئی نہیں سمجھتا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے آپ کا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ سیدنا نوح علیہ السلام کو دیکھئے ساڑھے نو سو سال لوگوں نے نہ سمجھا، لیکن انہوں نے اخلاص اور خیر خواہی کو کبھی نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت کرے اور اللہ تعالیٰ اپنے لیے اپنی رضا کے لیے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

طالبہ: کوئی قطع تعلقی کرے تو میرے اوپر گناہ تو نہیں ہوگا؟

استاذہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات آپ کے سامنے رکھوں گی۔

''نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا کہنے لگا کہ میرے کچھ رشتے دار ایسے ہیں میں ان سے اچھا معاملہ کرتا ہے وہ مجھ سے برا معاملہ کرتے ہیں۔ میں ان سے جڑنا چاہتا ہوں وہ مجھ سے کٹ جاتے ہیں یعنی آپ ﷺ کے سامنے اس نے صورت حال بیان کی تو آپ نے فرمایا: ''اگر واقعی بات ایسی ہی ہے جیسے آپ کہتے ہو تو آپ اپنے رشتے داروں کے منہ میں گرم گرم راکھ بھر رہے ہو۔'' (مسند احمد:7992)

اب آپ دیکھئے کہ آپ کے دل کی کیا کیفیت ہے اگر معاملہ ویسا ہی ہے جیسے آپ کہہ رہے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ معاملات کی حقیقت کو جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کام کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہی اجر کی توقع ہے پھر بھی کوئی آپ کو سمجھ نہیں پا رہا تو اپنے رب سے ہی توقع رکھیئے کیونکہ اس نے تو اجر دینا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (التوبہ:120)

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

طالبہ: لوگوں کے لیے جب کام کرتے ہیں تو ان سے ہی توقع رکھتے ہیں۔

استاذہ: بات پیاری ہے جو آپ نے کہی لیکن لوگوں سے امید نہ باندھیں، اللہ تعالیٰ سے امید باندھ لیں۔ اصل میں یہ اعلان ہی دعوت ہے اور یہی دعوت الی اللہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ کرتا ہے، اسی کا مطلب لا الہ الا اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے وقت میں برکت دے اور ہمیں زندگی کو سمجھنے کی توفیق دے۔ مجھے تو کبھی ایسا لگتا ہے کہ زندگی یہی ہے کہ انسان اپنے اندر کی چیزوں کو سمجھنے کے قابل ہو جائے اور انہیں باہر نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے امید باندھے اور اصلاح کا یہ عمل جاری رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے اور ہمارے لیے آسانیاں پیدا فرما دے (آمین)۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ رازق ہے

ALNOOR-PUBLICATIONS

کون ہے جسے رزق کی تلاش نہ ہو؟

کون ہے جو رزق کے بغیر زندگی بسر کر سکتا ہو؟

کون ہے جو رزق کے لیے دعائیں نہ کرنا چاہتا ہو؟

اللہ تعالیٰ الرزاق ہے

اللہ تعالیٰ الرزاق ہے

عمومی طور پر انسان کی سب سے زیادہ دعائیں رزق کے لیے ہوتی ہیں کیونکہ رزق اس کی ضرورت ہے۔اسی رزق کی وجہ سے انسان کی حیات کا تسلسل جاری رہتا ہے لٰہذا یہ زندگی کی ضرورت ہے۔اس لئے آج ہم رب العزت کی صفت رازق کے اہم پہلوؤں کو دیکھیں گے۔رب العزت نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ (الذاریات:58)

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بے حد رزق دینے والا، طاقت والا، نہایت مضبوط ہے۔“

پہلی بات تو یہ کہ ہماری زبان میں رزق صرف ان اشیاء سے متعلق ہے جو انسان کی جسمانی ضروریات ہیں یعنی اس کو خوراک کے لیے، لباس کے لیے، رہن سہن یا رہائش کے لیے جو کچھ چاہیے یا اسی طرح دیگر ضروریات ہیں۔لیکن عربی زبان میں انسان کی روحانی ضروریات اور عقلی ضروریات کے لیے بھی جو کچھ چاہیے ان کو بھی رزق کہا جاتا ہے۔مثال کے طور پر علم اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق ہے۔

پھر علم کے ساتھ جو چیز انسان کو چاہیے وہ اس کے تعلقات ہیں۔انسان رابطوں اور تعلقات کے بغیر اطمینان کی زندگی بسر نہیں کر سکتا کیونکہ وہ حیوان ناطق ہے۔جب وہ بولتا ہے تو اسے کوئی سننے والا چاہیے اور اسے ایسے لوگ بھی چاہئیں جو کہیں اور وہ ان کی سنے۔

اللہ رب العزت نے اپنے آپ کو جو الرزاق اور الرازق کہا ہے تو وہ ہر اعتبار سے کہا ہے یعنی وہ ہمیں ہمارے جسم کے لیے بھی رزق دیتا ہے، ہماری عقل کے لیے بھی اور ہماری روح کے لیے بھی وہ تمام چیزیں دیتا ہے جو ہماری ضروریات ہیں۔

اس کے رزق کا انتظام کتنا وسیع ہے۔ زمین رزق پیدا نہیں کرسکتی جب تک آسمانی انتظامات نہ ہوں۔ زمین پر زندگی سورج کے بغیر کیسے ممکن ہوسکتی تھی؟ زمین تو ایک تاریک کرہ ہے۔ اس تاریکی میں پودے کیسے اگ سکتے ہیں؟ پودوں کو روشنی اور حرارت چاہیے اور تاریکی میں پانی خشکی پر کیسے پہنچ سکتا ہے؟ اس کے لیے سورج کی حرارت اور روشنی چاہیے، Water Cycle تو تب ہی چلے گا اور ہر زندہ چیز کو اس رب نے پانی سے پیدا کیا ہے۔ پانی کا انتظام اللہ تعالیٰ کا رزق ہے اور یہ بہت بڑا رزق ہے۔ پھر ہوا بھی اس کا رزق ہے کیونکہ آپ کو آکسیجن چاہیے اور اس کے لیے جو انتظامات کیے گئے ہیں ان کی وجہ سے ایک خاص تناسب میں آکسیجن ہمیشہ کرہ فضائی میں موجود رہتی ہے۔ اس کے رزق کے خزانے بے مثال ہیں، زمین کا تین چوتھائی حصہ ایسا ہے جس کا کھارے پانی نے احاطہ کر رکھا ہے جسے ہم براہ راست استعمال نہیں کرسکتے لیکن اس کا ایک حصہ کس طرح سے فضاؤں میں لے جا کر واپس پلٹا دیا جاتا ہے۔ دنیا میں کوئی چیز ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانی ہو کتنی آلودگی ہوجاتی ہے۔ کبھی آپ ساحلی علاقوں میں دیکھیں جہاں پانی ٹرانسپورٹ ہوتا ہے، ٹرالرز میں پانی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ اتنا زیادہ دھواں ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ٹنوں پانی اس طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے ہیں کہ انسان خوش ہوجاتے ہیں، نہ دھواں ہے، نہ شور ہے۔ وہ کیسا رازق ہے کہ جب زمین کے باشندوں کو رزق دیتا ہے تو اس کے حکم سے زمین و آسمان سب آپس میں مل کر کام کرتے ہیں۔

ہمارا رزق بظاہر تو زمین پیدا کرتی ہے لیکن آسمان پر چمکنے والے سورج کا اس میں اہم

کردار ہے۔اس چاند کا بھی کردار ہے جو دن کو تو نہیں نکلتا، رات کو نکلتا ہے اور کتنے پھلوں کی مٹھاس اللہ پاک نے اس چاند کے ساتھ جوڑ دی ہے۔سمندری حیات کے لیے اللہ پاک نے زندگی کا سلسلہ چاند کے ساتھ متعلق رکھا کہ سمندروں میں چاند کی چاندنی کی وجہ سے آکسیڈائزیشن ہوتی ہے۔جب کبھی چاند اپنے عروج پر ہوتا ہے تو آپ نے سمندر کی کیفیت کو دیکھا ہے کہ کیسے جوار بھاٹے اٹھتے ہیں؟

یہ رزق ہے

زندگی کے لیے رزق

وہ کیسا رازق ہے؟

بن مانگے بھی دیتا ہے

اور دیتا ہے تو احسان نہیں جتلاتا

وہ کیسے اسباب پیدا کرتا ہے؟

اسباب بھی پیدا کرتا ہے

اور اسباب کی طرف توجہ بھی دلاتا ہے

اس کے رزق کا انتظام کیسا ہے؟

ادھر اسباب ہیں اور ادھر افراد ہیں

جنہوں نے اسباب تلاش کرنے ہیں

کسی کے دل میں کسی سبب کے لیے اور کسی کے لیے دوسرے سبب کی امنگ پیدا کر دیتا ہے۔پھر یوں ہر ایک کے لیے رزق کے اسباب بھی مہیا ہو جاتے ہیں اور انسانی ضروریات کا اہتمام بھی ہو جاتا ہے۔کبھی آپ نے دیکھا زمین پر چلنے والے کسی جانور کو جو اپنی کمر پر بوریاں لاد کر جا رہا ہو کہ میں آئندہ سالوں کے لیے یا آئندہ کچھ عرصے کے لیے اپنا رزق

سنبھال کر رکھ لوں۔ جانوروں کی یہ سوچ ہی نہیں ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ رزق کی تلاش میں نکلتے ہیں تو خالی پیٹ ہوتے ہیں اور جب واپس آتے ہیں تو بھرے پیٹ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ رسول ﷺ نے بھی پرندوں کی مثال دے کر سمجھایا ہے:

﴿عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا﴾ (جامع ترمذی:2344)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم اللہ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو بھی ایسے رزق دیا جائے جیسا کہ پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ صبح کو وہ گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں''۔

کبھی کسی چڑیا کے بچے کو آپ نے دیکھا جو ماں کے آنے پر منہ اوپر کی طرف کھول دیتا ہے اور ماں اس کی چونچ میں چوگا ڈال دیتی ہے، اس کے لیے ماں کے دل میں محبت کون پیدا کرتا ہے کہ ماں اس کے لیے جدوجہد کرے۔ کون ہے جو محبت کے بغیر اپنے سے زیادہ دوسرے کے رزق کے لیے کوشش کر سکے؟ ممتا کا جذبہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے اور اس پر جو تسکین ملتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ پھر آپ دیکھئے اللہ رب العزت نے کس طرح ہر ایک کو اپنی ضروریات کی سمجھ بھی دی ہے۔ اللہ پاک نے ہمیں بتایا ہے:

﴿وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ (المؤمنون:72)

''اور وہی بہترین رزق دینے والا ہے۔''

کون ہے جو یہ سوچ بھی سکے کہ اس سے بڑھ کر کوئی رزق دے سکتا ہے؟ لیکن کتنے ہی

لوگ رزق کے بارے میں غلط فہمیاں رکھتے ہیں۔ دنیا میں ایسے بہت سے نادان لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ رزق وراثت سے ملتا ہے، رزق ہمارے ہاتھ میں ہے، رزق علم کے ساتھ وابستہ ہے، رزق محنت کے ساتھ وابستہ ہے، رزق کسی بڑے انسان کے ہاتھ میں ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ:

اللہ پاک اپنے رزق میں کامل ہے

اس لیے کہ وہ خود ہی روزی رساں بھی ہے، قوت والا اور زور آور ہے۔ وہ ایسے خزانوں سے رزق دیتا ہے جو کبھی فنا نہیں ہوتے اور دنیا میں رہتے ہوئے ہم اس کا تجربہ کرتے ہیں اور آج سائنسی تحقیقات نے بھی یہ ثابت کیا ہے۔ اگرچہ وہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئے کہ سمندوں کا پانی ختم نہیں ہوتا۔ زمین جو چار حصوں پر مشتمل ہے جن میں سے تین حصے پانی کے ہیں اور ایک حصہ خشکی کا تو اگر زمین کی خشکی پر پانی کے ذخائر ختم ہونے لگیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس تناسب میں کوئی کمی بیشی ہوئی ہو۔

اللہ تعالیٰ کی آکسیجن کے ذخائر کبھی ختم نہیں ہوتے کیونکہ اس نے سسٹم ایسا بنایا ہے۔ ہم زمین سے اتنا کچھ نکالتے ہیں پھر بھی زمین کی قوت اللہ تعالیٰ بڑھاتے رہتے ہیں۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا وہ رزق مہیا کر رہی ہے اور کرتی ہی چلی جارہی ہے۔ یہ کیسا عمل ہے کہ ہم گندم بوتے ہیں اور اپنے وقت پر اس کی فصل کٹ جاتی ہے۔ پھر دوبارہ اس کو بویا جاتا ہے، پھر جوان ہوتی ہے اور پھر کس طرح سے رب العزت کے حکم سے اس کے بنائے ہوئے طریقے سے کاٹ لیا جاتا ہے۔ انسان استعمال کرتے ہیں، جانور بھی استعمال کرتے ہیں اور پھر دوبارہ رزق پیدا کرنے کا سبب بھی بنتا ہے کیونکہ اس کے بیج دوبارہ بوئے جاتے ہیں اور یہ عمل مستقل چلتا چلا جارہا ہے۔ پھر دیکھیں کہ وہ کیسا رازق ہے، وہ کہتا ہے کہ میرا رزق کثیر ہے اور اس کا رزق ایسا نہیں ہے جو کم پڑ جائے۔ انسانی مفروضے

بتاتے ہیں کہ اگر افراد کی کثرت ہو گئی، اگر مزید افراد آ گئے تو

رزق کہاں سے آئے گا؟

پہلے افراد کے لیے اسباب کس نے پیدا کیے تھے؟

جس نے پہلے پیدا کیے وہ بعد میں بھی پیدا کر سکتا ہے

آبادی کے لیے جو نظریہ اس وقت دنیا بھر میں بہت مقبول ہے کوئی اس کے مخالف جا کر سوچنا بھی نہیں چاہتا اور اگر کوئی سوچنا چاہے تو دباؤ ہے کہ آپ نہیں سوچ سکتے، اس لیے کہ جب آبادی بڑھے گی تو اس کا بھوت وسائل کو کھا جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وسائل تو استعمال ہوں گے لیکن آپ یہ دیکھیے کہ اتنی طویل مدت میں کس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ہی یہ فہم دیا کہ انہوں نے تحقیقات کیں اور وہی زمین جہاں سے اگر وہ کوئی چیز آٹھ من حاصل کر رہے تھے تو آج تقریباً سو من حاصل کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی کتاب یہ بتاتی ہے کہ آئندہ ہمیں ایک بیج سے سات سو گنا حاصل ہوں گے۔ ابھی تک انسان اس پر پہنچ نہیں پایا لیکن ایسا ممکن ہے، یقیناً اس کا رزق کثیر ہے اور وہ رزق کے اسباب پیدا کرنے والا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ رزق دینے والا تو وہ ہے اور اس کے رزق سے سب نفع بھی اٹھاتے ہیں۔

لیکن رزق دینے والے کا احسان کو کیوں نہیں محسوس کرتے؟

یہ سوال ہم سب سے ہے کہ مانگتے اس سے ہیں لیکن وہ جو انسان کے اندر رب العزت نے ایک جذبہ رکھا ہے کہ وہ دینے والے کا شکر ادا کریں تو شکر گزار یہاں چلی جاتی ہے؟ ایسا تو نہیں ہے کہ انسان شکر گزار ہی نہیں ہوتا لیکن وہ شکر گزاری کہیں اور چلی جاتی ہے وہ کہاں جاتی ہے؟ جہاں وہ ظاہری طور پر دیکھتا ہے کہ اسے جہاں سے کوئی چیز نصیب ہوئی ہے تو وہ اسی کی طرف چلا جاتا ہے، اسی کو ٹٹولتا ہے، اسی کو دیکھتا ہے اور اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اللہ پاک نے

غور وفکر کرنے کے لیے اور رزق کی حقیقت اور رازق کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے اپنے کلام میں کتنی جگہ پر وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے۔

وہ قوت والا ہے

اس کا رزق کثیر ہے

وہی رزق عطا کرتا ہے

جس کو چاہتا ہے زیادہ دے دیتا ہے

جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے

اور اس کا رزق کبھی فنا ہونے والا نہیں ہے

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ اس کا رزق ایسا ہے جسے تم شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے یعنی وہ اتنی گردش کرتا ہے اور اتنا کثیر رزق ہے کہ اس نے فرمایا:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (النحل:18)

''اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو انہیں شمار نہیں کر سکتے، یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

قرآن حکیم میں اللہ پاک نے اپنے بارے میں یہ بھی بتایا ہے کہ وہ الرازق ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ وہ الرزاق ہے جو مبالغے کا صیغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے الرزاق اور الرازق ہونے کے حوالے سے محض پتہ چل جانا کافی نہیں ہے کیونکہ صرف معلومات کی وجہ سے انسان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ میں اس وقت آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں کہ اگر آپ ایک ضرورت کو اپنے اندر محسوس کرتے ہیں اور اس ضرورت کے لئے اہتمام ارد گرد کے ماحول میں پاتے ہیں، پھر آپ کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں۔ لیکن اس پورے عمل میں آپ نے اگر اصل حقیقت کو نہیں پایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان میں اور جانور میں کوئی فرق

نہیں ہے اور جیسے قرآن حکیم میں آتا ہے:

﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾

”یہ لوگ جانوروں جیسے ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔“

(الاعراف:179)

اگر آپ اپنے رزق پر غور نہیں کریں گے تو آپ کا رازق سے تعلق کیسے جڑے گا؟ ہم سب اللہ تعالیٰ کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور ہماری زندگی کا مقصد عبادت ہے تا کہ ہمارے دل محبت اور تعظیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے جڑ جائیں۔

ہماری زندگی کا اصل مقصد کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا

اور اللہ تعالیٰ سے محبت کے اظہار کا ایک دروازہ ”رزق“ ہے

اللہ پاک نے اپنا تعارف کروایا ہے کہ وہ الرازق ہے اور الرزاق ہے۔ بہت کثرت کے ساتھ رزق دینے والا ہے، وہ قوت والا ہے اور رزق دے سکتا ہے۔ زمین کی تہوں میں رہنے والے حشرات کو بھی وہی رزق دیتا ہے، سمندروں کی مچھلیاں بھی اسی سے رزق پاتی ہیں، فضاؤں میں پرواز کرنے والے پرندوں کا بھی وہی رازق ہے۔ یہ تو مادی مخلوقات ہیں اور ان کے علاوہ وہ ساری مخلوقات جن کا مادی وجود بھی نہیں ہے ان کو بھی وہی رزق دینے والا ہے جیسے فرشتوں کو بھی وہی رزق دیتا ہے اور فرشتوں کا رزق کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمے جو کام لگائے ہیں وہ کام فرشتوں کا رزق ہیں۔ وہ اپنے ان سارے کاموں کو کیسے ادا کرتے ہیں؟ اللہ پاک نے قرآن حکیم میں سورہ تحریم کی آیت نمبر 6 میں اس کی مثال بھی دی ہے:

﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾

”جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اور اُنہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کے احکامات دراصل ہمارے لئے بھی رزق ہیں اور اللہ پاک نے اس کی مثال ہمیں یوں دی ہے کہ اگر تم میرے احکامات کو پورا کرو گے تو اس کے نتیجے میں، میں تمھیں اپنی جنتوں میں داخل کروں گا۔ جیسے نبی ﷺ نے اس کی مثال دی ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن درخت لگا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرے اور فرمایا: ابو ہریرہ! تم کیا لگا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ درخت لگا رہا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمھیں اس سے بہتر درخت نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ ضرور بتائیے اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: تم ''سبحان اللہ، والحمدللہ، ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر'' کہا کرو تو ہر ایک کلمہ کے بدلے تمہارے لیے جنت میں ایک درخت لگایا جائے گا۔'' (ابن ماجہ: 3807)

فرشتوں کے لئے تو غذا کے طور پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنا ہے اور انسان جب وہ تسبیح کرتا ہے تو اس کا اجر بھی پاتا ہے۔ غور وفکر کرنے کے بعد یہ بات زیادہ اچھی طرح سمجھ آئے گی کہ جو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا وہ ہمارے لئے رزق ہے کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے میں مشکلات محسوس کرتے ہیں ان کے دل کو یہ بات بہت تسکین دے گی کہ دراصل یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لیکن میرے لئے اس رزق کا سبب ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موت کے بعد مجھے ملے گا تو کیا اللہ پاک نے اپنی کتاب میں نہیں بتایا؟

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (التوبہ: 111)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لیے ہیں کہ یقیناً اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔''

جانتے ہیں جنتیوں کا رزق کیا ہے؟

سورہ التوبہ میں رب العزت نے فرمایا:

﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (التوبہ:112)

''وہ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، بھلائی کا حکم دینے والے، بُرائی سے روکنے والے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور مومنوں کو خوشخبری دے دیں۔''

﴿اَلتَّآئِبُوْنَ﴾ ''توبہ کرتے رہنے والے ہیں۔''

توبہ رزق ہے، اسے اپنا رزق سمجھیں گے تو اس کے لیے کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے کا حکم دیا کیونکہ توبہ ہی تو انسان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حق دلواتی ہے۔ توبہ کے بغیر گناہ گار انسان آگ ہی کا حق رکھتے ہیں۔

﴿السَّآئِحُوْنَ﴾ ''روزہ رکھنے والے ہیں۔''

﴿السَّآئِحُوْنَ﴾ کا دوسرا مطلب سیاحت کرنے والے ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اور دعوت الی اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلنے والے، تو یہ بھی رزق ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف دعوت دینا رزق نہیں ہے؟ یقیناً یہ بھی رب کریم کا رزق ہے۔ پھر رب العزت نے فرمایا:

﴿السّٰجِدُوْنَ﴾ ''سجدہ کرنے والے۔''

کیا آپ نہیں جانتے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں خود فرمایا ہے:

﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ (العلق:19)

''اور سجدہ کرو اور بہت قریب ہو جاؤ۔''

جو سجدہ کرے گا اسے ہی قرب ملے گا۔کیا اللہ تعالیٰ کا قرب رزق نہیں ہے؟ مومنین کے لیے یقیناً یہی سب سے بڑا رزق ہے۔

﴿الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

''بھلائی کا حکم دینے والے ہیں، برائی سے روکنے والے ہیں۔''

خود بھلائی کے کام کرنا اور دوسروں کو ان کی ترغیب دلانا۔اسی طرح برائی سے خود رکنا اور دوسروں کو روکنا یعنی برائی سے اجتناب بھی رزق ہے، جسے اللہ تعالیٰ توفیق دے دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا رزق ہے اسی کی وجہ سے تمام مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنا اور حق پر قائم رہنا ممکن ہوتا ہے۔

﴿وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾

''اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

ان ہی حدود کی حفاظت کی وجہ سے انسانی معاشرہ قائم ہوتا ہے۔اور ان سب کاموں کے بدلے میں مومنوں کو خوشخبری دی گئی ہے۔

﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور مومنوں کو خوشخبری دے دیں۔''

تو ایمان والوں کا رزق کیا کچھ ہے؟ جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔

- توبہ
- عبادت
- حمد (اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا)
- سیاحت اور روزے رکھنا

- رکوع اور سجدے کرنا
- نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا

یہ رزق کسی کو کب نصیب ہوتا ہے؟

جب آپ ان کو رزق سمجھیں گے تو ان کے حصول کے لیے کوششیں کریں گے۔ جنت جانے والوں کا رزق تو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنا ہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا کیا کچھ رزق ہے؟ آپ جانتے ہیں ایک اور طرح کا رزق بھی ہے:

اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم رزق ہے

اس کا فہم رزق ہے

اس پر عمل کرنا رزق ہے

اس کی دعوت دینا رزق ہے

تو ہم سب صرف مادی ضروریات نہیں رکھتے بلکہ عقلی اور روحانی ضروریات بھی رکھتے ہیں اور ہماری زندگی کے لیے رب العزت نے جو لائحہ عمل دیا ہے وہ اسی وجہ سے دیا ہے کہ اس کے بغیر ہم اپنی فطرت کے عین مطابق صالح زندگی نہیں گزار سکتے۔ دنیا کی زندگی عارضی ہے اور اس زندگی کے بعد جب آئندہ زندگی ملے گی تو وہ ہمیشہ کی زندگی ہوگی اور ہمیشہ کی زندگی کا رزق وہ ہے جس کے لیے اللہ پاک نے انبیاء کو بھیجا، جس کے لیے اللہ تعالیٰ صالحین کو اٹھاتا ہے کہ آپ دوسروں کو بھی اس ضرورت کا احساس دلاؤ تا کہ وہ اپنی ہمیشہ کی زندگی کے رزق کے لیے اہتمام کریں۔ پھر کتنی عجیب بات ہے کہ تہی دامن اس کے حضور حاضر ہو جائیں اور اس کے پاس جانا تو ہے۔ جو انسان ہر بار نماز کے لیے جاتے ہوئے جانے کی یاد کو تر و تازہ رکھتا ہے:

﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ (البقرہ:156)

”بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور بے شک ہم اُسی کی جانب لوٹنے والے ہیں۔“

سارے کام پیچھے اور اللہ تعالیٰ آ گئے، یہ رزق ہے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو اس رزق کو پانے کے باوجود نفع نہیں اٹھا سکتے، وہ ہونے کے باوجود بھی ان چیزوں کو استعمال نہیں کر سکتے۔ دنیا میں کتنے لوگ ہیں جن کے پاس کثیر رزق ہوتا ہے لیکن کوئی ایسی بیماری ہوتی ہے کہ اگر وہ ان چیزوں کو استعمال کر لیں تو وفات پا جائیں اور وقت سے پہلے دنیا سے چلے جائیں۔ آپ کسی شوگر کے مریض کو دیکھیے میٹھا موجود ہے لیکن استعمال نہیں کر سکتا۔ آپ کسی ایسے مریض کو دیکھیے جو اپنے اردگرد بہت ساری چیزیں رکھتا ہے لیکن کومے کی حالت میں ہے تو وہ کون سی چیز استعمال کر سکتا ہے؟ سویا ہوا انسان کتنی چیزیں استعمال کر سکتا ہے؟ غفلت میں رزق نہیں ملا کرتا۔ بے ہوش افراد کو بھی رزق نہیں ملتا اور روحانی طور پر بیماروں کو بھی رزق نہیں ملتا کیونکہ اس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ (البقرہ:10)

”اُن کے دلوں میں ہی ایک بیماری ہے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو بیماری میں زیادہ کر دیا۔“

اس میں اور اضافہ کر دیا اور جب تک وہ نفاق کی بیماری دور نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کا رزق نہیں ملے گا۔ جب تک آپ سچائی نہیں سیکھتے، ایفائے عہد نہیں سیکھتے، جب تک آپ امانت نہیں سیکھتے، اللہ تعالیٰ کا رزق تو نہیں ملے گا۔ صدق کتنا بڑا رزق ہے اور سچائی کے ساتھ رزق کے کتنے دروازے کھلتے ہیں۔ عہد میں سچائی، امانت بذات خود سچائی ہے اور صدق تو صدق ہے خواہ قول کا ہو یا انسان کے عمل کا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے کے ساتھ اپنا تعلق جوڑنا ہے۔ اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ آپ اس کے رزق کو سب سے پہلے اپنی ضرورت میں دیکھیں۔

کیا آپ اپنی ضروریات کی ایک لسٹ بنا سکتے ہیں؟

مادی طور پر کیا چاہیے؟

روحانی طور پر کیا چاہیے؟

شعوری طور پر کیا چاہیے؟

جذباتی اور نفسیاتی طور پر کیا چاہیے؟

اور معاشرتی طور پر آپ کو کیا چاہیے؟

جو آپ کو چاہیے وہ رب کریم سب کچھ دے سکتا ہے۔ اگر آپ اس پر غور نہیں کریں گے تو کبھی الرزاق سے تعلق نہیں جوڑ سکیں گے۔ جیسے میں نے آپ کے سامنے یہ چیزیں رکھی ہیں اسی اعتبار سے آپ لسٹ بنائیں جب لسٹ بنائیں گے تو دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے کیسے اسباب پیدا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم کچھ چیزیں یہاں Discuss کر لیتے ہیں مثلاً:

آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے؟

کھانے کی ضرورت ہے تو اللہ تعالیٰ نے کھانے کے اسباب کیسے پیدا کیے ہیں؟

سورج کو اس کام پر لگا دیا کہ میرے فلاں بندے کو کھانا چاہیے لہٰذا تم وہاں جا کر طلوع ہو جاؤ کیونکہ تمہاری حرارت اور روشنی سے سب کو فائدہ ہوگا۔ یہ سب کچھ سورج کو نہیں پتہ وہ تو صرف اپنے مالک رب تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے۔ پھر زمین کو اللہ تعالیٰ نے لگا دیا کہ تمہارے اندر نمکیات کی وجہ سے مٹی ایسی ہو جائے جہاں پر اگر بیج ڈالا جائے تو وہ بیج اگ سکے۔ پھر اس پودے کے لیے ہوا چاہیے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسباب پیدا کرتا ہے۔ یہ مختلف نوعیت کے اسباب ہیں۔

اگر آپ ایک چیز کا ذہنی نقشہ بنائیں کہ آپ کی غذا کے لیے ہوا چاہیے، روشنی چاہیے،

حرارت چاہیے، نمکیات چاہئیں، پانی چاہیے پھر دیکھیں وہ ساری چیزیں کیسے پیدا کی جاتی ہیں؟ رزق کے سارے اسباب اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور جو کسان بیج بوتا ہے وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس بیج نے کیسے اگنا ہے۔ اس کو یہ پتہ ہے کہ اس کی جڑ بھی نکلے گی، وہ اوپر بھی جائے گا لیکن اصلاً وہ ایک حکم بھی بیج کو نہیں دے سکتا کہ میں گندم کا بیج بوؤں اور گندم کا پورا درخت اگ آئے۔ پھر آم، شیشم اور برگد کے بڑے بڑے درخت ہوتے ہیں تو ظاہر ہے ان کے توسط سے رزق کے اسباب بھی زیادہ پیدا ہو جاتے ہیں۔

لیکن!

کون ہے جو اس کے علاوہ بیج کو حکم دے سکتا ہو؟

وہ الرازق رزق دینے والا ہے اور اس نے اس کے لیے اصول وضابطے مقرر کر رکھے ہیں، جن کی اس کے علاوہ باقیوں کو سمجھ نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں مداخلت کی کوشش کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے ایک صاحب اپنے گھر سے نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ کھیت میں پتلی پتلی شاخوں کے ساتھ بڑے بڑے تربوز لگے ہوئے ہیں تو انہوں نے کہا واہ اللہ تعالیٰ اتنی سوکھی شاخیں اور اتنا بڑا بڑا پھل! یعنی اتنا بڑا پھل تو کسی بڑے درخت پر ہونا چاہیے۔ پھر وہ آگے گئے تو دیکھا آم کا بہت بڑا درخت ہے اور اس پر چھوٹے چھوٹے آم لگے ہوئے ہیں تو کہا اتنا بڑا درخت اور اتنا چھاٹا سا آم! اتنے میں ایک کیری (چھوٹا سا آم) ان کے ناک پر آ کر گری تو انہوں نے کہا: یا اللہ تیری باتیں ہی سچی ہیں کیونکہ اگر اس کی جگہ تربوز لٹک رہا ہوتا تو پھر ناک کا کیا بنتا؟

یوں انسان بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے کاموں میں مداخلت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اچھا اس کو اس طرح نہیں اس طرح ہونا چاہیے تھا تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس نے کس کو کہاں سے رزق پہنچانا ہے اور مجھے وہ بات اتنی پیاری لگتی ہے جس کی مثال اللہ تعالیٰ

کے رسول ﷺ نے دی:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ایک بار ایک مرد میدان میں تھا اور اس نے بادل میں ایک آواز سنی کہ فلاں کے باغ کو سینچ دو (اس آواز کے بعد) بادل ایک طرف چلا اور ایک پتھریلی زمین میں پانی برسایا تو وہاں کی نالیوں میں سے ایک نالی بالکل لبالب بھر گئی۔ وہ شخص برستے پانی کے پیچھے پیچھے گیا (چونکہ اس کو کھوج تھی اور جو کھوج میں ہوتا ہے اسے بہت کچھ مل جاتا ہے۔ دل کا اطمینان اس کھوج کے ساتھ جڑا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں انسان کے دل کے اندر ابھرتی ہے کیونکہ وہ شخص جانتا تھا کہ بادلوں کو حکم دینے والی اصل ذات کس کی ہے)۔ وہاں اس نے ایک مرد کو دیکھا کہ اپنے باغ میں کھڑا پانی کو اپنے پھاوڑے سے ادھر اُدھر کرتا ہے تو اس نے باغ والے مرد سے کہا: اے اللہ کے بندے! تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: فلاں نام ہے، وہی نام جو بادل میں سنا تھا۔

سوچیں اس کے کیسے رونگٹے کھڑے ہوئے ہوں گے؟ اور دل کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی کیونکہ یہ کیفیت حق کو پہچان لینے کی تھی اور اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے کو وہ پہچان رہا تھا۔

﴿مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ﴾ (المائدہ:83)

’’اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔‘‘

پھر باغ والے نے اس شخص سے کہا: اے اللہ کے بندے! تو نے میرا نام کیوں پوچھا:؟ وہ بولا: میں نے اس بادل میں ایک آواز سنی جس کا یہ پانی ہے، کوئی تیرا نام لے کر کہتا ہے کہ فلاں کے باغ کو سینچ دے۔ سو تو اس باغ میں اللہ تعالیٰ کے

احسان کی کیا شکر گزاری کرے گا؟ باغ والے نے کہا: جب کہ تو نے یہ کہا: تو اب میں البتہ دیکھتا رہوں گا اس کو جو اس باغ سے پیدا ہوگا۔ ایک تہائی اس کی خیرات کروں گا اور ایک تہائی میں اور میرے بال بچے کھائیں گے اور ایک تہائی اس باغ کی مرمت میں خرچ کروں گا۔'' (مسلم:7473)

وہ جو ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیا اس کی وجہ سے اردگرد کے سارے باغات، سارے کھیت جو سوکھے اور خشک پڑے تھے لیکن اللہ پاک نے اس کا بدلہ کیسے لوٹا دیا کہ بادلوں کو حکم دیا اور پانی کہاں سے لا کر کہاں پہنچا دیا۔ کیا آپ اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے کا کبھی تجربہ کرتے ہیں کہ وہ کس طرح کسی کے رزق کے لیے سبب پیدا کر دیتا ہے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا مثلاً کھانا کھاتے ہوئے آپ کے ہاتھ سے کچھ گر جائے تو کیسے چیونٹیاں جو آپ کو اچھی نہیں لگتیں وہ آتی ہیں اور وہاں سے وہ سب کچھ لے کر چلی جاتی ہیں۔ ہم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ اس کے کھانے میں چیونٹیوں کا حصہ ہو؟ اور یقیناً چیونٹیاں نقصان دہ بھی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جس کا رزق لکھا ہو وہ تو لے ہی جاتا ہے۔ اس حوالے سے سورۃ الحج میں اللہ پاک نے جو مثال دی ہے وہ ہمیشہ میرے دل کو بہت زیادہ پکڑتی ہے اور وہ ردِ شرک کی مثال ہے:

﴿يَآ أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾ (الحج:73)

''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے سو اسے غور سے سنو، یقیناً وہ لوگ جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو ایک مکھی بھی ہرگز پیدا نہیں کریں گے اور اگرچہ وہ سب کے سب اس کے لیے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ بھی چھین لے تو اُسے

اُس سے وہ چھڑا بھی نہیں سکتے طلب کرنے والا بھی کمزور ہے اور جس سے طلب کیا گیا وہ بھی کمزور ہے۔''

اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو وہ اسے واپس نہیں لا سکتے کیونکہ وہ مکھی کا رزق تھا جو کسی انسان کے پاس تھا۔ کبھی آپ نے سوچا! کہ اللہ پاک نے کتنے لوگوں کا رزق آپ کے مال میں رکھا ہے جو ان تک پہنچنا ہے۔ اللہ پاک تو پہنچا دیتا ہے لیکن اللہ رب العزت نے دراصل آپ کی دوسری زندگی کے لیے وہ رزق رکھا ہے۔ وہ دوسری زندگی کا حصہ ہے کہ اگر آپ اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں دے دیتے ہیں تو وہ مال بچ جاتا ہے جیسے نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿وَعَنِ ابنِ مسعودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : فقال رَسُولُ اللهِ ﷺ اَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ اَحَبُّ اِلَيهِ مِنْ مَّالِهِ ؟ قالوا : يَارَسُولَ اللهِ ما مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُهُ اَحَبُّ اليه قَالَ : فَاِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِهِ مَا اَخَّرَ﴾ (بخاری:6442)

سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مال ہی سب سے زیادہ محبوب ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''پس انسان کا مال تو وہی ہے جو اس نے (صدقہ و خیرات) کر کے آگے بھیجا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو وہ پیچھے چھوڑ گیا۔''

آپ کو کس کا مال اچھا لگتا ہے؟

یقیناً اپنا مال اچھا لگتا ہو گا

لیکن اصل میں آپ جسے اپنا مال کہہ رہے ہیں وہ آپ کا ہے ہی نہیں بلکہ وہ وارثوں کا مال ہے۔ آپ کے پاس رزق محدود ہے، وہ اس اعتبار سے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں

جو عمر کے ابتدائی دور میں ہیں جہاں ان کی ضروریات کے لیے محدود جیب خرچ ہے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن کے ہاتھ میں گھر چلانے کے لیے سرمایہ ہوتا ہے لیکن بات یہ نہیں ہے کہ کسی کے پاس مال کثیر ہے یا قلیل، بات یہ ہے کہ اس مال میں سے اس کا حصہ کتنا ہے؟ وہ جو اس نے دیا اور بچا لیا کیونکہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''ابن آدم کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، حالانکہ اس کے مال میں سے اس کا حصہ کتنا ہے؟ انسان کا مال وہ ہے جو اس نے کھایا اور کھا کر ختم کر دیا، پہنا اور پہن کر پرانا کر دیا اور جو دیا وہ بچا لیا۔'' (مسلم: 2958)

اس بات پر ضرور غور و فکر کریں کہ وہ رب دنیا کے لیے بھی اور دوسری زندگی کے لیے بھی رزق دیتا ہے۔ اس نے دوسری زندگی کے لیے رزق آج ہی کے دور میں ہمیں دے رکھا ہے۔ اس کے احکامات رزق ہیں اور جو اس نے ہمیں دیا ہے اس میں بھی ہمارے لیے دوسری زندگی کا حصہ رکھا ہے، جو دیں گے وہ بچا لیں گے اور جو استعمال کر لیں گے وہ ختم کر دیں گے۔ پھر جو کچھ اپنی اس دنیا کے لیے بچا کر رکھیں گے دراصل وہ بھی ہمارے لیے بچتا نہیں ہے بلکہ وہ تو وارثوں کا مال ہے۔

انسان کا ذہن کبھی سیدھا نہیں ہوتا، اس کا ذہن سیدھا ہونے کے لیے بہت مشقت ہے کیونکہ چیزیں غور و فکر سے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سمجھ آتی ہیں۔ لہٰذا اس بات کو سمجھ لیجئے کہ اس رزاق نے آپ کو دنیا اور آخرت کا رزق ابھی دے رکھا ہے کیونکہ آخرت میں جو رزق اس نے تیار کر رکھا ہے اس کی کرنسی آپ کے پاس ہے۔ آپ دنیا میں جو چیز خریدتے ہیں مال سے خریدتے ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں جو چیز خریدیں گے وہ اعمال سے خریدیں گے۔ اعمال کرنے کے لیے اس نے احکامات دے رکھے ہیں جو اس کا رزق ہیں۔ اس رازق سے توفیق مانگ لیں گے تو وہ توفیق دے دے گا۔ رزق کے بارے میں یہ بھی جان لیجئے کہ:

آپ کے پاس جو صلاحیتیں ہیں وہ بھی رزق ہیں
آپ کے پاس جو مال ہے وہ بھی رزق ہے
آپ کے پاس جو قوتیں ہیں وہ بھی رزق ہیں

آپ کی صلاحیت، آپ کا مال، آپ کی قوت، آپ کے رابطے، آپ کے تعلقات، جو کچھ آپ کے پاس ہے وہ اس رب کریم کا رزق ہے۔ آپ کا علم جو آپ کے پاس ہے وہ بھی اس کا رزق ہے اور اللہ پاک نے اس میں بھی دوسروں کا حصہ رکھا ہے اور جو دوسروں کا حصہ ہے دراصل وہ آپ کی آخرت کا یعنی دوسری زندگی کا حصہ ہے۔ چونکہ اس کے خزانوں میں کمی نہیں آتی اس لیے وہ ایک ایک چیز سے کتنا کثیر نفع ہمیں دیتا چلا جاتا ہے جیسے کوئی ایک دے کر سات سو لے لے تو یہ کیسے ممکن ہے؟

اگر کسی نے کسی ایک فرد کو قرآن کا رزق دے دیا، اسے خود قرآن پڑھا دیا یا اسے قرآن پڑھنے بٹھا دیا تو یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ پھر جب وہ قرآن پڑھے گا تو ظاہر ہے کہ اسے بھی تو آگے رزق چاہیے اور اس نے جب آگے دینا ہے تو اس میں آپ کا حصہ بھی لگا ہوا ہے۔ پھر وہ جب اور آگے پڑھائے گا تو یہ سلسلہ بڑھتا ہی چلا جائے گا سات سو کیا جتنا قیامت تک سلسلہ جاری رہے گا وہ آپ کے حصے میں آتا رہے گا۔ یہ کتنا بڑا بزنس ہے، کتنا عظیم بزنس ہے اور جو یہ تجارت کرنا چاہے اس کی تجارت میں کبھی خسارہ ہونے والا نہیں۔ جسے پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ بزنس کتنا بڑا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے رزق کا حریص ہو جاتا ہے۔ یہ کتنی بڑی تجارت ہے نبی ﷺ نے اسی وجہ سے اس کے لیے ایسی مثالیں دی ہیں جیسے آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

”اللہ کی قسم! اگر تمہارے ذریعے ایک شخص کو بھی ہدایت مل جائے تو یہ تمہارے حق میں سو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔“ (صحیح بخاری:2942)

سرخ اونٹ کیا تھے؟ وہ ان کے لیے مال تجارت تھے۔ آپ ﷺ نے ہدایت کو مال تجارت کے ساتھ تشبیہہ دے دی کیونکہ کسی کی راہ نمائی کے لیے کوشش کرنا دنیا اور آخرت کے لیے مال تجارت ہی تو ہے۔ اللہ رب العزت نے کس طرح سے اس دنیا میں ہر ایک کو کہیں سے حاصل کرنے والا اور کہیں سے تقسیم کرنے والا بنا دیا کیونکہ آپ مال لیتے بھی ہیں اور دیتے بھی ہیں۔ اللہ رب العزت نے یہ بتایا ہے کہ جو مال اس دنیا میں استعمال ہو گیا وہ تو یہیں رہ گیا۔ آپ کے کام آنے والا مال وہ ہے جو آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیں۔ وہ کسی اور انسان کو پہنچے گا، اس کا دنیا میں بھلا ہو گا، بظاہر وہ انسان وصول کر رہا ہو گا لیکن دراصل وہ آپ کا بچت اکاؤنٹ ہے اور آپ کے لیے وہ مستقل طور پر محفوظ ہو رہا ہو گا۔

پھر اسی طرح سے دنیا کے لیے صلاحیتیں لگتی ہیں، گھرداری کے لیے، بزنس کے لیے، نوکری کے لیے، پڑھنے کے لیے، پڑھانے کے لیے اور دنیا میں وہ سارے کام جو عمومی طور پر انجام دیے جاتے ہیں، جہاں صلاحیت لگتی ہے آپ اپنی صلاحیت سے اس زندگی کے لیے بھی بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں اور اپنی صلاحیت کو اگر اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیں تو اپنی دوسری زندگی میں اور ہمیشہ کی زندگی کے لیے بہت بڑا اجر بھی حاصل کر سکتے ہیں۔
اس لیے جس کو یہ سمجھ آ گئی کہ

اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کیا ہے؟

میں نے اس کا کتنا حصہ لینا ہے؟

کس مقصد کے لیے بچانا ہے؟

اور کہاں پر دے کر بچانا ہے؟

پھر وہ اپنی صلاحیتوں کو اسی رزق کے لیے لگاتا ہے اور جس کو دے کر بچانے کی اور لگا کر بچانے کی بات سمجھ آ جاتی ہے تو وہ اپنی زندگی ضائع نہیں کرتا۔ پھر وہ اپنی زندگی اسی

کے لیے لگا دیتا ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (التوبہ:111)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لیے ہیں کہ یقیناً اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔''

یہ تجارت ہے اور خریدنے والا کون ہے؟

خریدنے والا اتنا عظیم ہے، وہ خرید رہا ہے

اور کیا چیز خرید رہا ہے؟

ان کی جانیں، وہ دی بھی اسی نے ہیں

اور اسی کو دے دیں تب بھی حق ادا نہیں ہوتا

اور ان کے مال، کس لیے خریدے ہیں؟

جنت کے بدلے میں کیونکہ ان کے بدلے میں جنت ملے گی

اپنی صلاحیت کے حوالے سے یہ سوچیے کہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے تو یہ دنیا کے کھیت میں لگے گی یا آخرت کے کھیت میں؟ اس صلاحیت سے آپ نے حاصل کیا کرنا ہے؟ آپ کے پاس مال ہے جو آپ کو اللہ رب العزت نے دے دیا تو اسے کہاں لگانا ہے؟ کہاں محفوظ کرنا ہے؟ دنیا کے بینک میں یا آخرت کے بینک میں؟ یہ سوچنا سمجھنا اور پلان کرنا کتنا ضروری ہے۔ ساری دنیا کے لیے تو منصوبہ بندی کرتے رہنا ہے اور کبھی اپنی جنت کو پلان ہی نہیں کرنا؟ اور آپ ﷺ نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

''اے لوگو! دشمنوں سے لڑائی بھڑائی کی تمنا نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے سلامتی مانگو۔ ہاں جب جنگ چھڑ جائے تو پھر صبر کیے رکھو اور ڈٹ کر مقابلہ کرو۔'' ﴿وَاعْلَمُوا

اِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ﴾ ''اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سایے میں ہے ۔'' پھر آپ ﷺ نے عرض کیا: اے اللہ! کتاب (قرآن) کے نازل فرمانے والے! اے بادلوں کے چلانے والے! اے احزاب (کافروں کی جماعتوں کو غزوۂ خندق کے موقع پر) شکست دینے والے! ہمارے دشمنوں کو بھی شکست دے اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔'' (صحیح بخاری:3025)

اس کا مطلب ہے اس جہان میں حق اور باطل کا معرکہ جاری ہے۔ جو جنت حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ معرکے میں کود جائے، اپنا کردار ادا کرے۔ ہر دور میں اس جنگ کی اپنی نوعیت ہوتی ہے، کبھی براہ راست جنگ ہوتی ہے اور کبھی نظریاتی سطح پر ہوتی ہے۔ ہم نے اس جنگ میں اپنا کردار ادا کرنا ہے اور جو لوگ اس جنگ میں اپنا وقت، اپنی صلاحیتیں، اپنا مال سب کچھ لگا دیتے ہیں وہ جنت خرید سکتے ہیں۔ دو راستے ہیں ایک دعوت الی اللہ کا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں، اللہ رب العزت کے پیغام کو پہنچائیں، اس کی تعلیم دیں، اس طرف رغبت دلائیں اور دوسرا جہاد فی سبیل اللہ کا جب وہ ناگزیر ہو جائے۔ فی سبیل اللہ کام ہی جنت کا راستہ ہیں جیسے نبی ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص علم کے راستے پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔'' (بخاری)

جنت میں جو رزق ملے گا وہ دنیا میں ملے ہوئے رزق کی وجہ سے ملے گا۔ اور وہ رزق کیا ہے؟ علم، علم اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے کو دونوں جہانوں کے اعتبار سے دیکھیں پھر کہانی کھل جائے گی۔

سوال وجواب

طالبہ: ہمیں اللہ تعالیٰ نے روحانی رزق بھی دیا ہے اور جسمانی رزق بھی دیا ہے۔ جسمانی

رزق تو ہم دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جسم دیا ہے، لباس دیا ہے، اس پر یقین آتا ہے لیکن روحانی رزق نظر نہیں آتا تو اس پر یقین نہیں آتا اور اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کے رزاق ہونے کے یقین پر کمی آجاتی ہے۔

استاذہ: ساری چیزیں آنکھوں سے دیکھ کر تھوڑی پتہ چلتی ہیں بلکہ انسان جس چیز سے گزرتا ہے کیا وہ زیادہ پتہ نہیں چلتی؟ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ اس ضرورت کا احساس کیسے دلاتے ہیں؟ بے چینی، اضطراب قرار ہی نہیں ملتا تو بے قراری کو قرار تو چاہیے اور اللہ تعالیٰ نے قرار کے لئے انتظام کر رکھا ہے۔ انسان اس کی طرف توجہ نہیں کر پاتا تو اللہ تعالیٰ نے اس کام پر کچھ لوگ لگا دیے ہیں۔ سارے لوگوں سے کہا، ایک دوسرے کو توجہ دلاؤ کہ تمہارا رزق وہاں وہاں ہے۔ اگر دنیا میں کسی کو پتہ چلے کہ کسی کو فلاں جگہ سے کوئی خزانہ مل سکتا ہے تو کیا لوگ اس کی طرف بھاگتے ہیں؟ سارے گیم شوز کیا بتاتے ہیں؟ یہی تو بتاتے ہیں۔ اسی طرح سے اللہ پاک نے شاہدین کو لگا رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ کی گواہی دینے والے ہیں کہ جائیں گواہی دیں اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے زندگی ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اپنے بارے میں بھی بتایا ہے۔ اور اللہ رب العزت نے کس طرح اس دنیا میں زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی کہ کیسی زندگی گزاریں گے تو زندگی بے قراری میں نہیں گزرے گی۔ فرض کریں کہ کسی کو تیرنا نہ آتا ہو اور کوئی ڈوبنے لگے تو ہاتھ پاؤں مارے گا۔ ہاتھ پاؤں مارنے کی حس بھی اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور کے لوگوں کو اتنا زیادہ دباؤ میں، اتنی زیادہ پریشانی اور ڈپریشن میں مبتلا کیا ہوا ہے وہ اسی لئے کہ جاؤ دیکھو پھر قرار کہاں ہے؟ اور وہ بتاتا ہے کہ:

”کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جب کوئی اسے پکارے“

دعا رزق ہے اور اگر آپ دنیا میں کسی فرد کو دعا کی طرف راغب کرنا چاہیں کہ آپ دعا کرلو تو کوئی دعا کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے؟ جی ہاں کوئی سٹیج ایسی آتی ہے کہ وہ جو نہیں مانتا وہ بھی تیار ہو جاتا ہے، اس کے دل میں بھی گنجائش بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پہچان کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق کے ساتھ یہ جگہ بنتی ہے۔ اصل میں اسماء وصفات کا علم اسی لئے ضروری ہے کہ بندہ اپنے اصل مقام پر آ جائے۔ دعا بندے اور رب کے درمیان بہت پیارا تعلق دعا ہے اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ (البقرہ:186)

”اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو یقینا میں قریب ہی ہوں، میں پکارنے والے کی دُعا قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے تو لازم ہے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ہی ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں۔“

جب بھی کوئی دعائیں کرتا ہے تو وہ دعائیں سنتا ہے اور بندے کو تعلق مل جاتا ہے۔ دعا میں اصل تعلق ہے تو کیا اس نے رزق کے لئے دعائیں سکھائی ہیں:

﴿اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا﴾ ”اے اللہ! ہمیں رزق عطا فرما۔“

کتنی سادہ سی دعا ہے اور جب آپ کہتے ہیں:

﴿وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ (المؤمنون:72)

”اور وہی بہترین رزق دینے والا ہے۔“

تو رزق کے لئے جب بندے کے دل میں اس یقین کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ رزق

دینے والا ہے گنجائش پیدا ہوجاتی ہے تو اس کے ہاتھ اٹھ جاتے ہیں، اس کی زبان کھل جاتی ہے، یہی عقیدہ ہے، یہی ایمان ہے اور یہی دراصل ایمان کا اظہار ہے۔انسان دراصل دعا کے ذریعے سے ہی پلٹتا ہے۔ جب آپ کسی کو رب کا تعارف کروانا چاہیں تو دعا بہت بڑا ہتھیار ہے لیکن دعا بھی وہی کرسکتا ہے جس کے دل کے اندر یقین ہو۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔(آمین)

طالبہ: میں اکثر سوچتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کا طرز زندگی ایسا تھا کہ انہوں نے مال کو ناپسند کیا، ہر چیز وہ خرچ کردیتے تھے، اوران کی ازواج کے پاس ایک ایک کمرہ تھا۔ میں اپنے والدین سے بھی یہی کہتی ہوں کہ میرا دل کرتا ہے کہ ایسی ہی سادہ زندگی ہو۔ لیکن اپنی زندگی میں ہم نے اپنی خواہشات کو بھی ضروریات بنالیا ہے۔ جب لوگوں کو میں یہ بات کہتی ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ وہ اور دور تھا، یہ اور دور ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے جو چاہتے ہیں وہ کچھ اور ہے اور ہم کچھ اور ہیں۔

استاذہ: آج صبح میں سوچ رہی تھی کہ زندگی کی اتنی ضروریات ہم نے بڑھالی ہیں اور آرام کے اتنے عادی ہوگئے ہیں کہ ہمیں فلاں بھی چاہیے اور فلاں بھی تو یہی ہمارے راستے کی رکاوٹیں بھی ہیں۔ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ:

اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو کیوں تنگ حالات میں رکھا؟

کیوں اتنی پریشانیوں میں مبتلا کیا؟

اور کیوں انہوں نے اپنی زندگی میں سادہ طریقے کو اختیار کیا؟

کیونکہ انہوں نے سب رکاوٹوں کو پہچان لیا اور اللہ رب العزت نے انہیں ایسے حالات میں رکھا جو بظاہر پریشانیاں تھیں لیکن اصل پریشانی نہیں تھیں کیونکہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے راستے میں رکاوٹ نہیں تھی۔ دنیا کی زندگی میں بھی یہ سہولیات

ایمان والوں کے لئے رزق ہیں لیکن جو دنیا کے رزق میں الجھ جاتا ہے تو اسے دوسری زندگی کا رزق نہیں ملتا۔ اس لئے حق یہی ہے کہ رزق میں سے اُس زندگی کے رزق کے لئے نکالیں۔ آپ کے پاس علم ہے تو علم کے ذریعے سے، صلاحیت ہے تو صلاحیت کے ذریعے سے آخرت کا رزق کمائیں۔ آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی کوئی بھی چیز ہے، جو کچھ ہے، مال ہے، اولاد ہے، جو چیز موجود ہے اس میں سے حصہ لگائیں۔

کس دنیا میں زیادہ رزق چاہیے؟

اس دنیا کی زندگی کے لئے یا آخرت کے لئے؟

تو آپ جتنا زیادہ اس کو سمجھتے جائیں گے اتنی آسانی ہو جائے گی اور جوں جوں آپ آگے بڑھتے جائیں گے آپ کو سمجھ آتی جائے گی کہ یہ جتنا زیادہ زندگی میں سلسلے پھیلا لیے جائیں اتنا ہی زیادہ دوسری زندگی کے لئے کام کرنے کا وقت نہیں ملتا مجھے رسول اللہ ﷺ کی وہ بات یاد آتی ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے کہی، جب آپ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دن میں دو بار کھاتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”عائشہ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ تمہارا شغل صرف کھانا پینا رہ جائے؟“

یعنی آپ کی مصروفیات صرف یہی ہو جائیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کھائے پیے نہیں۔ ہمارے ابا جان ہمیں کہتے تھے کہ دیکھو وہ کام کر لیں جو لوگوں کو سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ کرنے والا کام ہے اور ان کاموں کو لوگوں سے کروا لیں جو ان کو سمجھ آ رہی ہے کہ یہ ہمیں کرنے چاہئیں اور یہ وہ تب کہتے تھے جب ہماری امی یہ چاہتی تھی کہ ہمیں اچھا کھانا بنانا آئے، اچھا گھر چلانا آئے اور ہمارے والد

صاحب کہتے تھے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی زیادہ پہچان ہو، ان کا علم پختہ ہو، ان کو عمل کرنا آئے اور یہ دنیا میں وہ کام کرنا سیکھ سکیں جو انبیاء نے کیا۔ بس اسی سلسلے میں دنیا کے بھی بہت سارے کام سیکھے اور جو والد نے سکھایا تھا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کا حصہ پھر بھی بڑھ گیا۔

جب میں نے میٹرک کا امتحان دیا تو میرے پاس فرصت کا وقت تھا تو میں نے یہ سوچا کہ ان دنوں میں میں کچھ کورسز کر لیتی ہوں۔ ہر کسی کی سوچ ہوتی ہے کہ فرصت کے وقت میں کچھ نہ کچھ کر لیا جائے تو میں چاہتی تھی کہ میں چمڑے کا کام سیکھ لوں یا کچھ سلائی کڑھائی سیکھ لوں اور اس کے لیے میری ماں نے میرے ذہن کو تیار کیا تھا۔ کافی چیزیں ایسی تھیں جو امی چاہتی تھیں کہ ہمیں ضرور آنی چاہئیں۔ جس وقت میں نے ایڈمیشن لیا تو میرے والد کو اس بات کی بہت زیادہ تکلیف تھی کہ سارا وقت وہاں لگ جائے گا، پھر اپنی اصل زندگی کے لئے وقت کیسے لگائیں گے؟ میں نے تقریباً 30 دن یہ وقت لگایا تھا اور ان تیس دنوں میں مسلسل ہمارے گھر میں ہر روز اس کے اوپر بحث ہوتی تھی کہ ان کاموں کا کوئی فائدہ نہیں ہے، ان کاموں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ کام کرنے نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس کے لئے اپنی زندگی کا اتنا وقت لگا دو گے تو پھر اصل کام کے لئے کب وقت بچے گا؟ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، مغفرت فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دے اور اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ اور انہوں نے ہماری اور دوسرے لوگوں کی حیات کے لئے جو کام کیا اللہ تعالیٰ اس کو بہت برکت والا بنا دے۔ (آمین)

ALNOOR-PUBLICATIONS

اللہ ہمارا رب ہے

اسماء وصفات کے حوالے سے ہم اللہ تعالیٰ کا اسم ''اَلرَّبّ'' دیکھیں گے:

وہ اللہ پاک جو سارے جہانوں کا رب ہے وہی میرا بھی رب ہے۔

اسی نے ساری مخلوقات کو تخلیق کیا

وہی ہر چیز پر تصرف رکھنے والا ہے

وہی ہر چیز پر اختیار رکھنے والا ہے

وہی رب ہے جو سب کا مالک ہے

وہی تو ہے کہ جو چاہتا ہے اس کی چاہت سے ہو جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں ساری مخلوقات جو کچھ چاہتی ہیں وہ نہیں ہو پاتا اور وہی رب ہے جس کی کریم انگلیوں کے درمیان ہمارے دل گھومتے ہیں۔ جیسے نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُ لَيْسَ آدَمِيٌّ إِلَّا وَقَلْبُهُ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللهِ فَمَنْ شَاءَ أَقَامَ وَمَنْ شَاءَ أَزَاغَ﴾

''ہر آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اس نے جس (دل) کو چاہا (دین پر قائم رکھا) اور جس کو چاہا ٹیڑھا کر دیا'' (جامع الترمذی:3522)

وہ چاہے تو اپنی محبت دے دے

وہ چاہے تو اس محبت سے محروم کر دے

وہ چاہے تو ہم اس کی طرف رجوع کر لیں

وہ چاہے تو ہمیں اپنی عبادت کا موقع نصیب کر دے

اور وہ چاہے تو ہم اس سے مدد مانگنے کے قابل ہو جائیں

اس رب کریم نے اپنی پاک کتاب میں فرمایا ہے کہ:

﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ (الفاتحہ:5)

''ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔''

یہ زندگی جو ہمیں ملی ہوئی ہے یہ اس رب کریم نے دی ہے اور اپنے لیے دی ہے۔ اس زندگی میں جو کچھ دیا اسی نے دیا اور ہماری ساری ضروریات کا پورا کرنے والا وہی ہے۔ وہی رب تعالیٰ ہے جس نے ضروریات بھی پیدا کی ہیں یعنی آپ کو جو بھوک لگتی ہے اس بھوک کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ بھوک کا احساس کون پیدا کرتا ہے؟ آپ کے اندر جو کچھ بھی موجود ہے مثال کے طور پر آپ خوش ہوتے ہیں تو کیسے خوش ہوتے ہیں؟

خوشی کا خالق وہ رب کریم ہے

غم کا خالق وہ رب کریم ہے

امید کا خالق وہ رب کریم ہے

جتنے جذبے ہیں ان جذبوں کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور جذبے عطا کرنے والا بھی وہی ہے۔ زندگی بھی اسی کی تخلیق ہے اور موت سے ہم کنار کرنے والا بھی وہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا نام، ایسی صفت ہے جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں سب سے زیادہ بار ہوا ہے، تقریباً 925 مرتبہ یہ صفت قرآن حکیم میں آئی ہے۔

کہیں ﴿رَبَّنَا﴾ کے ساتھ

کہیں ﴿رَبِّیۡ﴾ کے ساتھ

کہیں ﴿رَبَّہٗ﴾ کے ساتھ

اور کہیں صرف ﴿رب﴾ کے نام سے

﴿رَبَّنَا﴾ تو بہت معروف ہے، ہم اسی نام سے اکثر دعائیں مانگتے ہیں اور قرآن حکیم کی دعائیں ﴿رَبَّنَا﴾ کے نام سے ہیں۔

﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب!

یہ وہ انسان کہے گا اور دل سے کہے گا

جو اس کو رب تسلیم کر لے

اس کو مالک مان لے

اس کو خالق مان لے

جب وہ اس پر یقین کر لے گا تو اس کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھیں گے۔ اس لیے اصل کام جو کرنے والا ہے وہ یقین کرنے کے لیے کوشش کرنے کا ہے۔ اور صفت رب کے حوالے سے نبی ﷺ کی یہ بات ہمیشہ میرے دل کو بہت زیادہ پکڑتی ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

﴿ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَّضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ ﷺ رَّسُوْلًا﴾ (مسلم: 151)

”جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر اپنی رضا کا (دل سے) اعلان کر دیا، اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا۔“

تو وہ رب خالق ہے، مالک ہے، یہ تو سب ہی جانتے ہیں لیکن آپ زندگی میں بہت دفعہ تجربہ کر چکے ہوں گے کہ کیا آپ اپنے رب سے راضی ہیں؟ مثلاً اپنے کسی پیارے کی وفات پر آپ پہلے ہی لمحے کیا رب کی رضا پر راضی ہو جاتے ہیں؟ کھو دینے والا جب رب کی ذات پر یقین کرتا ہے تو وہ رب پر راضی ہو جاتا ہے لیکن یہ راضی ہونا آسان معاملہ نہیں ہے۔

رب پر راضی ہونے والا دراصل کیسے راضی ہوتا ہے؟

وہ اپنے رب کی طرف سے طے کردہ اچھی اور بری تقدیر پر راضی ہو جاتا ہے

مثلاً وہ رب رزق دینے والا ہے، تو کیا آپ اس کی رزق کی تقسیم پر راضی ہیں؟

جب وہ دیتا ہے تو سب راضی ہو جاتے ہیں لیکن جب وہ واپس لے لیتا ہے تو کوئی بھی راضی نہیں رہتا۔ کیا آپ عمومی طور پر ایسا رویہ نہیں دیکھتے کہ اس کے دینے پر تو راضی ہیں لیکن کیا لے لینے پر راضی ہوتے ہیں؟ جب وہ کچھ واپس لے لیتا ہے تو اصل میں اس وقت راضی ہونے کا معاملہ اجر کا معاملہ بن جاتا ہے۔ ملنے پر تو سب ہی راضی ہو جاتے ہیں کیوں کہ آسان معاملہ ہے، اگرچہ کوئی رب کو نہ بھی مانتا ہو تب بھی جب اسے کچھ ملتا ہے تو وہ خوش ہو سکتا ہے، راضی ہو سکتا ہے لیکن جب وہ واپس لے لے تو اس موڑ پر کب راضی ہوتے ہیں۔

آپ کبھی سوچ کر دیکھتے ہیں کہ کیا آپ اپنی موت پر راضی ہیں؟

اگر اسی وقت موت آجائے تو اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جائیں گے؟

دراصل انسان جینا چاہتا ہے اور موت اسے پسند نہیں ہے۔ یہ میدان مشقت والا ہے اور اس کے لیے سوچنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے جو کچھ بتایا ہے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے لہٰذا موت کی حقیقت کو سمجھنا ہے تاکہ ہم اپنے رب کریم کی رضا پر راضی ہو جائیں۔ سوچیں اگر انسان کو کبھی موت نہ آئے تو کیا معاملہ ہو گا؟ کتنے ہی معاملات ہیں جو ہمیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی کر دیتے ہیں۔

کتنے لوگ ہیں جن کو موت نہیں آتی تو سارے ان کی موت کے لیے دعائیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ کہ یا اللہ! انہیں موت دے دے، اب انہیں جہان سے جانا چاہیے کیونکہ ان کا جینا کسی طرح سے دوسرے لوگوں کے لیے بھی نفع مند نہیں رہ جاتا۔ حتیٰ کہ ان کا جینا اذیت ناک ہو جاتا ہے اور اگر ان کی زندگی لمبی ہو جائے تو سب ارد گرد والے بھی اذیت میں آجاتے ہیں۔ کیا کوئی ایسا مریض جو ہر وقت تڑپتا ہو اور اسے موت نہ آتی ہو تو کیا اس

کے گھر والے اس کی موت پر راضی نہیں ہو جاتے؟

اس کے لیے تو راضی ہو جاتے ہیں لیکن اپنے لیے کیسے راضی ہوں؟ اس کے لیے محنت چاہیے، غور و فکر کرنا ہو گا، سمجھنا ہو گا اور یہ محنت ساری زندگی کرنی پڑے گی۔ اس وقت ہم کچھ بات چیت تو کر سکتے ہیں لیکن اس کو اپنے لیے نتیجہ خیز آپ خود بنائیں گے۔ آپ کہیں سے کوئی ترکیب پڑھ لیتے ہیں لیکن وہ ترکیب تب فائدہ دے گی جب آپ عملی طور پر اس کو کریں گے ورنہ تو وہ کہیں پڑی رہ جائے گی اور اس کا نفع نہیں ہو گا۔ نفع تو انسان کو تب ہوتا ہے جب وہ نفع اٹھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہونے والے تقدیر کے معاملات پر غور و فکر کریں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کس چیز میں ہے اور ہماری رضا کس چیز میں ہے؟ آپ دیکھیں کہ ایک انسان کی چاہت ہوتی ہے اور ایک اللہ تعالیٰ کی چاہت ہوتی ہے۔ ہر جگہ پر انسان یہ دیکھتا ہے کہ اس کے ساتھ نہیں تو کسی اور کے ساتھ تضاد آ رہا ہوتا ہے۔ انسان کچھ اور چاہتا ہے اور رب کچھ اور معاملہ کرتا ہے۔ کامیاب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کو قبول کر لے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو وہ قبول کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو رب مان لیتا ہے کہ:

وہ میرا خالق ہے

وہی میرا مالک ہے

اور میرے بارے میں اس کا حکم چلتا ہے

﴿مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ﴾ (مصنف ابنِ ابی شیبہ: 29808)

”میرے بارے میں تیرا حکم جاری ہے۔“

اس لیے اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہونا ہے کیونکہ خوش نصیب انسان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہو جاتا ہے۔ ہم اس کو ایک مثال کے ذریعے دیکھتے ہیں مثلاً آپ

کی امی نے آپ کو برا بھلا کہا اور آپ کے مقابلے میں آپ کے بھائی، بہن کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ ہے تو اس موقع پر آپ کا طرز عمل کیا ہوگا؟ عام طور پر کیا ہوتا ہے؟ شکوہ ہوگا اور ماں سے کہیں گے کہ امی آپ ہمیشہ ایسا ہی کرتی ہیں۔ تو ذرا غور کریں کہ یہاں پر دو بڑی غلطیاں ہوئی ہیں۔

پہلی غلطی: تو یہ ہوئی کہ ماں کا ادب نہیں کیا، ماں پر شک بھی کر لیا، ماں کے بارے میں برا کہہ بھی دیا اور غصے کا اظہار بھی کر لیا۔

دوسری غلطی: یہ ہے کہ بدگمان ہوئے، ماں کے بارے میں دل میں بدگمانی آئی، اس کی وجہ سے تلخ کلامی ہوئی، بدکلامی بھی ہو گئی اور ماں کی عزت کا خیال نہیں کیا۔

کون سی چیز ہے جو ہمیں صحیح سطح پر رکھ سکتی ہے؟

ایک سوچ ہے کہ اگر ماں نے یہ سارا طرز عمل رکھا ہے تو یہ ماں کی چاہت نہیں ہے۔ صورت حال کو اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے رکھا ہے، اب مجھے یہ دیکھنا ہے کہ مجھے کیا سوچنا ہے؟ کیا طرز عمل اختیار کرنا ہے؟ جب کوئی آپ کو عزت دے تو آپ رب کی رضا پر راضی ہو جائیں، جب کوئی آپ کو طعنہ دے، ذلت میں مبتلا کرنے کی کوشش کرے، آپ کو رسوا کرے تو آپ ناراض ہو جائیں۔ اپنے آپ کو حق پر سمجھیں چونکہ اس نے مجھے برا بھلا کہا اس لیے اس برا بھلا کہنے پر میرا ناراض ہونا حق ہے یعنی اس نے خود سے فیصلہ کر لیا، کیا ایسا نہیں ہوتا؟ ایک حدیث کے ذریعے ہم اس کو دیکھتے ہیں:

"سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے صحابہ بھی تھے کہ اسی دوران ایک شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ سے الجھ پڑا اور آپ کو ایذاء پہنچائی تو آپ اس پر خاموش رہے، اس نے دوسری بار ایذاء دی، ابوبکر رضی اللہ عنہ اس بار بھی چپ رہے پھر اس نے تیسری بار بھی ایذاء

دی تو ابوبکرؓ نے اس سے بدلہ لے لیا، جب ابوبکرؓ بدلہ لینے لگے تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے، ابوبکرؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ ﷺ مجھ سے ناراض ہو گئے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا تھا، وہ ان باتوں میں اس کے قول کی تکذیب کر رہا تھا لیکن جب تم نے بدلہ لے لیا تو شیطان آ گیا پھر جب شیطان آ گیا تو میں بیٹھنے والا نہیں۔'' (ابوداؤد:4896)

اس حدیث سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب کبھی جھگڑا ہو تو دوسرے کے مقابلے میں فرشتوں کی مدد کو قبول کر لیں اور شیاطین سے بچ جائیں۔ انسان زندگی میں ہر وقت کسی نہ کسی صورت حال میں ہوتا ہے، کبھی کسی کو آپ پر ترجیح دی جا رہی ہے، کبھی آپ کا حق مارا جا رہا ہے، کبھی کوئی آپ کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے، کبھی کوئی آپ کے ساتھ ظلم کا معاملہ بھی کر رہا ہے تو اس موقع پر آپ کس طریقے سے اپنے آپ کو ٹھنڈا رکھیں گے؟

جب آپ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جائیں گے

اس کے بعد کرنے والا طرزِ عمل بھی ہوتا ہے جیسے آپ ظلم کے معاملے میں ہمیشہ خاموش نہیں رہ سکتے۔ ظلم کی بھی تو کئی صورتیں ہوتی ہیں مثال کے طور پر کسی نے بہت برا بھلا کہا یعنی اتنی زیادہ بے عزتی کی اور اتنا زیادہ رسوا کرنے کی کوشش کی تو زیادتی تو اس کی ہے جیسے رب العزت نے فرمایا:

﴿لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا﴾ (النساء:148)

''اللہ تعالیٰ بُرائی کی بات کے ساتھ آواز بلند کرنا پسند نہیں کرتا مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ سُننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اس کا مطلب ہے کہ جس پر ظلم ہوا ہے اسے زبان کھولنے کی اجازت ہے لیکن کتنی؟

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ان کا ایک لحاف چرا لیا گیا تو وہ اس کے چور کو برا بھلا کہنے لگیں تو رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے: ”کیوں چور کا بوجھ ہلکا کرتی ہو“۔ (ابوداؤد:1497)

یعنی ایک بار تو برا بھلا کہہ دیا اب آگے تمہارا حق نہیں ہے لیکن انسان کیا کرتا ہے؟ ایک بار کسی نے برا بھلا کہا تو زندگی بھر اسے برا بھلا کہنے کا لائسنس لے لیتا ہے کہ چونکہ اس نے مجھے برا بھلا کہا تھا اب میں اس کے برا بھلا کہنے پر اسے سب کچھ کہہ سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ انسان کسی کو برا بھلا کہے۔ ہاں اگر کوئی زیادتی کر رہا ہے اور اس کے جواب میں کسی نے برا بھلا کہہ لیا تو اس کی اجازت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں ہے۔ اس کے بارے میں چھٹے پارے کے آغاز میں ہی رب العزت نے فرمایا اور مجھے یہ آیت بہت پیاری لگتی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات ہیں وہ بہت زیادہ توجہ طلب ہیں، غور طلب ہیں۔ جب کوئی حکم پڑھیں اس کے ساتھ کی صفات پر ضرور غور کیا کریں کیونکہ وہ صفات آپ کے طرز عمل کو بالکل صحیح متعین کر دیں گی۔

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا﴾ (النساء:148)

”اللہ تعالیٰ بُرائی کی بات کے ساتھ آواز بلند کرنا پسند نہیں کرتا مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ سُننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“

یعنی یا تو آپ بدلہ لے لیں یا اللہ تعالیٰ کو بدلہ لینے دیں لیکن آپ کہتے ہیں کہ خود ہی بدلہ لیں گے، تو اس کا کیا مطلب ہے؟ یعنی آپ یہ یقین نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ میرا بدلہ لے لے گا۔ آپ کہتے ہیں کہ یہ بدلہ تو میں نے خود ہی لینا ہے، یہ میری زندگی ہے تو اپنی زندگی میں سارے کام میں نے خود ہی کرنے ہیں اسی وجہ سے غلطی ہو جاتی ہے۔ لیکن اللہ رب العزت آیت کے آخر میں اپنی کن صفات کا تذکرہ کرتا ہے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا﴾

''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ سُننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

توجب کبھی آپ کے ساتھ کوئی برائی کا معاملہ کرے تو اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر غور وفکر کریں کہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو کیا وہ اپنے علم کی وجہ سے جزا سزا کے دن پر اس کا حساب کتاب نہیں لے گا؟ ضرور لے گا، لہٰذا میں اب صبر کرلوں اور اس کا معاملہ اپنے رب العزت پر چھوڑ دوں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ النساء میں فرمایا ہے:

﴿اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا﴾ (النساء:149)

''اگر تم نیکی اعلانیہ کرو یا اسے چھپا ؤ یا کسی برائی سے درگزر کرو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بہت معاف کرنے والا، پوری قدرت رکھنے والا ہے۔''

جب کوئی برا بھلا کہتا ہے اور انسان درگزر کرتا ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بڑی قدرت رکھنے والا اور رحم کرنے والا ہے تو وہ بھی درگزر کر دیتا ہے۔ لیکن خرابی کہاں آتی ہے؟ جب انسان کو دوسروں کی خرابی نظر آتی ہے۔ انسان دراصل اس بات پہ یقین نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ بڑی قدرت رکھنے والا ہے، معاف کرتا اور وہ معافی کو پسند کرتا ہے۔ آپ قرآن حکیم کو اس نقطہ نظر سے پڑھیں گے کہ آپ نے قرآن پر عمل کرنا ہے تو قرآن حکیم عمل کے لیے سب سے زیادہ موثر کتاب ہے کیونکہ ہر جگہ پہ ذہن سازی ہے کہ کس نظر سے آپ کام کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سمیع وعلیم ہے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی سماعت کا واسطہ دے کر سوال کریں، اس کے علم کا واسطہ دے کر اس سے سوال کریں، توسل (وسیلہ) اختیار کریں۔ آپ اس سے کہیں، اس سے دعا کریں کہ یا اللہ! تو نے سب کچھ سن لیا ہے، تو سمیع ہے، تو علیم ہے، تو ان سارے

حالات کو جانتا ہے۔ یا اللہ! میں اپنے اس معاملے کو تیرے حوالے کرتی ہوں،اس کا بدلہ تو خود لے لینا۔جب آپ کہتے ہیں کہ میں یہ تو نہیں چاہتی کہ میں بدلہ لوں، اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دیں،اللہ تعالیٰ ان سے برا معاملہ کریں،تو پھر آپ معاف کر دیں۔لیکن نہ تو آپ معاف کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔

پھر آپ کا یقین کس پر ہے؟

رب پر نہیں بلکہ اپنی ذات پر

آپ کہتے ہیں میں نے خود ہی سب کچھ کرنا ہے،پھر سوچتے ہیں اچھا چلو چپ کر جاتے ہیں اور آپ اسے کہتے ہیں کہ میں نے صبر کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ صبر نہیں ہے۔یا تو آپ معاف کر دیں،دل میں نہ رکھیں یعنی درگزر کر دیں اور دل میں خیال بھی نہ لائیں یا اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں کہ اللہ تعالیٰ خود اس کا بدلہ لے لیں گے۔لیکن بہتر کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو تو معافی پسند ہے،لہٰذا معاف کر دیں اور خود اللہ رب العزت سے معافی مانگیں۔رسول اللہ ﷺ نے کتنی پیاری دعا سکھائی ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي﴾

”اے اللہ تو بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے مہربان ہے،معافی کو تو پسند کرتا ہے مجھے معاف فرما دے۔“ (جامع ترمذی:3513)

معافی کی توفیق بھی تو اللہ تعالیٰ ہی دے گا

یا اللہ! اس کے بدلے میں تو مجھے معاف کر دینا

یا اللہ! تو درگزر کرنے والا ہے، مجھے بھی معافی کی توفیق دے دینا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے چور کو برا بھلا کہا تھا تو کوئی اپنے دل سے اس بات کو کیسے نکالے کہ کسی نے چوری کر لی؟ ایسا فرد تو سمجھتا ہے کہ میں چور کو برا بھلا کہوں تو چور واپس کر دے

گا لیکن چور کیسے واپس کرے گا اس کو پتہ ہے کہ مجھے برا بھلا تو کہنا ہی ہے۔لیکن ایسے موقع پر اگر کسی نے ایک بار برا بھلا کہہ دیا تو بدلہ اتر گیا۔ اب آپ سوچیں کہ کسی کے گھر میں چوری ہو،ڈاکہ پڑے تو ایسے موقع پر کیا کریں؟ رپورٹ درج کروائیں؟ پھر ایسے موقع پر کتنے لوگ آتے ہیں جو اس کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں۔جب کوئی آپ کو تسلی دینے کے لیے آتا ہے اور آپ نئے سرے سے چور کی ساری واردات کو دہراتے ہیں لہٰذا ہر بار جب نئے سرے سے ساری باتیں ہوتی ہیں تو چور کا بوجھ تو دنیا میں ہی ہلکا ہو گیا۔

جو اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق اور مالک مانتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اپنا آقا، اپنا سیّد مانتا ہے، جو یہ جانتا ہے کہ وہ رب عظیم میرا بدلہ لے سکتا ہے، جو یہ جانتا ہے کہ وہ رب پوری قدرت رکھنے والا ہے تو وہ اپنا معاملہ اس کے حوالے کر دیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہونے والی بات ہے۔اب آپ کی زندگی کے جتنے بھی معاملات ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو اپنی عملی زندگی میں لاکر دیکھیے جہاں پر آپ رب کی بات پہ راضی نہیں ہوتے۔ اور اگر آپ اسے کھولیں گے،غور و فکر کریں گے تو ہر جگہ پر آپ ناراض نظر آئیں گے کیونکہ آپ نے ابھی اپنی زندگی کی اصلاح اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق کی نہیں ہے۔ابھی آپ اسے پڑھ رہے ہیں، اس کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن عمل میں لانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کار پر عمل نہیں کر پا رہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کار کو اختیار کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا طریقہ کار کیا ہے؟

ہر جگہ پر کوئی نہ کوئی صفت ہو گی، کوئی نام جس کو آپ نے ذہن میں رکھنا ہے۔اللہ تعالیٰ کے کسی نام کے بغیر آپ برائی سے نہیں نکل سکتے اور نہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو رب ماننے والا وہ ہے جو رب کی رضا پہ راضی ہو جاتا ہے۔

کسی فیملی میں وراثت کی تقسیم کا معاملہ پیش آیا جب ان کے والد کا انتقال ہو گیا اور پراپرٹی تقسیم ہوئی تو بھائیوں نے بہنوں کو کہا کہ آؤ عدالت میں چلو اور دستخط کر دو کہ مجھے یہ جائیداد نہیں چاہیے۔ اور اگر آپ نے یہ دستخط نہ کیے تو زندگی بھر کے لیے تعلق ختم ہو جائے گا۔ ہماری سوسائٹی میں ساری بہنیں عدالت میں جا کر دستخط کر دیتی ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پہ راضی نہیں ہیں۔ انہیں اپنے بھائی کی رضا چاہیے اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں چاہیے لہٰذا وہ جائیں گی اور دستخط کر دیں گی پھر بعد میں ساری زندگی گھلتی رہیں گی، کڑھتی رہیں گی کہ میری اتنی جائیداد تھی جو بھائیوں نے لے لی۔

جب کہ بھائی مطمئن ہیں کہ ساری زندگی بہنوں کو پڑھایا لکھایا، شادی بھی کی اور شادی کے موقع پر چیزیں بھی دے دیں تو اب ان کا کون سا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ حصہ تو موت کے بعد ہوتا ہے، جب والد کی وفات ہوگئی اور جو ترکہ چھوڑا وہ سب کا ہے۔ اب اس ترکے میں بزنس ہے، گھر کا سامان بھی ہے، منقولہ اور غیر منقولہ ساری جائیداد اس میں آجاتی ہے۔ بزنس کو اگر بھائی دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بہنوں نے محنت نہیں کی لہٰذا زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ محنت کا حصہ الگ کر لیں۔ لیکن جب تک آپ اس جائیداد کو بانٹیں گے نہیں تو اس میں جتنا بھی اضافہ ہوگا وہ سب کا ہے اور اسی کے مطابق تقسیم ہوگی۔ ماں کہتی ہے کہ میں اپنے بیٹوں سے کیسے کہوں کیونکہ بیٹے ناراض ہو جائیں گے، تو کیا وہ رب کی رضا پر راضی ہے؟

آپ عمل میں دیکھیے، زندگی میں دیکھیے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں یا نہیں؟ بلکہ آپ کے اندر انسانوں کے سامنے حق بیان کرنے کی جرأت نہیں ہے۔ ماں کے اندر جرأت نہیں ہے کیونکہ شوہر کے انتقال کے بعد وہ بظاہر بیٹوں کے آسرے پر ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اگر بیٹوں سے کہا تو یہ گھر سے نکال دیں گے اور تعلقات خراب ہو جائیں گے۔ پھر زندگی کیسے گزرے گی، بیٹیوں کے حق کے لیے وہ یہ کام کرتی ہے کہ ان کو کہتی ہے چلو بیٹا اب

تعلقات تو رکھنے ہیں ورنہ بھائی ناراض ہوجائیں گے لہٰذا تم اپنا حصہ چھوڑ دو۔ کچھ مائیں کہتی ہیں کہ کون سا حصہ؟ وہ تو تب تھا جب باپ فوت ہوا تھا، اب تو باپ کو فوت ہوئے اتنے زمانے گزر گئے اب کون سا حصہ رہ گیا ہے، وہ تو اتنے عرصے میں کھا کے ختم کر دیا۔ کیا بیٹیوں نے ہی زیادہ کھایا تھا، بیٹوں نے نہیں کھایا! اگر بیٹے بڑے تھے تو ان کی فیملیاں آئیں اور انہوں نے بھی اس میں سے کھایا۔ کب حساب کتاب کیا؟ کب یہ سوچا کہ ان بہنوں کا حصہ تھا؟ یہ حقیقت ہے کہ:

ہماری سوسائٹی وراثت کے معاملے میں رب کی تقسیم پر راضی نہیں ہے

پھر ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے کہ سود نہیں کھانا۔ اگر کھاؤ گے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ لوگ کہتے ہیں ٹھیک ہے جب جنگ ہو گی تو دیکھی جائے گی لیکن اب تو ہماری مجبوری ہے لہٰذا سودی کاروبار جاری رہتا ہے۔ اسی طرح سے کتنے لوگ ہیں جو میوزک کے معاملے میں رب کی رضا پر راضی نہیں ہیں۔ کسی نے مجھے بتایا کہ میرے شوہر بڑے دین دار ہیں لیکن میں جب ان سے یہ کہتی ہوں کہ آپ میوزک تو سنتے ہیں جب ٹی وی لگا کر بیٹھے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ میں تو خبروں کے لیے لگا کر بیٹھا ہوں یہ تو خود ہی لگتا چلا جا رہا ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ بھئی آپ بند کر دیں کیونکہ جب آپ اپنی مرضی سے بیٹھ کر میوزک سنیں گے تو اس کا مطلب ہے کہ میوزک کے حکم کے بارے میں آپ رب کی رضا پہ راضی نہیں ہیں بلکہ آپ اپنے آپ کو مجبور سمجھ رہے ہیں کہ اب یہ لگا ہوا ہے تو میں سن رہا ہوں۔

اسی طرح جب لوگ سفر کرتے ہیں یا کسی جگہ خریداری کرنے کے لیے جاتے ہیں اور میوزک لگا ہو تو کئی چیزیں انسان کے بس میں نہیں ہوتیں۔ لیکن مسلمان سوسائٹی میں آپ کسی بھی جگہ پر جا کر اس کا احتجاج تو ریکارڈ کروا سکتے ہیں۔ انہیں بتائیں جن کے لیے آپ

یہ میوزک لگانا چاہتے ہیں وہ نہیں سننا چاہتے۔ اگر آپ کا جانا مجبوری ہے تو کم از کم دل سے تو برا جانیں، اس سے نفرت کا اظہار تو کریں۔ لیکن اگر آپ کہتے ہیں کہ ویسے تو نہیں سن سکتے تھے اب یہاں لگا ہوا ہے تو اسی بہانے چلو ہم بھی تھوڑا سا فیض یاب ہو جائیں تو ظاہر ہے آپ بھی اتنے ہی گناہ گار ہیں۔ آپ اپنے دل سے پوچھیں کہ:

دل کیا کہتا ہے؟

دل کس چیز پر راضی ہے؟

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر یا فرماں برداری پر!

یہ بات تو طے شدہ ہے کہ:

جو رب کی فرمابرداری کرتا ہے وہ اس کی رضا پر راضی رہتا ہے

اور جو رب کی نافرمانی کرتا ہے وہ اس کی رضا پر راضی نہیں ہے

آپ دیکھیں جیسے حجاب کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں بڑے شکوک وشبہات ہیں مثلاً

چہرے کا پردہ ہے یا نہیں!

رشتے داروں سے پردہ ہے یا نہیں!

دیور، جیٹھ یا بہنوئی سے پردہ ہے یا نہیں!

شادیوں کے موقع پر پردہ کرنا ہے یا نہیں!

کیا شادی کے موقع پر دین بدل جاتا ہے؟

اس موقع پر کون سی دلیل لے کر آئیں گے؟

شادی میں شرکت تو کرنی ہے ورنہ رشتے دار ناراض ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ ہی نے تو رشتے داروں کے حقوق مقرر کیے ہیں لیکن یہ ضرور سوچیں کہ حقوق مقرر کیے ہیں انہیں رب

تو مقرر نہیں کیا ہوا۔ پھر زندگی میں کتنے مواقع آتے ہیں جہاں پر احکامات کو دیکھیں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ رب کی رضا پر کتنا راضی ہیں؟ جیسے سارے لوگ ایک دوسرے کو Whatsapp پر اپنی تصویریں بھیجتے ہیں اور DP پر بھی لگا رکھی ہیں تو دل میں آتا ہے کہ جو مشترکہ گروپ ہیں اس میں تو نہیں لگاتے لیکن جو آپس کی دوستی کے گروپ ہیں وہاں تصویر لگانے میں کیا حرج ہے۔ شادی کے موقع پر صرف فلاں کے لیے تصویر کھینچی تھی اور اس کو بھیج دی۔

گورنمنٹ نے صاف اعلان کیا ہوا ہے کہ Whatsapp پر کوئی چیز محفوظ نہیں ہے اور کسی بھی چیز کو Whatsapp سے لیا جاسکتا ہے۔ تمام چیزیں، تمام گفتگو، تمام تصویریں ہر ایک چیز دیکھی جاسکتی ہے۔ تو جو حجاب کیا تھا وہ کہاں گیا؟ پھر کہتے ہیں چلو کوئی بات نہیں اب ختم کردیں گے اور دوسرے لوگوں سے بھی کہا جاتا ہے کہ ختم کردیں۔ آپ کے پاس سے تو ختم ہوگئی ہیں لیکن ضروری نہیں ہے کہ وہاں سے بھی ختم ہوجائیں۔

اچھے بھلے دین دار لوگوں کو بیماری لاحق ہوگئی ہے کہ فیس بک پر سارے خاندان کی تصویریں لگا دیتے ہیں۔ بڑے پردہ کر رہے ہیں لیکن بچے سب کی تصویریں کھینچ کھینچ کر فیس بک پر لگا رہے ہیں اور سب Upload کرتے ہیں اور بعد میں کہتے ہیں کہ میری تصویر بھی غلطی سے لگ گئی تھی، دراصل میرے بچے نے لگا دی تھی۔ بچے نے لگائی ہے تو آپ ختم کردیں، آپ کو پتہ بھی ہے لیکن ختم نہیں کرتے اور بچوں کی رضا کے لیے اپنے رب کو ناراض کر لیتے ہیں۔

آپ زندگی میں سے ایک ایک چیز کو دیکھیں، اپنے اخلاق کے حوالے سے دیکھیں، معاملات کے حوالے سے دیکھیں، اللہ تعالیٰ کے احکامات کے حوالے سے دیکھیں کہ کہاں پر آپ رب تعالیٰ کی رضا پر راضی ہیں اور کہاں راضی نہیں ہیں، کتنے فی صد راضی ہیں۔

اگر آپ اللہ تعالیٰ کو رب مانتے ہیں

اس کی رضا پر راضی ہیں

اس کو راضی کرنا چاہتے ہیں

تو آج حساب کتاب کر لیں ورنہ کل جب حساب کتاب ہوگا تو بڑا تلخ ہوگا، کہیں دھوکے ہی میں نہ رہ جائیں۔ اس سوچ کے ساتھ جب رب تعالیٰ کوئی حکم دے، جب وہ کوئی بات کہے تو انسان اس کی بات ماننے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، خوش ہو جاتا ہے۔ اپنے رب کریم کی اطاعت کرتا ہے اور اس کی پسند و ناپسند کا خیال رکھتا ہے۔

رب کی رضا کو دیکھیں

احکامات میں

رب کی رضا کو دیکھیں

تقدیر کے فیصلوں میں

جب اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ لے لیتا ہے تو کیا دونوں اوقات میں رب کی رضا پر راضی ہوتے ہیں۔ جب کبھی کوئی صبر نہیں کر پاتا تو پیچھے جا کر بیماری دیکھیں گے کہ کیوں وہ رب کی رضا پر راضی نہیں ہوتا۔ صبر نہ کرنے والا رب کی رضا پر راضی نہیں ہوتا، چاہے کسی کی وفات ہو جائے، چاہے کسی کو نقصان پہنچے، مالی نقصان پہنچے یا کسی اور نوعیت کی کوئی تکلیف آئے یعنی بیماری وغیرہ۔ اور جو اپنے رب سے راضی ہوتا ہے وہ اس کے دین سے بھی راضی ہوتا ہے اور اس کے رسول سے بھی راضی ہوتا ہے۔

دین سے راضی ہونے سے مراد یہ ہے کہ دین میں جتنے بھی احکامات ہیں وہ اس کے لیے سب سے زیادہ مفید ہیں اور ساری سوسائٹی کے لیے مفید ہیں۔ راضی ہونے والے کو یہ یقین رکھنا چاہیے اور اس یقین کے بغیر وہ راضی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی

ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جونہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ اگر اللہ رب العزت کے اختیار، اس کے اقتدار، اس کی قوت اور اس کی طاقت کو کوئی تسلیم نہیں کرتا تو اس کی تقدیر پر راضی نہیں ہوتا۔ کائنات کا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر حرکت کر سکے۔

کوئی اور ایسا نہیں جو نفع پہنچا سکے

کوئی اور ایسا نہیں جو نفع کو روک سکے

کوئی اور ایسا نہیں جو نقصان پہنچا سکے

کوئی اور ایسا نہیں جو نقصان سے بچا سکے

رب وہی ہے جو مالک ہے، جو خالق ہے، جو قوت والا ہے، جو اختیار والا ہے، وہ جو چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ اس لیے ہم سے جو مطالبہ کیا گیا وہ یہ ہے کہ:

ہم رب کی بات مان لیں

ہم رب کے آگے جھک جائیں

ہم اس رب کی غلامی اختیار کر لیں

انسان کے قدم توحید ربوبیت پر تب جم سکتے ہیں جب وہ توحید الوہیت کا قائل ہو جائے، جب وہ اللہ تعالیٰ کو ایک مان لے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کو ایک معبود مان لیتا ہے تو اس کا دل اس سے متعلق ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سب سے پہلے توحید الوہیت کا ذکر کیا ہے اور پھر توحید ربوبیت کا ذکر کیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔

”بِسۡمِ اللهِ   اللہ کے نام سے“

تو یہ توحید الوہیت ہے، پھر اس نے اپنی رحمت کا تذکرہ کیا، پھر اپنی حمد کا مطالبہ کیا اور اس کے بعد یہ مطالبہ کیا کہ سب اس کو رب تسلیم کر لیں۔ آپ نے جب کبھی صفت رب پر غور کرنا ہے تو اس بات کو نہیں بھولنا کہ صفت رب پر یقین الوہیت کے بعد آئے گا۔ آپ

کی زندگی میں ''بِسۡمِ اللّٰہ'' آئے گا تو اس کے بعد ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہ'' آئے گا۔آپ اسے رب العالمین مانیں گے، جہانوں کا رب مانیں گے۔ ہر چیز کی ایک ترتیب ہوتی ہے لہٰذا اس ترتیب کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔اللہ رب العزت نے جب ہم سے یہ مطالبہ کیا کہ ہم اس کی غلامی کریں، اس کی عبادت کریں تو اس نے یہ حکم دیا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ وَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ﴾

''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور اُن لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے۔'' (البقرہ:21)

اس کے بعد کیا مطالبہ کیا؟ اس آیت میں آخر میں کیا آتا ہے؟

﴿لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ﴾ (البقرہ:21)

''تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''

انسان سے جو سب سے زیادہ مطلوب رویہ ہے اور جو کیفیت انسان کے اندر ہر وقت مطلوب ہے وہ تقویٰ کی ہے۔تقویٰ کی کیفیت کیا ہے؟ کہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ سے متعلق رہے اور کسی بھی معاملے میں اللہ تعالیٰ کی مانتے ہوئے اس سے ثواب کی امید رکھے اور جہاں سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اس سے رکتے ہوئے اس کے عذاب کا خوف رکھے، یہ ہی تقویٰ کی کیفیت ہے۔اس کے بغیر اگر کوئی اپنے آپ کو متقی سمجھے اور کہے کہ وہ ثواب کی امید نہیں رکھنا چاہتا، عذاب کے خوف سے نہیں صرف اللہ رب العزت کے لیے ہر کام کرنا چاہتا ہے تو یہ اس کا اپنا ذاتی فارمولا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتے ہیں کہ اس سے ثواب کی امید کے ساتھ کام کیے جائیں۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کو اپنا رب بنانا ہے، اس کی ربوبیت پر، اس کی تخلیق پر، اس کی ملکیت پر، اس کے اقتدار پر اور اس کے تصرف پر غور کرنا ہے۔اگر کسی معاملے میں آپ کا دل مطمئن نہ ہو، آپ کا دل نہیں مان رہا تو اس وقت اپنے آپ کو پیغام دینا شروع کریں کہ

میرا رب تو وہ ہے:

جو میرا دل اسی وقت بند کر سکتا ہے
اس کا میری ذات پر اتنا اختیار ہے
وہ چاہے تو میری آنکھیں موند دے
پھر کون مجھے بصارت لا کر دے گا؟
مجھ سے سننے کی صلاحیت چھین لے
تو کون ہے جو مجھے سنوائے گا؟

میرے ایک ایک حصے پر اس کا اختیار ہے اور میں بے اختیار ہوں۔ جب دینے والا وہ ہے، بنانے والا وہ ہے تو اس کو چلانا بھی اس کے حکم کے مطابق ہے جیسے وہ چاہے گا۔ یہ غور و فکر آپ کو رب عظیم کے سامنے جھکانے کے لیے تیار کر دے گا اور اس رب کے نام سے اس سے دعائیں کیجئے، ان دعاؤں کو سیکھئے۔ اور کتنی پیاری چیز ہے جو اللہ پاک نے اپنی کتاب کے آغاز میں ارشاد فرمائی:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الفاتحۃ:1)

”سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔“

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو رب نہیں بنانا اس لیے کہ کوئی اور یہ حق نہیں رکھتا۔

پھر سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (الانعام:161)

”آپ کہہ دیں: ”میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھلائی ہے کہ وہ ایک مضبوط دین ہے، ملت ابراہیم ہے جو ایک ہی طرف کے تھے، مشرکوں میں سے نہ تھے۔“

پھر کون ہے جو اس کے سوا یہ حق رکھتا ہو کہ ہم اس کو پکاریں؟ پھر اللہ تعالیٰ نے مطالبہ کیا ہے۔

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

''آپ کہہ دیں: ''بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔'' (الانعام:162)

اب اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کیا ہے؟

﴿لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ (الانعام:163)

''اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔''

اور پھر بہت اہم آیت ہے۔

﴿قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ (الانعام:164)

''آپ کہہ دیں: ''کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے؟'' اور کوئی جان نہیں کماتی (گناہ) مگر اسی پر ہے (وبال) اور کوئی بوجھ اُٹھانے والی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی، پھر تمہارے رب کی طرف ہی تمہارا لوٹنا ہے، چنانچہ وہ تمہیں اُس کے بارے میں بتائے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔''

پھر میں کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے سوا رب کیسے بنا لوں؟ وہی تو میرا رب ہے، اسی نے مجھے ہدایت دی ہے، اسی نے مجھے دین قیم، مضبوط دین دیا ہے۔ آپ دیکھئے دنیا میں انسان

کو یہی مشکل پیش آتی ہے کہ اپنی بات، اپنی ذات، سب کچھ کیسے جھکا دوں؟ اپنی بات کو کیسے چھوڑ دوں؟ جو دل میں آئی ہے وہ کیسے چھوڑ دوں؟ آپ کہتے ہیں عین موقع پر دلیل نہیں ملتی تو دلیل بڑی مضبوط ہے۔

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (التکویر:29)

''اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔''

پھر آپ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی چاہت کیا ہے؟ جب ہونا اللہ تعالیٰ کی چاہت سے ہے اور میرا ابھی کوئی عمل قبول نہیں ہوگا جب تک کہ اللہ تعالیٰ نہ چاہے پھر اس کی پسند اختیار کر لیں۔ تو زندگی میں کرنے والا کام یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی پسند کو اختیار کر لیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اس کی توفیق عطا کر دے (آمین)۔

رب وہ ہے جو پوری قدرت رکھتا ہے، اس کی قدرت کو یاد کریں۔ رب وہ ہے جو پہلی بار پیدا کرنے والا ہے تو وہی دوسری بار بھی پیدا کر سکتا ہے لہٰذا جو پیدا کرنے والا ہے اس کی مان جائیں کیونکہ ہر چیز کو بنانے والا ہی حق رکھتا ہے کہ وہ اس کے بارے میں فیصلے کرے۔ اور وہ مصور ہے، صورت گری کرنے والا ہے، اسی نے میری صورت بنائی ہے، وہ چاہے تو میری صورت بگاڑ سکتا ہے۔

وہ الحی ہے، ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، جو سدا زندہ رہنے والا ہے اس سے کیسے دعا کریں؟ جیسے مامون نے دعا کی تھی، جب اس کی موت کا وقت آیا تو وہ تخت کو چھوڑ کر زمین پر بوریا بچھا کر لیٹ گیا اور اس نے کہا کہ اے وہ جس کی بادشاہت لازوال ہے اس پر رحم کر دے جس کی بادشاہت جا رہی ہے۔ اپنی ذات کی حقیقت کو تسلیم تو کرنا پڑتا ہے۔ اس رب کے مقابلے میں اپنی ذات کی حقیقت کو دیکھیے، جب اپنی ذات کی حقیقت کو دیکھیں گے تو آپ کے لیے اس کے سامنے جھکنا آسان ہو جائے گا۔

اور وہی القیوم ہے قائم رہنے والا ہے اور قائم رکھنے والا ہے۔ اسی سے ہر چیز کے قائم رہنے کے لیے دعا کریں، چاہے رشتوں کی بقا کے لیے دعا کرنی ہو، چاہے اپنے آپ کو دین پر ثابت قدم رکھنے کے لیے دعا کرنی ہو جیسے رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے:

﴿يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ﴾

''اے زندہ رہنے والے، اے قائم رہنے والے میں تجھ سے تیری رحمت کی فریاد کرتا ہوں۔'' (ترمذی)

اسی طرح سے آپ ﷺ ایک اور دعا کرتے تھے:

﴿يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ﴾

''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔'' (ترمذی)

﴿مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ﴾ کون ہے؟

وہ جو ﴿حَيُّ الْقَيُّومَ﴾ ہے

وہ ﴿اَلْعَلِيْمَ﴾ ہے، سب کچھ جاننے والا ہے

﴿اَلسَّمِيْعُ﴾ ہے، سب کچھ سننے والا ہے

﴿اَلْبَصِيْرُ﴾ ہے، ہر چیز کا دیکھنے والا ہے

یہ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کے حوالے سے موقعے کی مناسبت سے سوچنے والے مختلف زاویے ہیں۔

وہ ﴿اَلنَّافِعُ﴾ ہے، نفع دینے والا

﴿اَلْمُنْعِمُ﴾ ہے، انعام کرنے والا

﴿اَلْمَانِعُ﴾ ہے، منع کر دینے والا

﴿اَلضَّارُّ﴾ ہے، ضرر پہنچانے والا

﴿اَلْمُعْطِیْ﴾ ہے، عطا کرنے والا

﴿اَلْجَوَادُ﴾ ہے، سخاوت کرنے والا

﴿اَلْمُحْسِنُ﴾ ہے، احسان کرنے والا

کوئی نفع نہیں دے سکتا جب تک کہ وہ نہ چاہے، کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ وہ نقصان نہ دینا چاہے۔ موقع پر اقرار کرنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ انسان عین موقع پر بھولتا ہے۔ اس لیے کہ اس نے اپنا علاج موقع سے پہلے نہیں کیا ہوتا۔ موقع سے پہلے غور وفکر کرنے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کامیاب ہو جاتا ہے۔

اور وہ ﴿اَلْمُقَدِّمُ﴾ ہے، آگے کر دینے والا

وہ ﴿اَلْمُؤَخِّرُ﴾ ہے، پیچھے کر دینے والا

وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے خوش نصیب بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بد بخت بنا دیتا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں ساری بھلائیاں ہیں لہٰذا اسی کے آگے دعا کریں۔ اور دعا ﴿رَبَّنَا﴾ کے الفاظ سے کریں۔

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتة وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (سورۃ الاعراف:23)

”اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پہ ظلم کیا ہے اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا ہم پہ رحم نہ کیا تو ہم خسارے میں مبتلا ہو جائیں گے۔“

وہ تو شخصیت کی پھٹن تھی، لباس اتر گئے تھے اور یہ جان لیا تھا کہ کوئی بچانے والا نہیں اور کوئی ایسا نہیں جو ہماری اس موقع پر مدد کر سکے۔ اسی یقین کے ساتھ آدم علیہ السلام کے ہر بچے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو جھکانا چاہیے۔ مغفرت بھی اسی سے مانگنی ہے جو رب ہے اور

نفع بھی اسی سے مانگنا ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔ ہر ایک کو عزت اور ذلت کی فکر لاحق رہتی ہے تو اس بات پر یقین کیوں نہیں کرتے کہ عزت اور ذلت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، کیا اس نے خبر نہیں دی؟

﴿وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ﴾ (آل عمران:26)

''تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔''

لفظی طور پر تو مان لیتے ہیں لیکن عملی طور پہ بھول جاتے ہیں۔ خدا رخی سوچ رکھیں کیونکہ اس رب کی طرف سوچ کا رخ رکھیں گے تو ان شاء اللہ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی نفع پائیں گے۔ وہ رب ہے دینے والا اور دینے کے بعد چھین لینے والا بھی کیونکہ وہ ﴿اَلضَّارُ﴾ ہے، ضرر بھی اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب کسی کی بات سے ضرر پہنچتا ہے تو رب عظیم کی طرف لوٹا دیں۔ دنیا میں ایک انسان جو رویہ اختیار کرتا ہے اس رویے پر یا تو اس کے لیے جزا ہے یا سزا۔ جب برائی کرے گا تو سزا ہے اور جب بھلائی کرے گا تو جزا ہے۔ اس لیے دوسروں کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں۔ کوئی چیز برداشت نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں، اللہ تعالیٰ برداشت کروائے گا (ان شاء اللہ)۔

اس بات پر یقین رکھیں کہ عزت اور ذلت کا وہی مالک ہے۔ شیطان انسان کے ذہن سے یہ چیز غائب کرتا ہے اور اس طرف رخ ہی نہیں جاتا۔ وہ سمیع و علیم ہے، وہ قدیر ہے، وہ بدلہ لینے پہ قدرت رکھتا ہے۔ آپ اپنا معاملہ اس کے حوالے کر دیں جو قادر مطلق ہے، جب کہ ہم قادر نہیں ہیں۔ جب آپ اس کے حوالے کریں گے تو ٹھنڈے ہو جائیں گے۔

جب آپ قبر میں اتریں گے تو پہلا سوال یہی ہوگا:

تیرا رب کون ہے؟

زندگی میں تو اس کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں۔ جس کے بارے میں کبھی غور و فکر ہی نہیں کیا اس کے بارے میں سوال ہوگا۔ پھر پوچھا جائے گا کہ:

تیرا رسول کون ہے؟

تیرا دین کیا ہے؟

سوچیں کیا جواب دیں گے؟ اور دنیا میں بھی اسے ایمان کی مٹھاس ملے گی جو یہ کام کرے گا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ذَاقَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ مَنْ رَّضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ ﷺ رَّسُوْلًا﴾ (مسلم:151)

''اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہو گیا، اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی اور رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو راضی کر دیں اور ہم اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین پر دل سے راضی ہو جائیں (آمین)۔

اے زندہ رہنے والے

اے قائم رہنے والے

شکر ہے اس ذات کا جس نے ہمیں اپنی پہچان کروائی، اس نے ہمیں انسان بنایا، عقل عطا کی اس کی رحمت ہے۔ ہمارا بال بال اس کے احسانات میں بندھا ہوا ہے اور اس کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا۔ کن الفاظ میں اس کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں اپنے بارے میں جاننے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس نے ہمارے قلب اور ذہن کو یہ توفیق دی کہ ہم اس کے بارے میں غور وفکر کرسکیں۔ دعا ہے اس ذات کریم سے کہ وہ ہمیں اپنی معرفت والی زندگی نصیب کر دے اور ہمارا لمحہ اسی کے ساتھ متعلق ہو کر گزرے۔ اسی تعلق کے ساتھ، اسی ربط کے ساتھ، اسی سے متعلق رہ کر ہم سوچیں، ہم دیکھیں۔

ہمارے کان اس کی باتیں سنیں
ہماری زبان اس کی باتیں کرے

ہمارے تعلقات اسی ذات کی نسبت سے ہوں
تعلقات بنائیں اسی کی ذات کی محبت میں بنائیں
اور اگر تعلقات چھوٹیں تو اس کی ذات کی نسبت سے

جو اس نے دیا اس کی محبت میں لگے اور جو اس نے پسند نہیں کیا وہاں سے ہمارا ہاتھ رک جائے۔ یہ یقین کا سفر ہے، یہ صبح کتنی روشن ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی روشنی ہے اور یہ صرف ماحول کو روشن نہیں کر رہی بلکہ ہمارے دلوں کو بھی منور کر رہی ہے۔ یا ارحم الراحمین دل تو تیری دو کریم انگلیوں کے درمیان ہیں، تو جس طرف چاہے ان دلوں کو پھیر سکتا ہے۔

الٰہی ! ہمارے دلوں کا رخ اپنی جانب کر لینا
یا ارحم الراحمین ! ہمیں کامل ایمان اور یقین والی زندگی نصیب کرنا

﴿يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ! ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ﴾ (ترمذی:3587)

"اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم فرما۔"

﴿یَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ! صَرِّفْ قَلْبِیْ عَلٰی طَاعَتِكَ﴾ (مسلم:6750)

"اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنی اطاعت پر پھیر دے۔" (آمین)

یا اللہ! ہم سب کے دلوں کو اپنی طرف پھیر لینا

یا اللہ! ہم سب کے دلوں کو اپنے دین پر ثبات عطا کرنا

یا ارحم الراحمین! ہم سب کو اپنی ذات کا ایسا تعلق نصیب کرنا کہ حقیقتاً ہمارے لیے دنیا کی ہر چیز چھوٹی ہو جائے اور ہمارا رُواں رُواں اس بات کا اظہار بن جائے کہ تو سب سے بڑا ہے (آمین)۔

آج ہم اللہ تعالیٰ کے ایسے دو ناموں پر غور وفکر کرنے کا سلسلہ شروع کرتے ہیں جن پر سارے ناموں کی بنیاد ہے۔تمام نام ان دو ناموں کے ساتھ منسلک ہیں اور نبی ﷺ نے ان ناموں کے ساتھ ہی رب العزت سے فریاد کی تھی۔وہ نام جس آیت میں آئے اس آیت کو نبی ﷺ نے قرآن مجید کی سب سے بڑی،سب سے عظیم آیت قرار دیا۔

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ﴾ (البقرہ:255)

"اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہمیشہ زندہ ہے، ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے، اس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اُسی کا ہے،کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اُس کی جناب میں سفارش

کرے، وہ جانتا ہے جو اُن کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے، اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو سموئے ہوئے ہے اور ان دونوں کی حفاظت اُسے نہیں تھکاتی اور وہی سب سے بلند، سب سے بڑا ہے۔''

اور دوسری جگہ فرمایا:

﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ﴾ (آل عمران:2)

''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ ہے، ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے۔''

پھر تیسری بار فرمایا:

﴿وَعَنَتِ الۡوُجُوۡهُ لِلۡحَیِّ الۡقَیُّوۡمِ﴾ (طٰہٰ:111)

''اور تمام چہرے اُس زندہ رہنے والے اور قائم رہنے والے کے سامنے جھک جائیں گے۔''

اور چوتھے مقام پر فرمایا:

﴿وَتَوَكَّلۡ عَلَی الۡحَیِّ الَّذِیۡ لَا یَمُوۡتُ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِهٖ ؕ وَكَفٰی بِهٖ بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ خَبِیۡرًا ۚ﴾ (الفرقان:58)

''اور آپ اُس زندہ پر بھروسہ کریں جسے موت نہیں آئے گی اور آپ اُس کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی پوری طرح خبر رکھنے والا ہے۔''

پھر پانچویں بار فرمایا:

﴿هُوَ الۡحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ﴾ (غافر:65)

''وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، چنانچہ اُسی کو پکارو کہ دین کو اُس کے

لیے خالص کرنے والے ہو۔‘‘

اے لازوال زندگی کے مالک!

ہمارے دلوں کو اپنی محبت سے زندہ فرما دیجئے

اے وہ ذات! جس نے سدا قائم رہنا ہے

ہمارے دلوں کو اپنی محبت پر قائم فرما دے

یا ارحم الراحمین ہمیں اپنی ذات کی سچی پہچان نصیب فرما دے۔ ہمارے دل تو اس قابل نہیں ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اس قابل ہو جائیں، آپ ہمارے دلوں کو اپنے ساتھ جوڑ لیجئے (آمین)۔

یا اللہ! تیرے حبیب نے جو فریاد اس وقت کی تھی (جب بدر میں اسلام اور کفر کی پہلی جنگ تھی اور بظاہر کوئی سبب نہیں تھا کہ اہل اسلام کو فوقیت حاصل ہوتی یا فتح نصیب ہوتی) یا ارحم الراحمین! وہی فریاد ہم بھی کرتی ہیں:

﴿يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ ، بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ﴾

’’اے زندہ رہنے والے! اے قائم رہنے والے! ہم سب تجھ سے تیری رحمت کی فریاد کرتی ہیں۔‘‘

الٰہی! ہم پر رحم فرما دے

الٰہی! ہمیں اسلام کی سچی سمجھ نصیب فرمائیے

الٰہی! ہماری زندگیوں کا رخ اپنی جانب کر لیجئے

الٰہی! ہمیں اپنے دشمن سے اپنی پناہ میں لے لیجئے

الٰہی ہمارے قلب و ذہن تیری دو انگلیوں کے درمیان ہیں، آپ ہمارے قلب و ذہن کو اپنی جانب پھیر لیجئے۔

یاارحم الراحمین !اپنی موت تک اسلام پر چلنا نصیب فرما دیجئے

یا اللہ تیرے ناموں کی وسعت کا ہمارے قلب وذہن احاطہ نہیں کر سکتے ،تو خود ہی ہمیں ان کی سمجھ کی توفیق عطا کر دینا۔ یا اللہ تیری زندگی کا وہ کیسے احاطہ کرسکتا ہے جس کی زندگی زوال پذیر ہے۔تو باقی ،ہم فانی،تو قائم اور ہم سدا ہی اپنی جگہ بدلنے والے۔ یا اللہ تو نے ہی ہمیں ایسا دل دیا جو ہر لمحے اپنی جگہ بدلتا ہے۔

یاارحم الراحمین! اس دل کو ہمیشہ اپنے لیے دھڑکنے کی توفیق عطا کر دے

الٰہی تجھے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند تو اونگھنے اور سونے والے تیری عظمت کو کیسے پہچانیں۔

الٰہی !ان کمزوروں پر رحم فرما دے

الٰہی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ تیرا ہے پھر وہ کیسے احاطہ کرلے جو کسی چیز کا بھی مالک نہیں۔ یا اللہ تو جانتا ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے، جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور ہم نہیں جانتے جہاں پر ہم ہیں۔ہمیں نہ آگے کا پتہ ہے نہ پیچھے کا،بس اتنا پتہ ہے جتنا تو نے علم دے دیا۔الٰہی تیرے فرشتوں نے جو بات کہی وہی تیرے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔

﴿سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا﴾ (البقرہ:32)

’’آپ پاک ہیں، جو کچھ آپ نے ہمیں سکھایا ہے اُس کے سوا ہمیں کچھ علم نہیں۔‘‘

الٰہی !ہمیں اپنے علم کے بارے میں سکھا دیجئے

الٰہی تیری مرضی کے بغیر اس جہان میں کوئی چیز اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتی ،نہ اس کی زندگی اور نہ اس کا قیام ہے اور کوئی ایسا نہیں ہے جو تیرے علم کے بغیر کسی چیز کا احاطہ کر سکے۔ الٰہی ہماری درخواست ہے، ہم تیری صفات کا احاطہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ ہمیں اس کی توفیق عطا کر دیجئے۔ الٰہی تیری حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے پھر وہ کیسے اندازہ کرے جس کا اختیار اپنی ذات پر بھی نہیں ہے۔الٰہی تجھے تو آسمانوں اور زمین کی حفاظت

نہیں تھکاتی اور ہم اپنی ذات کی حفاظت کے قابل بھی نہیں ہیں۔

الٰہی! اپنی حفاظت کا علم نصیب فرمادیجئے

الٰہی! اپنی حکومت کا علم نصیب فرمادیجئے

الٰہی تو بلند مرتبہ ہے تو ہم کم مرتبہ تیرے بلند مرتبے کا کیسے اندازہ کر لیں۔ الٰہی تو عظمت والا ہے پھر وہ جو ذلیل اور پست ہیں وہ تیری عظمت کا کیسے اندازہ کر لیں۔

الٰہی! تو خود ہی علم نصیب فرمادے

یا ارحم الراحمین! اپنی عظمتوں کی پہچان کروادیجئے

الٰہی تو سب پر قائم ہے، تو سب پر غالب ہے اور تجھ سے کوئی چیز، کوئی دوسرا چھین کر نہیں لے جاسکتا۔ یا ارحم الراحمین ہمارا دشمن ہم سے ہمارا ایمان چھیننا چاہتا ہے۔

اے پاک پروردگار! آپ ہمیں ہمارے دشمن سے بچالیجئے

الٰہی! تجھ سے استدعا ہے کہ تو ہمیں ایمان پر قائم رکھنا

الٰہی تیری ذات کی عظمت کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں جو عظمت کے لائق ہو۔ اے پاک پروردگار ہم تیری محبت کا غلبہ اپنے دل پر چاہتے ہیں۔

الٰہی! ہمیشہ اپنی محبت کو ہمارے قلب و ذہن پر غالب کر دینا

اے پاک پروردگار ہم آپ سے دعا کرتے ہیں:

﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِي يُبَلِّغُنِي حُبَّكَ ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي وَأَهْلِي وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ﴾

(ترمذی:3490،ضعیف)

”اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں، اور میں اس شخص کی بھی تجھ سے محبت مانگتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتا ہے، اور ایسا عمل چاہتا ہوں جو مجھے تیری محبت

تک پہنچا دے، اے اللہ! تو اپنی محبت کو مجھے میری جان اور میرے گھر والوں سے زیادہ محبوب بنا دے، اے اللہ! اپنی محبت کو ٹھنڈے پانی کی محبت سے بھی زیادہ کر دے۔"

یاارحم الراحمین ہمارے اعمال ایسے نہیں ہیں جو ہمیں نجات عطا کر دیں اور ہمارے اعمال ہمیں آگ سے نہیں بچا سکتے۔ الٰہی وہ ہمیں تیری جنت تک بھی نہیں لے جا سکتے۔

اے پاک پروردگار جب تو نبی ﷺ کو مقام شفاعت پر فائز کرے گا۔

یاارحم الراحمین! ہمیں ان کی شفاعت نصیب کر دینا

یاارحم الراحمین تو نے ہمیں اپنے لیے زندگی دی اور ہماری زندگی کا کثیر حصہ ان کاموں میں لگ جاتا ہے جو ہمیں تیرے قریب نہیں کرتے۔

اے پاک پروردگار! تو ہمیں معاف فرما دے، ہم پر رحم فرما دے

اے پاک پروردگار تیرے بندے تیری خاطر گھروں سے نکلتے ہیں۔

الٰہی! ان کے وقت پر رحم فرما دے

الٰہی! ان کی زندگیوں پر رحم فرما دے

الٰہی! ان کی زندگیوں کا رخ اپنی جانب کر لینا

یاارحم الراحمین! ان کی غلطیوں کو معاف کر دینا

یاارحم الراحمین! ان کی جوانیوں کو بے داغ رکھنا

یاارحم الراحمین! انہیں حیا والی زندگی نصیب کرنا

یاارحم ارحمین تیری ذات ہی ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور ہم سب فانی ہیں، الٰہی ہم میں سے کوئی نہیں جو فنا کے گھاٹ اترنے والا نہ ہو۔

الٰہی! اس جہان سے رخصتی کے وقت بھی ہمیں اپنی ذات پر یقین نصیب کرنا

الٰہی! ہمیں اس وقت بھی شیطان سے بچالینا

الٰہی وہ دن جب سارے چہرے تیرے سامنے جھک جائیں گے اور کوئی بھی تیرے آگے کھڑا نہیں ہو سکے گا۔

الٰہی! اس دن کے آنے سے پہلے ہمارے چہروں کو اپنے آگے جھکا لینا

الٰہی! ہمارے ماتھوں کو، ہماری پیشانیوں کو سجدے نصیب کرنا

الٰہی! ایسے سجدے نصیب کردے کہ ہم تیرے قریب ہو جائیں

الٰہی! تو ہمیں پسند کرلے اور اپنی پسند والی زندگی نصیب کردے

الٰہی تیری زندگی لازوال ہے، ایسی زندگی جس کو کبھی موت نہیں آنی۔الٰہی تیری ذات کے سوا کوئی نہیں جس پر ہم توکل کریں اور تیری ہی ذات ہے جس پر ہم اعتماد کرتے ہیں۔

الٰہی! ہمیں کامل اعتماد کی توفیق عطا فرما دینا

الٰہی! آپ سے استدعا ہے ہمیں سدا اپنا تعلق نصیب کرنا

الٰہی! ہمیں دنیا سے اور دنیا میں گھِر جانے سے، دنیا کی محبتوں سے بچالینا

یا ارحم الراحمین! آپ سے استدعا ہے ہمارے دلوں کو ایمان سے حیات عطا کرنا

اے پاک پروردگار! اپنی محبت نصیب کرنا اور اپنی رحمت کی چھاؤں ہم پر رکھنا

الٰہی! ہمیں اپنے کام کا بنالینا

الٰہی! اپنے دین کا کام کرنا نصیب فرمادے

الٰہی! یہی کام حیات بخش ہے، اس کے لیے ہمیں طریقے سکھادے

یا ارحم الرحمین! اس حیات بخش کام کو کرنے کی توفیق عطا فرمادے

یا ارحم الراحمین! ہمیں اس کا یقین نصیب کردے

الٰہی اسی کام سے دلوں نے زندہ ہونا ہے، اسی کام سے ہماری نجات ممکن ہے اور یہی

باقی رہنے والی نیکی ہے۔

اے پاک پروردگار! باقی رہنے والی نیکیاں کرنے کی توفیق عطا کرنا

اے پاک پروردگار! ہمیں توفیق دینا کہ دوسروں کو تیرا راستہ دکھا سکیں

الٰہی! ان کاموں میں برکت عطا فرما دینا

الٰہی! لوگوں کے دلوں کو ہمارا مشتاق بنا دینا

اے پاک پروردگار ہمیں اسی طرح کی زندگی نصیب فرما دے جیسی تیرے حبیب نے زندگی گزاری۔ جیسے انہوں نے دلوں کو زندگی عطا کی اور تیرے نور سے، تیری ذات کی پہچان سے، تیری معرفت سے دلوں کی زندگی کے لیے کام کیا۔ اے پاک پروردگار اپنے خاص فضل وکرم سے ہمیں بھی یہ کام کرنے کی توفیق عطا کر دینا۔ یا ارحم الراحمین تیرا کلام دلوں کو زندہ کرنے والا ہے اور تیرے نبی کی سنت ایسی زندگی تک لے جانے والی ہے جو سدا رہنے والی ہے۔

الٰہی! ہمیں قرآن وسنت پر عمل کرنے والا بنا دیجئے

الٰہی! ہمیں تقویٰ والی زندگی نصیب فرما دیجئے

الٰہی! ہم سب کو آپس کی محبت نصیب فرما دیجئے

یا ارحم الراحمین آپ سے استدعا ہے ہمیں ایسی نمازیں نصیب فرما دیجئے جو ہمیں واقعتاً برائی اور بے حیائی سے روکنے والی ہوں اور خشوع وخضوع والی نمازیں نصیب فرما دیجئے۔ یا حیی یا قیوم اس زندگی میں قیامت کے آنے سے پہلے ہمیں اپنے چہروں کو، اپنے پورے وجود کو آپ کے آگے جھکانے کی توفیق عطا کر دیں۔

یا ارحم الراحمین! دعا کرنے کا قرینہ سکھا دیجئے

اے پاک پروردگار! ہم سب کی دعاؤں کو قبول فرما لیجئے

اللہ تعالیٰ کی صفات پرغوروفکر کے لیے دو چیزوں کے ساتھ غوروفکر کا آغاز کریں گے:

(i) اپنی ذات کی بے ثباتی اور عجز

(ii) اللہ پاک کی عظمت

اسماء وصفات کے بارے میں رب العزت کا کیا مطالبہ ہے؟

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (الاعراف:180)

”اور سب سے اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں سو اُسے ان کے ساتھ پکارو۔“

اسمائے حسنیٰ Point Of Refrence ہیں اور انہیں حوالہ بنانا ہے کیونکہ یہ نام رب العزت سے دعا کے لیے ہیں لہٰذا ان ناموں کے توسط سے دعا کرنی ہے۔ بندے اور رب کا سب سے بڑا تعلق دعا کا تعلق ہے۔ ہر نام میں ایک حوالہ ہے جیسے رزاق سے رزق طلب کرنا ہے، دلوں کا بھی اور اس زندگی کی ضروریات کا بھی۔ العلیم سے علم طلب کرنا ہے اور العلیم سے استغفار کرنی ہے۔ الواحد، الاحد کے سامنے جھک جانا ہے۔

وہ ایک ہے اور اس کے مقابلے میں ہماری ذات کی حقیقت کیا ہے؟

جتنا آپ حق تک پہنچیں گے اتنا ہی زیادہ اس سے سچی دعا کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ اسماء وصفات دراصل اللہ تعالیٰ کے سامنے بے تابانہ دعا کرنے کے لیے ہیں، اسے پکارنے کے لیے ہیں اور یہی بندے اور رب کا رشتہ ہے۔

یا اللہ! اس رشتے کو ہمیشہ قائم رکھنا

یا اللہ! اس کو قائم رکھنے اور اس کے لیے کوششیں کرنے کی توفیق عطا کر دینا

اپنی زندگی کے لیے لازم کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے ناموں سے ضرور پکارنا ہے اور اس کے نام الحی سے، القیوم سے پکارنا ہے۔

﴿يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ﴾ (ترمذی:3524)

''اے زندہ رہنے والے! اے قائم رہنے والے! میں تجھ سے تیری رحمت کی فریاد کرتی ہوں۔''

فریاد کبھی نہیں چھوڑنی، زندگی میں جو چاہیے اسی سے طلب کرنا ہے اور دعا کرنے پر سدا ہی قائم رہنا ہے (ان شاءاللہ)۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا ہے:

﴿اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِعِزَّتِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَنْ تُضِلَّنِي أَنْتَ الْحَيُّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ يَمُوتُونَ﴾ (مسلم: 6988)

''اے پروردگار! میں تیرا فرمانبردار ہو گیا اور تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر بھروسا کیا اور تیری طرف رجوع کیا اور تیری مدد سے دشمنوں سے لڑا۔ اے مالک میرے! میں تیری عزت کی پناہ مانگتا ہوں کوئی برحق معبود نہیں سوائے تیرے، اس بات سے کہ تو بھٹکا دے مجھ کو، تو وہ زندہ ہے جو کبھی نہیں مرتا، جن اور آدمی مرتے ہیں۔''

ہمارا اور رب العالمین کا تعلق کیسا ہے؟

سارے انسان فقیر ہیں اور سب اپنی زندگی کے لیے اللہ رب العالمین کے محتاج ہیں۔ آنکھوں کی روشنی کے لیے، کانوں کی سماعت کے لیے، قلب و ذہن سے سوچنے سمجھنے کے لیے اور بدن کی قوت کے لیے ہم اپنے مالک کے محتاج ہیں۔ زندگی میں اس کا کام کرنا ہے تو علم حاصل کرنے کے لیے اور اس کے کام کو درست انداز میں کرنے کے لیے بھی ہم اسی کے محتاج ہیں۔ ہم فقیر ہیں تو پھر غنی سے کیوں نہ مانگیں کیونکہ ہمارا اور غنی کا یہی تو تعلق ہے۔

وہ الوھاب ہے، عطا کرنے والا ہے
اور انسان اس کی عطا کا محتاج ہے
وہ مستحق کو بھی دیتا ہے اور غیر مستحق کو بھی
مومن کو بھی دیتا ہے اور کافر کو بھی دیتا ہے

زندگی میں کتنی چیزیں ہیں جن کے بارے میں کچھ سمجھ نہیں آتی، الوھاب کیسے دلوں کے اندر اس کا فہم القاء کر دیتا ہے، انڈیل دیتا ہے، عطا کر دیتا ہے۔ الشافی سے شفا کی دعا کیوں نہ مانگیں؟ پھر کون ہے جس کے ہاتھ میں شفا ہو، شفا کا علم کتنا ہی وسیع ہو جائے، علم کے مطابق کوشش ہو سکتی ہے لیکن جب تک رب العالمین کا اذن شامل نہیں ہوتا کوئی دوا اثر انداز نہیں ہوتی۔

کسی دوا میں شفا کیسے آتی ہے؟

اس شافی کی وجہ سے کیونکہ وہ شافی ہی کافی ہے لہٰذا اسی سے شفا کی دعا کرنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سارے ہی نام حوالہ (Point of Reference) ہیں اس لیے آپ جب بھی ان کے بارے میں پڑھیں گے تو اس کی ضرورت کو اپنے اندر دیکھئے، جو ضرورت آپ کے اندر ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اس کا جواب ہیں۔ ضرورت مند احتیاج رکھتا ہے، جو عاجز ہے خود نہیں کر سکتا اور رب کریم ضرورت کو پورا کرنے والا ہے۔ عاجز کا کام کیا ہے کہ وہ عطا کرنے والے کے آگے ہاتھ پھیلا دے۔

اسماء وصفات کیا ہیں؟

دعا کا طریقہ کار ہیں، بندے اور رب کے درمیان تعلق کا اظہار ہیں
یہ وہ تعلق ہے جس کا جتنا گہرا شعور آپ کے قلب و ذہن کے اندر ہوگا اتنا ہی آپ کا

دل بھی بولے گا۔ دل پکارے گا، زبان پکارے گی حتیٰ کہ آپ کا پورا وجود پکار بن جائے گا۔ بات اللہ تعالیٰ کے نام، اس کی صفات کے شعور کی ہے اور اس شعور کو گہرا کرنے کے لیے اس کا علم ضروری ہے۔ اللہ پاک نے اپنی کتاب میں اس کا علم دیا ہے، لہٰذا اس علم کو حاصل کرنے کے لیے ساری حیات کوشش کرنی ہے۔ قرآن وہ کتاب ہے:

جس میں ہر حکم کا تعلق اسماء وصفات سے ہے
جس میں نصیحتوں کا تعلق اسماء وصفات سے ہے
جس میں واقعات کا تعلق اسماء وصفات سے ہے
جس میں دنیا کے معاملات کا تعلق اسماء وصفات سے ہے
جس میں آخرت کے حالات کا تعلق اسماء وصفات سے ہے

آپ قرآن حکیم کی تقریباً ہر آیت میں رب العزت کی ذات کو دیکھ سکتے ہیں لیکن غور وفکر ضروری ہے اور اگر آپ اس کے اوپر کام نہیں کریں گے تو یہ وقت چلا جائے گا، پھر یہ احساس دھیما پڑ جائے گا اور رفتہ رفتہ احساس بھی مٹ جائے گا۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ آپ اس کے اوپر اسائمنٹ کریں اور اسائمنٹ کرنے کا طریقہ کار یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہر آیت کے تعلق کے ساتھ دیکھیں۔

میں نے اس حوالے سے ایک کوشش کی ہے اور وہ رب ان کوششوں کو بار آور کرنے والا ہے۔ میں نے ایک ڈپلومہ کے سیشن میں جب قرآن حکیم پڑھایا تھا تو اس میں اسماء وصفات کی روشنی میں، ہر آیت کو اللہ تعالیٰ کی صفت کے ساتھ کسی حکم، واقعے یا صورت حال کا تعلق قائم کر کے وضاحت کی گئی ہے۔ الحمدللہ اس چیز نے مجھے بہت نفع دیا اور ان میں سے کچھ چیزیں ایسی ہیں جو ہم نے کوشش کی ہے کہ قرآناً عجباً میں بھی شامل کر دیں۔ ہر جگہ پر تو شامل نہیں کر پائے لیکن وہ سوال وجواب کی شکل میں ضرور موجود ہیں۔ بعض اوقات آیت کے اندر اس کی اتنی خوب صورت وضاحت ہے کہ الگ بات کرتے ہوئے ہماری بات کی وہ

ضرورت اور وقعت نہیں رہ جاتی۔ ان چیزوں کو آپ ضرور پڑھیں اور اگر آپ پڑھیں گے تو ان شاء اللہ نفع ہوگا۔

سوال وجواب

طالبہ: میں تلاوت سن رہی تھی اور تلاوت کے دوران یہ آیت آئی:

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾

”اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔“ (الدھر:30)

تو اس وقت مجھے سمجھ آئی کہ اللہ تعالیٰ کیسے اسماء وصفات کا آیت کے ساتھ تعلق جوڑ دیتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آیت میں فرمایا کہ تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور یہ کہ تم نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ وہ ”علیم حکیم“ وہ جاننے والا ہے، حکمت والا ہے اور تمہارے پاس علم اور حکمت ہے ہی نہیں کہ تم کچھ خواہش کرسکو۔ یہ آیت جب میں نے پڑھی تو میرا اتنا دل چاہتا ہے کہ میں کسی طرح سے آیات کا تعلق جوڑنا سیکھ سکوں، مجھے پتہ چلے کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت اس آیت کے ساتھ رکھ دی ہے۔ اب جب آپ نے بتایا ہے تو مجھے اتنی رحمت محسوس ہوئی ہے اور یوں لگا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنا رزق دینا چاہتے ہیں تو اس کے لیے اسباب پیدا کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً سبب پیدا کر دیا کہ اگر اس نے چاہا تو اللہ تعالیٰ نے وہ ساری چیزیں آسان کر دیں۔

استاذہ: آپ نے محسوس کیا کہ جب بندہ ارادہ کرتا ہے اور اللہ پاک سے دعا کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کیسے اسباب پیدا کرتا ہے۔ قرآناً عجباً کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن

میں ہر صفت کے حوالے سے تعلق جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہاں پر اللہ تعالیٰ نے کیسے اپنی اس صفت یا اسم کا شعور دلایا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ
گناہوں کو معاف
فرمانے والا ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وہ رب جس نے جہان بنائے، جس نے ہر چیز کو بنایا، اس کو راستہ دکھایا، جس نے ہر چیز کے لیے رزق کا اہتمام کیا، جس نے انسان کو عقل دی اور اختیار کی آزادی دی۔ وہ انسان جس کے لیے اس نے دشمن اس پر مسلط کر دیا، جس کا اس زندگی میں امتحان ہے اور وہ انسان اپنے آباء سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام کی طرح شیطان کے بہکاووں سے پھسل جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے بارے میں جب ہمیں بتایا تو اپنی ایسی صفات سے بھی متعارف کروایا جو اس کی مغفرت، اس کی معافی کا پتہ دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں:

”الغفار، الغفور اور غافر“

رب العزت نے اپنی مغفرت کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا:

﴿غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ شَدِيۡدِ الۡعِقَابِ﴾ (غافر: 3)

”گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا، بہت سخت سزا دینے والا۔“

پھر اسی نے اپنے بارے میں فرمایا:

﴿وَالَّذِيۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِهِمۡ ۖ وَمَنۡ يَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (آل عمران: 135)

”وہ ایسے لوگ ہیں جب کوئی برائی کر بیٹھیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں پھر وہ اپنے گناہوں کے لیے بخشش مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے؟“

اسی طرح قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى﴾

’’اور بلاشبہ جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے، پھر سیدھی راہ پر چلا، تو یقیناً میں بہت بخشنے والا ہوں۔‘‘ (طٰہٰ:82)

ان آیات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ الغفار ہے، الغفور ہے اور وہ غافر ہے۔ گناہ انسان کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں اور گناہ جب بڑھ جائیں، کثیر ہو جائیں تو انسان کو یوں لگتا ہے کہ اب میرے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ میں دو واقعات آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں جن سے کسی انسان کی تکلیف کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اپنے گناہ کے احساس کی وجہ سے کوئی کہاں جا پہنچتا ہے۔ ہمیں کتب حدیث میں نبی ﷺ سے اس واقعے کی خبر ملتی ہے جو ایک ایسے شخص کے بارے میں ہیں جس نے ننانوے قتل کیے تھے۔

’’سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص تھا، اس نے ننانوے قتل کیے۔ پس اس نے روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کی بابت لوگوں سے پوچھا، تو اسے ایک راہب (پادری) کا پتہ بتلایا گیا، اس نے اس سے جا کر پوچھا کہ اس نے ننانوے قتل کیے ہیں، کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا، نہیں۔ اس نے اس پادری کو بھی قتل کر کے سو کی تعداد پوری کر لی، اس نے پھر پوچھا کہ مجھے سب سے بڑا عالم بتلاؤ؟ اسے ایک عالم کی نشاندہی کی گئی، اس نے اس سے جا کر پوچھا کہ اس نے سو آدمی قتل کیے ہیں، کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟، اس عالم نے کہا، ہاں، کون ہے جو اس کے اور اس کی توبہ کے درمیان حائل ہو؟ جا، فلاں زمین (علاقے میں چلا جا! بلاشبہ وہاں کچھ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں، تو بھی ان کے ساتھ اللہ کی عبادت کر اور اپنی زمین کی طرف واپس نہ آنا، یہ برائی کی

زمین ہے۔ چنانچہ اس نے نیکیوں کی اس بستی کی طرف سفر شروع کر دیا، ابھی اس نے آدھا راستہ ہی طے کیا تھا، کہ اسے موت آگئی (اس کی روح کو لینے کے لیے) رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے (دونوں ہی) آ گئے اور ان کے مابین جھگڑا شروع ہو گیا۔ ملائکہ رحمت نے کہا، وہ تائب ہو کر آیا تھا اور دل کی پوری توجہ سے وہ رب کی طرف آنے والا ہے۔ عذاب کے فرشتے بولے، اس نے کبھی بھلائی کا کام نہیں کیا (اس لیے وہ عذاب کا مستحق ہے، ان فرشتوں کے مابین یہ جھگڑا جاری تھا) پس ایک فرشتہ، آدمی کی شکل میں آیا، اسے انہوں نے اپنا حکم بنالیا، اس نے فیصلہ دیا، دونوں زمینوں کے مابین مسافت کو ناپو۔ (یعنی جس علاقے سے وہ آیا تھا وہاں سے یہاں تک کا فاصلہ اور یہاں سے نیکیوں کے علاقے کا فاصلہ، دونوں کی پیمائش کرو)۔ ان دونوں میں سے وہ جس کے زیادہ قریب ہو وہی اس کا حکم ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے پیمائش کی تو انہوں نے اس زمین کو زیادہ قریب پایا جس کی طرف وہ ارادہ کیے جا رہا تھا، پس اسے رحمت کے فرشتوں نے اپنے قبضے میں لے لیا۔" (صحیح مسلم: 7008)

آپ تصور کر سکتے ہیں کہ قتل کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ قتل جیسا جرم کوئی انتہائی سنگدل انسان کرنے کے قابل ہوتا ہے جس کے دل سے انسانیت کا احترام اٹھ جائے۔ جس کے لیے کسی کی زندگی کی، کسی انسانی جان کی کوئی قیمت نہ ہو، جس کے لیے کسی انسان کی کوئی قدر نہ ہو۔ ہم پابند ہیں ہر کسی کی رائے کا احترام کرنے کے، ہم پابند ہیں اس بات کے کہ ہماری زبان سے اور ہمارے ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ﴾ (بخاری: 10)

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

جو انسان اپنی زندگی میں ہر شخص کو نقصان پہنچانے سے بچتا رہا ہو، اس کے بارے میں سوچا نہیں جاسکتا کہ وہ کبھی قتل کر سکتا ہے کیونکہ قتل انتہائی درجے کی سفا کی ہے۔ اسی کا تذکرہ ہمیں فرشتوں کی بات میں بھی ملتا ہے کہ آپ اس کو خلیفہ بنائیں گے جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔

قتل کس کیفیت میں ہوتا ہے؟

جیسے آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کے حوالے سے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بیٹے کی نذر قبول ہو گئی۔ دوسرے بیٹے نے بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر قربانی کی تھی لیکن اس کی قربانی قبول نہ ہوئی تو اس نے اس جارحیت میں یہ طے کیا کہ میں دوسرے کو مار ڈالوں گا۔ جب اس نے اپنی دلی کیفیت دوسرے کے سامنے رکھی تو جو متقی تھا، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا تھا اس نے کہا:

﴿لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (المائدہ:28)

''یقیناً اگر تو نے میری جانب اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ تو مجھے قتل کر دے تو میں اپنا ہاتھ تیری جانب بڑھانے والا نہیں کہ میں تجھے قتل کر دوں، یقیناً میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔''

یہ دو انسانوں میں فرق ہے اور میں یہ سارا فرق اس لیے آپ کے سامنے واضح کر رہی ہوں کہ آپ گناہوں کی کثرت کی وجہ سے دل کی کیفیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں، انسان کس مشقت میں ہوتا ہے کہ اس کے لیے اتنے قتل کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ ننانوے لوگوں کا قاتل یہ دریافت کرنے کے لیے ایک پادری کے پاس جا پہنچا کہ کیا میرے لیے معافی کی، توبہ کی کوئی گنجائش ہے؟ پادری نے گناہوں کو دیکھ کر کہا ایک قتل، دو، دس، بیس، تیس، پچاس،

ساٹھ، نوے، ننانوے اتنے قتل کر کے کسی کو معافی کیسے مل سکتی ہیں، اس نے گناہوں کو دیکھا اور رب کی مغفرت کو نہیں دیکھا تو کہا معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہ بندے اور رب کے درمیان فرق ہے، جو بندہ اپنے رب کی مغفرت کو نہیں پہچانتا وہ گناہوں کی کثرت کی وجہ سے یہ محسوس کرتا ہے کہ اب تو معافی نہیں مل سکتی، اب تو گناہوں کے ساتھ ہی جینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پہچان کا انسان کو کتنا زیادہ نفع ہے کہ اس کی وجہ سے انسان خواہ کسی بھی حالت میں پہنچ جائے اس کو یہ یقین رہتا ہے کہ میرا کوئی رب ہے جو معاف کر سکتا ہے اور رب العزت نے اپنی کتاب میں اس کا تعارف کروایا ہے۔ یہ بات یاد رکھئے گا کہ جو اپنے یا دوسروں کے گناہ دیکھتا ہے وہ کبھی مغفرت کے بارے میں اور اللہ تعالیٰ کے غفور ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ وہ انسانوں کو گناہوں کی دلدل میں برے طریقے سے دھنسا ہوا دیکھنا چاہتا ہے یا دھنسا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔

پادری نے بھی کچھ ایسا ہی کیا اور اس نے کہا توبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قاتل نے سوچا کہ جب میں نے اتنے قتل کر دیے اور میرے لیے معافی کی کوئی گنجائش بھی نہیں ہے تو چلو ایک اور سہی۔ اس نے یونہی آسان سمجھ کر یہ قتل نہیں کیا تھا، آپ اس کے دل کی کیفیت کو سمجھئے کہ مجھے یہ شخص اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ نہیں دیتا، اس کی مغفرت کی طرف دیکھنے نہیں دیتا اور اس کی وجہ سے میں معافی حاصل نہیں کر سکوں گا۔ کیونکہ عیسائیت میں کسی پادری کی منت کرنی پڑتی ہے کہ آپ مجھے بخشوا دو۔ اب پادری پر انحصار ہے کہ وہ بخشش کروانا مناسب خیال کرتا ہے یا نہیں۔ اسی لیے اقبال نے کہا تھا:

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

یعنی یہ جو کلیسا کے پیر بنے ہوئے ہیں انہوں نے ہی انسانوں کو گناہوں کی دلدل میں

دھنسا ہوا چھوڑ دیا ہے، ان کو راستے سے ہٹا دو تو رب تک جانے کا راستہ صاف ہو جائے گا۔ خیر سو قتل کر کے وہ شخص نکلا۔ پھر بھی اسے ایک ہلکی سی امید تھی کہ چلو کسی اور سے پوچھ لوں۔ شاید کوئی حل نکل آئے۔ اگر آپ کے پاس کوئی ایسا شخص آئے تو آپ کیا کریں گے؟ آپ کے دل میں کیا خیال آئے گا؟ اگر آپ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے بارے میں نہیں جانیں گے اور اس کا یقین نہیں ہوگا تو آپ بھی اس کے گناہوں میں غوطہ زن ہو کر یہ محسوس کریں گے کہ کوئی معافی نہیں۔ اپنے اندر جھانک کر دیکھئے اگر آپ سچے ہیں تو اس کو محسوس کر سکتے ہیں۔ انسان کے لیے مغفرت کے بارے میں جاننا کتنا زیادہ ضروری ہے کیونکہ انسان سے خطائیں اور غلطیاں ہو جاتی ہیں، اس سے بڑے بڑے گناہ بھی ہو جاتے ہیں۔

وہ شخص بھی اسی تلاش میں تھا کہ شاید کوئی ایسا مل جائے جو میری معافی کے لیے کوشش کر سکے تو وہ ایک راہب کے پاس چلا گیا اور جب ساری صورت حال سامنے رکھی تو اس نے نبض پر صحیح ہاتھ رکھا۔ وہ پہچان گیا کہ اس ماحول میں یہ نیک نہیں ہو سکتا اور نہ یہ اپنے گناہوں کی دلدل سے باہر نکل پائے گا۔ آپ کے ساتھ کیا ہوتا ہے کہ وہ دوست اور گھر والے جن کے درمیان آپ ساری زندگی رہتے ہیں، پھر آپ سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں اور آپ خود تو اپنی غلطی کو بھول جاتے ہیں لیکن ساتھ والے نہیں بھولتے۔ ہمارے یہاں اس کے حوالے سے کتنی باتیں معروف ہیں مثلاً لوگ کہتے ہیں ''نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی'' اور ہر وقت غلطیوں کے، خطاؤں کے، گناہوں کے طعنے دیے جاتے ہیں تو ایسے ماحول میں غلطی سے نکلنا کتنا زیادہ مشکل ہے۔

جب پادری نے دیکھا کہ یہ اس طرح کے ماحول میں ہے اور یہاں رہ کر اس کی نیکی پروان نہیں چڑھ سکتی، زندہ نہیں رہ سکتی اور توبہ کے لئے یہ لازم ہے کہ انسان نادم ہو، شرمندہ ہو، معافی مانگے، توبہ کرے اور آئندہ کبھی نہ کرنے کا عزم کرے۔ اب رہنا تو اس نے اسی

ماحول میں تھا، اگر وہ آئندہ کبھی قتل نہ کرنے کا عزم کر بھی لیتا تو لوگ اسے قاتل کے نام سے ہی جانتے لٰہذا پادری نے کہا کہ تم برے لوگوں کی بستی کو چھوڑ دو۔ یہ برے لوگوں کی بستی ہے، یہاں مت رہو اور نیک لوگوں کی بستی میں چلے جاؤ۔ اس نے نیک لوگوں کی بستی کی طرف سفر شروع کر دیا، اب وہ اتنا پرعزم تھا کہ میں اپنے گناہوں سے نکل جاؤں گا۔

دعوت الیٰ اللہ کا کام دراصل انسانوں کو رب سے جوڑنے کا کام ہے

راستے میں جو چیز رکاوٹ بنتی ہے وہ یہی خطائیں، غلطیاں اور گناہ ہی تو ہیں۔ جب انسانوں کے ذہن میں یہ بات آجاتی ہے کہ ہمیں ہمارے گناہوں سے معافی نہیں مل سکتی اور ہمارے گناہ اتنے زیادہ ہیں کہ ہم ٹھیک ہی نہیں ہو سکتے تو وہ پہلے سے بھی زیادہ گناہ کرنے کے لئے پکے ہو جاتے ہیں۔ خیر پادری نے جو کچھ کہا سو لوگوں کے قاتل نے اسے مان لیا، آپ تصور کر سکتے ہیں کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے خیر کی گنجائش رکھی تھی۔ اس سے آپ یقین رکھیں کہ برے سے برے انسان کے اندر بھی خیر کی گنجائش ہوتی ہے لٰہذا آپ یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کوئی برائی کی کس انتہا پر ہے اور اب یہ واپس نہیں آسکتا۔

عام طور پر لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے لوگوں کو آنے بھی نہیں دیتے کیونکہ اپنے دل سے فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اس کو کیسے معافی ملے گی۔ مثلاً ایک طوائفہ کے بارے میں لوگوں کے ذہن میں کیا ہوتا ہے کہ یہ بری عورت ہے اور یہ اپنی برائی سے نہیں نکل سکتی، یہ اپنی بری عادات ترک نہیں کر سکتی لٰہذا اس کو نیکی کی دعوت دینے کا فائدہ نہیں ہے۔ آپ کی زندگی میں کبھی ایسا ہوا کہ آپ نے کسی کے بارے میں سوچا ہو، یہ شخص تو اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں آسکتا۔ اپنے دل میں جھانک کر دیکھیں تو آپ کو لگے گا آپ نے ساری انسانیت کے لئے سوچ رکھا ہے کہ یہ نہیں دین سیکھ سکتے، یہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر نہیں آسکتے۔ اللہ تعالیٰ کا راستہ تو سب کے لئے کھلا ہے اور آپ تو لوگوں کو اس دروازے تک لانے والے ہیں پھر

دروازہ تو اللہ تعالیٰ نے کھولنا ہے لیکن اس کے لیے آپ کوشش کریں گے کہ لوگ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں۔ پہلے خود معافی مانگنی سیکھنی ہے، پہلے اپنی ذات کے بارے میں سیکھنا ہے پھر دوسروں کی مدد اور راہ نمائی بھی کرنی ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنی ذات کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ غفار ہے، غافر ہے، الغفور ہے، بے حد بخشنے والا ، بہت زیادہ گناہوں کو معاف کرنے والا ہے اور یہ یقین اس شخص کو آ گیا تھا جس نے سو قتل کیے تھے۔ وہ برے لوگوں کی بستی کو چھوڑ کر نیک لوگوں کی بستی کی طرف روانہ ہو گیا پھر جب وہ تقریباً درمیان میں پہنچا اور ابھی فاصلہ زیادہ طے نہیں کیا تھا کہ موت کے فرشتے آ گئے۔ اب فرشتے دو طرف سے آئے تھے، ایک نیک روحوں کو قبض کرنے والے ، ایک بری روحوں کو قبض کرنے والے اور فرشتوں کے درمیان تکرار شروع ہو گئی۔ جو نیک روح کو لے جانے والے فرشتے تھے وہ لے جانا چاہتے تھے لیکن دوسروں نے دلیل دی کہ اس نے زندگی میں کوئی نیک کام کیا ہی نہیں تو آپ اس کو کیسے لے جا سکتے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس شخص کی لاش سے دونوں زمینوں کا فاصلہ ناپ لو جس طرف کا فاصلہ کم نکلے تو اسے اس علاقے کے لوگوں میں شمار کر لو اور جانتے ہیں سو لوگوں کے قاتل نے موت کے وقت بھی کوشش کی تھی۔ موت کے وقت اس نے یہ نہیں سوچا کہ اب تو موت آ گئی ہے اب کیا ہو سکتا ہے اور پتہ نہیں مجھے معافی ملے گی یا نہیں۔ نہیں بلکہ اس کے دل کو یقین تھا اس لیے اس نے مرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو نیک لوگوں کی بستی کی جانب گرا دیا۔ یہ کوشش ہے جو انسان نے آخری وقت تک نہیں چھوڑنی۔ پھر جب فاصلہ ناپا گیا تو نیک لوگوں کی بستی کی جانب فاصلہ کم نکلا اور اس طرح کوئی اور نیک کام کیے بغیر، صرف استغفار کی وجہ سے، توبہ کی وجہ سے، اور توبہ کے بعد اس عزم کی وجہ سے کہ وہ آئندہ نیک زندگی گزارے گا اور نیک لوگوں کی بستی میں اچھی صحبت اختیار کرنے کے لئے جانے کی

وجہ سے اللہ پاک نے اسے جنت میں نیک لوگوں میں داخل کر دیا اور معاف کر دیا۔

نیک لوگوں کی صحبت کی کتنی حرص رکھنی چاہیے؟

نیک لوگوں کی صحبت میں رہنا اتنا بڑا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی خاص رحمت سے کتنی بڑی بڑی خطاؤں اور غلطیوں سے بچا لیتا ہے۔اس واقعہ سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت پر یقین انسان کو صالح زندگی گزارنے کے لئے تیار کرتا ہے۔اس کے بغیر انسان صالح زندگی اختیار نہیں کر سکتا کیونکہ شیطان ہر دم ایک کام کرتا ہے کہ انسان کو احساس گناہ میں ڈال دیتا ہے۔اس کو اگر آپ دیکھنا چاہیں،تو ایسے ویڈیو کلپس موجود ہیں جن میں ابلیس کا طریقہ کار دکھایا گیا۔ہم نے اس کا تجربہ بچوں پر کیا تھا اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے شیطان کی اس کاروائی کو سمجھ گئے تھے کیونکہ انسان جب اپنے سامنے اس کو مجسم صورت میں دیکھتا ہے تو اس کی کیفیت بدل جاتی ہے۔جیسے ابلیس سوئے انسان کو تین گرہیں لگا تا ہے۔کیا آپ نے وہ حدیث پڑھی ہے۔

”رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ شیطان آدمی کے سر کے پیچھے رات میں سوتے وقت تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ افسوں پھونک دیتا ہے کہ سو جا ابھی رات بہت باقی ہے پھر اگر کوئی بیدار ہو کر اللہ کی یاد کرنے لگا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے۔پھر اگر نماز (فرض یا نفل) پڑھے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔اس طرح صبح کے وقت آدمی چاق و چوبند خوش مزاج رہتا ہے۔ورنہ سست اور بد باطن رہتا ہے۔“ (بخاری:1142)

ابلیس کوشش کرتا ہے کہ یہ انسان سویا رہے اور وہ فجر کی نماز نہ پڑھے۔آپ لوگوں میں سے جن کے لئے فجر کی نماز پڑھنی مشکل ہوتی ہے؟ تو تین گرہوں والی حدیث ہر رات پڑھ کر

سویا کریں اور یہ حدیث ایک دوسرے کے ساتھ بہت شیئر کریں۔ ان شاء اللہ یہ آپ کی بہت مدد کرے گی۔ ہم نے ''جنت کے بچے'' کورس کے بچوں کے لئے ایک CD بنائی ہے، اس میں بھی ہم نے ابلیس کا طریقہ واردات انہیں دکھایا ہے کہ کس طرح سے وہ احساس گناہ میں ڈالتا ہے۔ ابلیس پہلے تو انسان کو یہ کہتا رہتا ہے سوئے رہو، سوئے رہو اور وہ سویا رہتا ہے پھر جب دھوپ نکل آتی ہے تو آ کر احساس گناہ میں ڈالتا ہے۔ وہ انسان کو احساس دلاتا ہے کہ:

کیا تم نہیں جانتے کہ نماز کا کیا درجہ ہے؟

کیا تمہیں اپنی نماز کے بارے میں پتہ نہیں ہے؟

جب وہ انسان کے کان میں حدیثیں ڈالتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ تم نے نماز قضا کر دی، تم نے تو اپنی نماز کھو دی، تو انسان احساس گناہ میں چلا جاتا ہے۔ آپ لوگوں میں سے ممکن ہے بہت سے لوگوں کے ساتھ یہ حادثہ ہو جاتا ہو لہٰذا اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو نہ جانا اور نبی ﷺ کی راہ نمائی پر یقین نہ کیا تو یہ حادثات ساری زندگی ہوتے رہیں گے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ابلیس کو ہٹانے کا طریقہ کار سیکھیں لیکن اللہ تعالیٰ کی مغفرت پر یقین رکھیں اور احساس گناہ میں نہیں جانا، اس کی بجائے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں۔ یہ معافی سچی ہو، آئندہ کبھی نہ کرنے کا عزم بھی کریں اور اس معاملے میں جو چیز آپ کی مدد کرے گی وہ نبی ﷺ کی حدیث ہے۔

شیطان انسان کو کیسے کیسے احساس گناہ میں ڈالتا ہے؟

ابلیس کے طریقہ واردات میں ایک یہ بھی ہے کہ جب کوئی لڑکی اپنا سر ڈھانپتی ہے تو وہ اس کی دائیں طرف سے آتا ہے اور اس کے کان میں کچھ پھونکتا ہے، پھر بائیں طرف سے آتا ہے کچھ پھونکتا ہے۔ اسے کہتا ہے دیکھو تمہارا چہرہ اچھا نہیں لگ رہا، لوگ تمہاری

طرف دیکھیں گے تو وہ تمہارے حسن کو پہچان نہیں پائیں گے، تم ایک عام سی لڑکی بن جاؤ گیا اور لوگ تمہیں نظرانداز کریں گے۔ وہ آہستہ آہستہ، ہر روز یہ کام کرتا ہے اور جب وہ مسلسل اپنا کام جاری رکھتا ہے تو لڑکی اپنا سکارف تھوڑا سا ڈھیلا کر دیتی ہے، پھر اگلے دن اور ڈھیلا کرتی ہے، پھر اس کے بال نظر آنے لگ جاتے ہیں اور پھر آپ کو پتہ ہی ہے کہ آہستہ آہستہ کیا ہوتا ہے۔

جس وقت کوئی عورت شیطان کے بہکاوے میں آ کر یہ کام کر لیتی ہے تو پھر ابلیس چین سے نہیں بیٹھتا۔ وہ اس سے آ کر کہتا ہے دیکھا تم نے تو حجاب جیسا عمل چھوڑ دیا، تم سے کبھی کوئی اچھا کام ہوتا ہی نہیں، تم تو نمازیں بھی چھوڑتی ہو، تم تو حجاب بھی نہیں کرتی ہو، تم فلاں کام بھی نہیں کرتی ہو اور اس کے اوپر دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ پھر وہ سوچتی ہے کہ اچھا میں اتنی گناہ گار ہوں اور اب تو میں گناہ کے راستے میں بہت دور آ گئی ہوں۔ ایسے صحرا میں جہاں انسان کو کسی سائے کا یقین نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے سائے کا یقین نہ ہو تو انسان کے پاؤں جلنے لگتے ہیں، وجود تپ جاتا ہے، راستہ دکھائی نہیں دیتا اور یوں ابلیس اللہ تعالیٰ کی مغفرت، اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے انسان کو دور کر دیتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے غافر ہونے، اس کے غفور ہونے اور اس کی مغفرت کی حقیقت کو سمجھنا ہے کیونکہ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ:

﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ﴾

”اور بلاشبہ جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے، پھر سیدھی راہ پر چلا، تو یقیناً میں بہت بخشنے والا ہوں۔“ (طٰہٰ:82)

نبی ﷺ سے ہمیں بہت پیاری حدیث ملتی ہے:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”اللہ کہتا ہے: اے آدم کے بیٹے! جب تک تو مجھ سے دعائیں کرتا رہے گا اور

مجھ سے اپنی امیدیں اور توقعات وابستہ رکھے گا میں تجھے بخشتا رہوں گا، چاہے تیرے گناہ کسی بھی درجے پر پہنچے ہوئے ہوں، مجھے کسی بات کی پرواہ وڈر نہیں ہے، اے آدم کے بیٹے! اگر تیرے گناہ آسمان کو چھونے لگیں پھر تو مجھ سے مغفرت طلب کرنے لگے تو میں تجھے بخش دوں گا اور مجھے کسی بات کی پرواہ نہ ہوگی۔ اے آدم کے بیٹے! اگر تو زمین برابر بھی گناہ کر بیٹھے اور پھر مجھ سے (مغفرت طلب کرنے کے لیے) ملے لیکن میرے ساتھ کسی طرح کا شرک نہ کیا ہو تو میں تیرے پاس اس کے برابر مغفرت لے کر آؤں گا (اور تجھے بخش دوں گا)۔" (ترمذی:3540)

یعنی آسمان کے کناروں تک کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں اور اگر زمین بھر بھی کسی کے گناہ ہو جائیں تب بھی اللہ تعالیٰ اسے بخش سکتے ہیں۔

کیا آپ کے دل کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کر سکتا ہے؟

اس یقین کے دو طرح کے اثرات ہوتے ہیں ابلیس پھر بھی کام کرتا ہے اور وہ کہتا ہے اچھا اللہ تعالیٰ نے گناہ معاف کر دینے ہیں تو کوئی بات نہیں کر لو۔ ابلیس تو بھولتا نہیں ہے اور اس کی دشمنی کتنی بڑی ہے لہٰذا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کی کتنی زیادہ ضرورت ہے۔ جیسے استغفار ضروری ہے اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی بھی ضروری ہے۔

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کو ایک مجلس میں اِستغفار کرتے دیکھتے اور گنتے رہتے تھے۔ آپ ﷺ کبھی ستر بار اِستغفار کرتے اور کبھی ایک سو بار اِستغفار کرتے۔" (ابوداؤد:1516)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیوں گنتے تھے؟

تا کہ وہ بھی اسی طرح سے استغفار کر سکیں۔ الحمدللہ رب العالمین کہ وہ اپنے بندوں کو یہ فہم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ گناہ معاف کر سکتے ہیں اور نبی ﷺ کے پاس بھی ایسے معاملات آتے تھے۔

ایک بہت ہی بوڑھے شخص جن کے ابرو آنکھوں پر گر چکے تھے آئے اور انہوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ایک ایسا شخص ہوں جس نے بہت غلطیاں اور بہت گناہ کیے ہیں، کوئی چھوٹی بڑی ظلم و زیادتی ایسی نہیں جس کا میں نے ارتکاب نہ کیا ہو بلکہ میں نے تو اس قدر کثرت کے ساتھ گناہ کیے ہیں کہ اگر انہیں تمام اہل زمین پر تقسیم کر دیا جائے تو وہ انہیں تباہ و برباد کر دیں تو کیا میری بخشش ہو سکتی ہے؟

ایک چیز ضرور ذہن میں رکھیئے گا کہ بخشش کا سوال ہر کسی کے ذہن میں نہیں آتا اور جو گناہوں کا عادی ہو جاتا ہے اس کو یہ سوچ بھی نہیں آتی کہ مجھے معافی چاہیے۔ جس کو جوابدہی کا احساس ہو اس کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ مجھے معافی چاہیے کیونکہ میں نے گناہوں کے ساتھ نہیں جینا۔ جو گناہوں کے برے اثرات کے بارے میں جانتا ہے، سمجھتا ہے پھر وہ گناہوں سے نکلنے کے لئے تڑپتا ہے۔ جب اسے یقین آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے دل کو قرار آتا ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے اور آئندہ کبھی نہ کرنے کا عزم کر لیتا ہے۔

رسول ﷺ نے اس سے فرمایا: ﴿أَسْلَمْتَ﴾ ”تم مسلمان ہو؟“ اس نے عرض کی: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“ نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿فَإِنَّ اللهَ غَافِرٌ لَّكَ مَا كُنْتَ كَذٰلِكَ ،وَ مُبَدِّلُ سَيِّئَا تِكَ

حَسَنَاتٍ﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں جیسے تم تھے، بخش دے گا اور تمہارے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔“ اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری غداریاں اور بدکاریاں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿وَغَدَرَاتُكَ وَ فَجَرَاتُكَ﴾ ”تمہاری غداریوں اور بدکاریوں کو بھی۔“ آدمی یہ سن کر جب واپس جانے لگا تو وہ لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر پڑھتا جا رہا تھا۔“ (مسند احمد: 4/385)

اس یقین کا پا لینا انسان کے لیے کتنی بڑی بات ہے، آپ اس پا لینے کے احساس کو تصور کر کے دیکھیں اور آپ کیسے اس کو تصور کریں گے؟ ارشمیدس نے جس وقت ایک اصول دریافت کیا تھا جس کی فکر میں وہ تھا کیونکہ فکر کے بغیر کسی انسان کو احساس نہیں ہوتا۔ اس کو اتنی فکر تھی اور جس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کا حل سجھایا تو وہ ٹب میں بیٹھا نہا رہا تھا، اب اس پر یہ احساس اتنا غالب ہوا کہ وہ بھول گیا میں کہاں تھا، باہر نکلا اور گلیوں بازاروں میں بھاگتے ہوئے کہنے لگا پا لیا، پا لیا۔ آپ نے بھی اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو پا لیا ہے تو آپ اس کو تصور کر کے دیکھیں۔ جتنی آپ کو مغفرت کی ضرورت ہوگی اتنی ہی آپ کو اس حقیقت کو پا لینے کی خوشی ہوگی کہ جو اسلام قبول کر لیتا ہے اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو مغفرت کی کتنی ضرورت تھی؟ رسول اللہ ﷺ نے زندگی میں گناہ کب کئے تھے؟ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ﴾
(مسلم: 6858)

”میرے دل پر (کبھی کبھی) کچھ غفلت آ جاتی ہے، اسی وجہ سے میں دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔“

مغفرت کی ہر انسان کو ضرورت ہے۔ کسی نے مجھ سے سوال کیا کہ میں نے تو اپنی

زندگی میں کبھی کوئی دانستہ گناہ نہیں کیا تو کیا پھر بھی مجھے معافی مانگنی چاہیے؟ کیا پھر بھی میں استغفار کروں؟ تو مجھے بہت حیرت ہوئی کہ کون ہے جو خطاؤں سے پاک ہے؟ کون ہے جو غلطی سے پاک ہوسکتا ہے؟ انسان اپنی جانب سے اپنی ذات کے فیصلے کرتا ہے حالانکہ دیکھنا اللہ تعالیٰ کی جانب چاہیے۔ نبی ﷺ کو اس دور میں جب آپ اللہ تعالیٰ کے پاس واپس جانے والے تھے یہ حکم دیا گیا تھا:

''تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اُس سے بخشش مانگیے، یقیناً وہ ہمیشہ سے بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔'' (النصر:3)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں بھیجا، ہمیں طریقہ زندگی بتایا، اگر ہم اس پر عمل پیرا بھی ہوں تب بھی یہ دھڑکا تو ہر صحیح فہم رکھنے والے انسان کو لاحق رہتا ہے کہ جانے اللہ تعالیٰ کو میرا کام پسند آتا ہے کہ نہیں۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے انسان اس بات کو اچھی طرح سے سمجھتا ہے کہ جب بھی وہ اپنی طرف سے کوئی کام اچھے طریقے سے کرتا ہے لیکن دوسرے انسان کی نظر سے دیکھنے پر محسوس کرتا ہے کہ میں نے تو اپنے اعتبار سے اچھا کام کیا ہے، پتہ نہیں دوسرے کو پسند آیا ہے یا نہیں۔

دنیا میں انسانوں کے بارے میں انسان اتنا محتاط ہے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں محتاط ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے عمل کو قبول کرے گا یا نہیں۔ اس لیے نیک عمل پر بھی انسان کو ضرور سوچنا چاہیے کہ کیا واقعی میں نے ایسی نماز پڑھی ہے جو رب العالمین کی شان کے لائق ہو، جو اس کے جلال، اس کی عظمت اور اس کی عزت کے لائق ہو۔ لہٰذا استغفار ہر انسان کی ضرورت ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے بارے میں جاننا ضروری ہے اور اس کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ نبی ﷺ نے مغفرت کو سمجھانے کے لیے ایک عورت کی مثال دی تھی:

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ جنگلی قیدی حاضر کیے گئے ان میں ایک عورت بھی تھی جس کے پستان دودھ سے بھرے ہوئے تھے۔ جب قیدیوں میں ایک بچہ پر اس کی نظر پڑی تو دوڑ کر اس نے بچہ کو پکڑ کر سینے سے چمٹا لیا اور اس کو دودھ پلایا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے سوال کیا: ''دیکھو کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟'' ہم نے عرض کیا: ''نہیں وہ ایسا کر ہی نہیں سکتی'' فرمایا:

﴿لَلّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا﴾

''جس قدر یہ عورت اپنے بچہ پر مہربان ہے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔'' (بخاری:5999)

آپ ﷺ نے اس کی کیفیت کو دیکھ کر محسوس کیا کہ اب لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو، اس کی رحمت اور اس کی بخشش کو سمجھنا آسان ہو گا تو آپ ﷺ نے اس پورے عمل کو سب کے سامنے رکھ دیا۔ جیسے ہمارے ہاں جب ویڈیو کلپس بنتے ہیں یا کسی چیز کو دکھانا ہو تو اس کے لیے مصنوعی صورت حال پیدا کی جاتی ہے لیکن آپ ﷺ حقیقی صورت حال سے سمجھاتے تھے۔

کوئی عورت اپنے بچے کو آگ میں کبھی نہیں ڈالے گی تو کیا بچے سے خطائیں نہیں ہوتیں، غلطیاں نہیں ہوتیں؟ ایک ماں اپنے بچے کو کتنی بار معاف کرتی ہے؟ کیا کوئی گن سکتا ہے؟ بچے تو یہ بھی نہیں جانتے کہ ہماری کون سی بات ہماری ماں کو بری لگی اور وہ یہ سوچنا بھی نہیں چاہتے کیونکہ وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ ہمیں کیا برا لگ رہا ہے پھر بھی ماں بار بار معاف کرتی ہے۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی معافی، اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے بارے میں اپنے دور کے لوگوں کو بھی اور بعد میں آنے والوں کو بھی سمجھانے کی

کوشش کی ہے۔

ماں اپنے بچے سے جتنی محبت کرتی ہے اللہ تعالیٰ تو اس سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ماں کا کیا مقابلہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے تو سو حصے ہیں جن میں سے ایک حصہ ایسا ہے جو اس نے ساری مخلوقات میں تقسیم کر دیا اور اب انسانوں کے دلوں میں جو رحمت ہے، جو محبت ہے وہ اسی ایک حصے میں سے ہے اور گھوڑی اپنے بچے پر سے سم اٹھاتی ہے، اپنا پاؤں اٹھاتی ہے تو اسی رحمت کا حصہ ہے۔آپ تصور کر سکتے ہیں کہ کیسے رسول اللہ ﷺ مثالوں سے واضح کرتے تھے:

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لئے سو رحمتیں ہیں، ان میں سے ایک (رحمت) جنات، انسانوں، چوپاؤں اور کیڑوں مکوڑوں کے لئے نازل کی ہے۔جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر شفقت ومہربانی اور رحم کرتے ہیں اور اسی کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچہ پر شفقت کرتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں بچا رکھی ہیں جن سے وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحمت فرمائے گا۔" (بخاری:6974)

ایک حصہ ہے رحمت کا جو پوری انسانیت میں اور تمام مخلوقات میں تقسیم کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مغفرت فرماتے ہیں۔ننانوے حصے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں مومنوں کو معاف کرنے کے لیے رکھے ہیں۔سبحان اللہ! اس کی مغفرت کی وسعت کتنی ہے کہ وہ ہر کسی کو معاف کر سکتا ہے، اگر کوئی شرک نہ کرتا ہو۔شرک کو اس نے معاف نہیں کرنا یہ اس نے اعلان کر رکھا ہے۔ماں جب اپنے بچے کو معاف کر دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ ماں سے کہیں زیادہ بڑھ کر معاف کرنے والا ہے۔اس کی معافی کی وسعت کو ہم سمجھ ہی نہیں سکتے، اگر ماں معاف کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر معاف کر دیتا ہے۔آپ اللہ تعالیٰ کی

مغفرت اور اس کی رحمت کو سمجھنا چاہیں تو سوچیں کہ ماں بچے کو معاف کرتی ہے تو اپنی ممتا کی وجہ سے معاف کرتی ہے۔

ماں کے لیے معافی کا جذبہ کس نے پیدا کیا؟

اللہ تعالیٰ نے اور وہ تو معافی کو پیدا کرنے والا ہے۔ معاف کرنے جیسی خوبی بھی اس نے پیدا کی ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ خوبی کا وجود ہے؟

ہم جسمانی طور پر تو اس کا وجود نہیں دیکھتے لیکن معنوی وجود ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ فلاں بہت معاف کرنے والا ہے، فلاں بہت رحم کرنے والا ہے، بڑا مہربان ہے اور فلاں نرم مزاج ہے تو یہ ساری خوبیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ وہ ذات ہے جس نے محبت جیسی خوبی پیدا کی ہے، جس نے معافی جیسی خوبی پیدا کی ہے اور وہ سب کو معاف کرنے والا ہے۔ نہایت ہی اہم حدیث ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَھَبَ اللّٰهُ بِكُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ یُذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ (اللّٰهَ) فَیُغْفِرُ لَھُمْ﴾ (مسلم: 6965)

”اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جاتا اور ایسی قوم لے آتا جو گناہ کرتے، پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف کردیتے۔“

معافی طلب کرنا، استغفار کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے، اس لیے اس کے سوا کون ہے جس سے گناہوں کی مغفرت طلب کی جائے؟ لہٰذا قرآن حکیم میں اللہ رب العزت خود فرماتے ہیں کہ:

﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (آل عمران:135)

”اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے؟“

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو دعائیہ الفاظ میں پکارتے ہیں اور یہ سورہ الاعراف کی آیت نمبر 155 ہے جس میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں:

﴿اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ﴾

”تو ہی ہمارا مددگار ہے، سو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو بخشنے والوں میں سب سے بہترین ہے۔“ (الاعراف:155)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دوسروں کو معاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب کوئی انسان دوسروں کو معاف کرتا ہے تو دراصل خود کو اللہ تعالیٰ کی معافی کا حق دار بنا لیتا ہے۔ یعنی جب کوئی انسان کسی اور کو معاف کر رہا ہے تو دراصل اس کے اندر کیا چیز چھپی ہوئی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیے۔ اس امید نے دلوں کے اندر کتنی آسانی پیدا کر دی ہے کہ اگر آپ دوسروں کو معاف کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کر دے گا۔ اس لیے جس کو اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیے تو اس کو چاہیے کہ دوسروں کے گناہ معاف کر دے، دوسروں کی خطائیں اور غلطیاں معاف کر دے۔

ہم جب دوسرے انسانوں کو معاف کرتے ہیں تو ہمارا دل شفاف ہو جاتا ہے۔ جب ہمارا دل شفاف ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے ہمارے اندر نیکی کی گنجائش بنتی ہے۔ لیکن جب ہمارے دل میں کسی کے بارے میں کینہ یا بغض ہوتا ہے ہم کسی کو معاف نہیں کر پاتے تو اس کی وجہ سے شیطان کو بار بار ردعمل لگانے کا موقع مل جاتا ہے۔ وہ ردعمل کی نفسیات ابھارتا ہے یعنی غصہ، حسد، انتقام اور قتل اس کا آخری مرحلہ ہوتا ہے۔ لیکن ان مراحل سے گزرتے ہوئے بعض اوقات بہت وقت لگ جاتا ہے اور بعض اوقات کوئی وقت نہیں لگتا۔ انسان

رحمٰن کو تب عزیز ہوتا ہے جب وہ بھی معاف کرتا ہے۔

اسی لیے جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اگر مجھے لیلۃ القدر مل جائے تو میں کیا دعا کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ دعا کرو

﴿اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ﴾

"اے اللہ! تو معاف فرمانے والا ہے۔ معاف کرنے کو پسند کرتا ہے۔ پس تو مجھے معاف فرمادے۔" (جامع ترمذی:3513)

آپ کو زندگی میں کون سا انسان اچھا لگتا ہے جو اپنی خطا پر اکڑ جائے یا جو خطا کے بعد معافی مانگ لے۔ کوئی صحیح شعور رکھنے والا انسان ایسا نہیں جس کو معافی مانگنے والا برا لگتا ہو۔ جو دوسروں کو معاف نہیں کر سکتا دراصل وہ اپنے آپ کو ایسی حالت پر لے آتا ہے جہاں اسے بھی معافی نہیں ملتی۔ یہ نبی ﷺ نے ہمیں سمجھایا ہے کہ جب آپ دوسروں سے عفو و درگزر کا معاملہ کرتے ہیں تو آپ خود کو اللہ تعالیٰ سے معافی کا حق دار بنا لیتے ہو۔

﴿اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ارْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ﴾

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رحم کرنے والوں پر رحمن رحم کرتا ہے، تم لوگ زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔"

(ترمذی:1924)

پھر ہمارا یہ جذبہ صرف انسانوں تک محدود نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنے اردگرد موجود جانوروں، پودوں اور دیگر مخلوقات کے ساتھ بھی رحمت کا معاملہ کرنا چاہیے۔

"نبی ﷺ نے ہمیں ایک عورت کا واقعہ سنایا جس نے ایک پیاسے کتے کو پانی

پلایا اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کر دیا۔"

رحمت اتنی بڑی چیز ہے اور ابلیس ہمیشہ کوشش کرتا ہے کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی نظروں میں زیادہ بڑا مقام پا رہا ہے، جو انسانوں کے حق میں زیادہ رحیم اور شفیق ہے اسے کوئی نہ کوئی ردعمل لگا دے۔ وہ اسے کہیں نہ نہیں، کسی نہ کسی ایسے دائرے میں لے آتا ہے جس کی وجہ سے اس کے اندر سے رحمت اور شفقت مٹتی چلی جاتی ہے۔ جب کبھی ایک انسان کے بارے میں بھی ہم اپنے دل میں کینہ یا بغض رکھ لیتے ہیں تو ہم سنگدل ہو جاتے ہیں اور ہمارے دل سے رحمت اٹھ جاتی ہے۔ اس لیے ہمیشہ اس نیت کے ساتھ دوسروں کی خطاؤں سے درگزر کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں سے درگزر فرما دیں۔

ہمارے گناہ جنہوں نے دلوں کو بوجھل کر رکھا ہے، ہمارے اعمال نامہ سے مٹائے جا سکتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ کی صفات ہمیں یقین دیتی ہیں۔ اگر ہم اللہ وحدہ لاشریک کو پکاریں، اگر ہم اس غفار سے معافی مانگیں، اگر ہم یقین رکھیں کہ وہ سارے گناہ معاف کر سکتا ہے اور یہی ہمارا اللہ تعالیٰ کی ان صفات سے تعلق ہے۔ اللہ رب العزت نے خود فرمایا ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾

"آپ کہہ دیں کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ یقیناً وہی بڑا بخشنے والا، بڑا رحم والا ہے۔" (الزمر:53)

وہ سارے گناہ معاف کر دے گا کیونکہ اس کے پاس مکمل قدرت ہے اور وہ رحیم ہے، بے حد رحمت والا ہے اور اس کی رحمت وسیع ہے۔ ہم اس غفور و رحیم سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے سارے گناہ معاف کر دے اور اپنی رحمت سے ہمیں اپنی محبت عطا کر دے

اور ہر اس عمل کی محبت عطا کردے جو اس کی محبت کے قریب کردے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی میں ہر کام اپنی رضا کے لیے کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور دنیا میں ہم سب کو بار بار اپنے گھر کا عمرہ کرنے، زیارت کرنے اور اپنے گھر کا حج کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ALNOOR-PUBLICATIONS

ALNOOR-PUBLICATIONS

العظیم، الباسط، القابض

الظاہر، الباطن

مخلوق کی باتیں، معاملات کی باتیں، حالات وواقعات کی باتیں تو سب ہی کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے اپنے آخری نبی ﷺ کو یہ حکم دیا تھا:

﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ (المدثر:3)

”اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔“

اس مقصد کے لیے اس نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ آپ کو یونہی یہ حکم نہیں دیا جارہا کہ آپ اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنی پاک کتاب نازل کی ہے اور اس نے فرمایا:

﴿اَلرَّحْمٰنُ ﴿١﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿٢﴾﴾ (الرحمٰن:2,1)

”وسیع رحمت والے نے۔ قرآن کی تعلیم دی۔“

﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿٣﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿٤﴾﴾ (الرحمٰن:4,3)

”اُس نے انسان کو پیدا کیا۔ اُسے بولنا سکھایا۔“

یہ اس کی ذات کی رحمت ہے کہ اس نے بیان کرنا سکھایا، پھر ہم سے یہ مطالبہ کیا کہ ہم اس کی باتیں کریں، اس کی بڑائی بیان کریں۔ اسماء وصفات کو اسی مقصد کے لیے پڑھنا ہے کہ ہم اپنے رب کو سوچیں، اس کو یاد کریں، اسے یادوں میں بسائیں۔ ہم غور وفکر کریں کہ کس طرح اس نے اردگرد کی کائنات سے اور خود اپنی ذات کا تعارف کروایا ہے تاکہ اس کی صفات پر یقین کرنے کے قابل ہوں۔ غور وفکر راستہ ہے، اللہ پاک نے اس کا حکم دیا ہے اور کتنے ہی مقامات پر قرآن حکیم میں اس کا ذکر ملتا ہے، کہیں اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے:

﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (البقرہ:44) ”تو کیا تم نہیں سمجھتے؟“

﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (یونس:3) ”تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟“

تمہیں کیا ہے کہ اس قرآن پر تم تدبر نہیں کرتے؟

کیا تمہارے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟

اگر قلب کے اندر گنجائش ہے تو وہ اس کی طرف مائل کیوں نہیں ہوتا؟

اس دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات کو دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات کو ہمارے لیے اس کی طرف لوٹنے کے لیے، دعا کرنے کے لیے، اس کی رحمتوں کے حصار میں جانے کے لیے اور اس کی پسند کے مطابق خود کو ڈھالنے کے لیے Point of reference بنا دے۔ دعا ہے رب جلیل وکریم سے کہ وہ ہمیں اپنی ذات کا ایسا گہرا شعور دے جس کی وجہ سے ہمارے دل اس کے ساتھ جڑ جائیں اور ہم اسی طرح زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں جس طرح سے اس کی چاہت ہے اور جو ہماری فطرت کی ضرورت ہے (آمین)۔

اللہ تعالیٰ ''العظیم'' ہے

آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عظیم نام کا تعارف کروایا ہے:

﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ (البقرہ:255)

''اور وہی سب سے بلند، سب سے بڑا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا نام العظیم اس کی عظمت اور اس کی بڑائی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ:

نہ اس کے علم کی کوئی حد ہے

نہ اس کی بصارت کی کوئی حد ہے

نہ اس کی سماعت کی کوئی حد ہے

اور نہ اس کی خبر کی کوئی حد ہے

لہٰذا اس کی کبریائی، اس کی بڑائی کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے لیکن کسی حد تک کوشش کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس مبارک نام کا تعلق اس کے عرش سے بھی ہے جیسا کہ سورہ التوبہ میں رب العزت فرماتے ہیں۔

﴿وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ (التوبہ:129)

''اور وہی عرشِ عظیم کا رب ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی عظمت کے بارے میں اندازہ لگانا انسانی عقل کے بس میں نہیں ہے لیکن اس کے آگے جھکتے ہوئے، اس پر کامل یقین رکھتے ہوئے ہم اس کے آگے سربسجود ہوتے ہیں۔ یہ اس کی ذات کی رحمت ہے کہ اس نے اپنی عظمت کے احساس کو، شعور کو، لفظوں میں ہمارے رکوع میں رکھنے کا حکم دیا۔ ہر بار جب ہم نماز میں رکوع کرتے ہیں تو نبی ﷺ کے سکھائے ہوئے طریقے کے مطابق ہم کہتے ہیں:

﴿سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ﴾

''پاک ہے میرا رب عظمت والا۔''

وہ جو بے حد عظیم ہے، وہ پاک ہے، اس کی ذات میں کوئی نقص نہیں، وہ عظیم ہے۔ عظمت اسی کو کہتے ہیں اور اس کا نقص سے پاک ہونا اس کی عظمت کو ثابت کرتا ہے۔

العظیم کے احکامات عظیم ہیں

اس کے احکامات ہر قسم کے نقص سے پاک ہیں، اس لیے اس کے احکامات عظیم ہیں۔ اس کے مقابلے میں کوئی ایسا حکم نہیں رکھا جا سکتا، کوئی ایسا اصول نہیں رکھا جا سکتا جو انسانوں نے وضع کیا ہو کیونکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ سوچیں جنہوں نے سفاک قاتلوں کے لیے اور سفاک زانیوں کے لیے رجم کی سزا پر اعتراض کیا تھا آج وہ خود مطالبہ

کرتے ہیں ایسی سزا دی جائے معصوم بچیوں کے ساتھ زیادتی کرنے والوں کو کہ جس کی وجہ سے صرف ایک بار جان نہ نکلے بلکہ تکلیف کی شدت کو وہ محسوس کیے بغیر دنیا سے نہ جائیں۔ مجھے یہ بتائیے شادی شدہ زانی کی جو سزا ہے کیا اس سے بڑھ کر کوئی سزا ہو سکتی ہے؟ گڑھے میں کھڑا کرو، پتھر مارو، سارے ماریں اور بھاگنے نہ دیں کیونکہ گڑھا کھدوایا ہی اس مقصد کے لیے ہے۔ جب انسان کو پتھر پڑتے ہیں، خون کے فوارے ابلتے ہیں، وہ تڑپتا ہے، بھاگنا چاہتا ہے لیکن بھاگ نہیں سکتا، ہر کوئی پتھر مارتا ہے۔ باتوں کے پتھر تو سارے مار لیتے ہیں لیکن اللہ پاک کا قانون عظیم ہے اور وہ انسانی فطرت کے مطالبات کا جواب ہے۔ اور اگر کوئی غیر شادی شدہ ہو تو ایک کوڑا نہیں، دو نہیں، سو کوڑے مار کر اس کی پیٹھ اُدھیڑ دی جائے تا کہ آئندہ کوئی ایسی بری حرکت کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے۔

العظیم کی کتابیں عظیم ہیں

اس کی کتابیں عظیم ہیں، جو زندگی کے لیے Instructional Manual کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ کتابیں جن میں پچھلی قوموں کے حالات بھی ہیں، جن میں احکامات بھی ہیں، جن میں آئندہ آنے والے دور کے معاملات بھی ہیں اور ان کے بارے میں خبریں اور پیشین گوئیاں بھی ہیں۔ اس کتاب میں رب العزت کی صفات بھی ہیں اور یہ کتاب ایسی ہے جس کے اندر ایک ہی وقت میں انسان کی ساری مانگوں کا جواب ہے۔ ایسی اور کوئی کتاب نہیں ہے جس میں کوئی شبہات نہ ہوں، لکھنے والے کو ہی شبہات ہو جاتے ہیں، اس لیے اگلے ایڈیشن میں کچھ اور تبدیلیاں کر دی جاتی ہیں۔ یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، یہ وہ کتاب ہے باطل نہ اس کے آگے سے آ سکتا ہے نہ اس کے پیچھے سے آ سکتا ہے۔ یہ کتاب ہے جس میں سینکڑوں برس گزر جانے کے باوجود کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہ عظیم کتاب اس رب

عظیم کی جانب سے ہے جس کی ذات میں کوئی نقص نہیں، جس کی بات میں کوئی نقص نہیں۔

العظیم کے رسول عظیم ہیں

اس کی ذات حق، اس کی بات حق اور اس نے جو رسول بھیجے وہ بھی حق ہیں۔ اس نے انسانوں میں سے عظیم شخصیات کا انتخاب کیا جو معصوم عن الخطاء تھے، جو اللہ تعالیٰ کے آگے سب سے زیادہ جھکنے والے، اس کے احکامات کے مطابق سب سے زیادہ اپنے آپ کو چلانے والے اور دوسروں کو چلانے والے تھے۔ اس کی ساری تعلیمات حق ہیں اور ساری تعلیمات عظیم ہیں خواہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبے، کسی بھی گوشے کے بارے میں ہیں تو ان تعلیمات کے مقابلے کی کوئی تعلیم نہیں ہے۔ ہم اپنے رب کی عظمت کی وجہ سے، ہم اپنے رب کے عظیم کاموں کی وجہ سے، عظیم معاملات کی وجہ سے اس کی اطاعت کرتے ہیں، اس سے محبت کرتے ہیں، اس کی عزت بجا لاتے ہیں اور اپنی کوتاہیوں سے درگزر کی درخواست کرتے ہیں (آمین)۔

العظیم سے بندے کا تعلق

اس عظیم رب سے، جو بلند ہے، جس کی شان نرالی ہے، ہمارا تعلق کیا ہے؟

العظیم نام میں ہمارے لیے Point of reference کیا ہے؟

اس کا بندہ اس کے آگے عاجز ہے

اس کا بندہ عظیم ذات سے تعلق کا محتاج ہے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنی عظمت کا یقین نصیب فرمائے اور ہمیں اپنی عظمت پر غور و فکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

العظیم کے بنائے ہوئے نظام عظیم ہیں

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے حوالے سے، اس کی کتابوں کے حوالے سے اور اس کے

احکامات کے حوالے سے میں نے آپ کے سامنے کچھ References رکھے لیکن اس کائنات میں اس کی عظمت کی کتنی نشانیاں ہیں۔ آپ بڑی سے بڑی کسی مخلوق کو دیکھ لیں تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ آپ اس مقصد کے لیے غور وفکر کرنا چاہتے ہیں تو اس کائنات کا مطالعہ ضرور کریں جیسے اپنی زمین کو دیکھئے۔ اس زمین پر جہاں آپ رہتے ہیں اس کے بارے میں اب ایسی تحقیقات اور ایسی دستاویزی فلمیں موجود ہیں جن کے توسط سے آپ اپنے آپ کو اپنے شہر میں، اپنے شہر کو اپنے ملک میں، اپنے ملک کو زمین میں، زمین کو سولر سسٹم میں، سولر سسٹم کو کہکشاں میں اور کہکشاں کو اگلی تقسیم میں دیکھ سکتے ہیں۔ اس طرح آپ بتدریج اس کی عظمت کی طرف چلے جائیں گے لیکن آپ اس کی عظمت کا اندازہ اس کی باریک بینی سے بھی لگا سکتے ہیں۔ پھر جب آپ واپس لوٹیں گے تو اپنی ذات تک چلے آئیں گے اور اپنی ذات سے اگر صرف اپنی آنکھ پر غور وفکر کرنا شروع کریں تو سائنسی تحقیقات بھی آپ کی مدد کریں گی کہ آنکھ کیسے دیکھتی ہے اور آنکھ کے اندر جو خلیے کام کرتے ہیں اس کی بنیادی تقسیم سے کیسے آگے اور تقسیم ہے۔ اس کا بنایا ہوا ہر نظام کتنا عظیم ہے اور یہ ساری چیزیں انسان کو اپنے رب کے آگے جھکنے کے لیے، اس کے سامنے اپنی عاجزی پر معافی طلب کرنے کے لیے تیار کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے ہی غور وفکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

اللہ تعالیٰ ’’الباسط‘‘ اور ’’القابض‘‘ ہے

اللہ تعالیٰ کے خوب صورت ناموں میں سے ایک نام ’’الباسط‘‘ بھی ہے۔

اس کا مطلب ہے ’’خیر کثیر عطا کرنے والا‘‘۔

یعنی وہ رب جو کشادگی پیدا کرتا ہے، کھلا عطا کرتا ہے، جس کی عطا کی کوئی حد نہیں ہے۔

رب العزت نے سورہ البقرہ کی آیت نمبر 245 میں اس کا اظہار کیا ہے:

﴿مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضۡعَافًا کَثِیۡرَۃً ؕ وَاللّٰہُ یَقۡبِضُ وَیَبۡصُۜطُ ۪ وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ﴾

”کون ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے؟ سو وہ اس کو بڑھا چڑھا کر اس کے لیے کئی گناہ کر دے اور اللہ تعالیٰ ہی تنگی اور کشادگی پیدا کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“

اللہ تعالیٰ کے نام الباسط کا ذکر عمومی طور پر القابض کے ساتھ آتا ہے، دونوں نام بالکل متضاد معانی رکھتے ہیں مگر معانی اور مطالب کے حوالے سے ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خیر کثیر عطا کرنے والا ہے تو اس کی عطا کیسی ہے؟ نبی ﷺ اپنی دعاؤں میں کیسے اللہ تعالیٰ کی عطا کو رکھا کرتے تھے:

﴿اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ﴾ (بخاری:6330)

”اے اللہ! تیری عطا کوئی روکنے والا نہیں اور تیری دی ہوئی چیز کوئی عطا کرنے والا نہیں اور دولت مند کو اس کی دولت تیرے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔“

تو عطا کرے تو بے شمار عطا کرے، تجھے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور تیری عطا کے مقابلے میں کوئی عطا کرنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں کیا کچھ بانٹتا ہے؟ جو بھی بانٹتا ہے وہ خیر اور بھلائی ہے۔ انسانوں کی ضروریات کی تکمیل کے لیے کیا کچھ ہے؟ جو وہ رب العالمین عطا کرتا ہے۔ وہ کیسے زندگی دیتا ہے، جسموں کے اندر روح ڈالتا ہے اور سانس لینے کی صلاحیت عطا کرتا ہے۔ وہی تو ہے جس نے ہمیں حواس عطا کیے، ہمیں عقل جیسی دولت عطا کی پھر ہمارے ساتھ حسن معاملہ کیا اور ہمارے اندر اپنی روح پھونکی ہے۔ جس کی خبر اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ہمیں دیتے ہیں۔

﴿وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي﴾ (الحجر:29)

''اور اپنی روح سے اُس میں پھونک دوں۔''

نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کیا، اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور دو خوبیوں کے وسیلے سے دعا کی:

﴿اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ، اللّٰهُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ، وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ، وَلَا هَادِيَ لِمَنْ أَضْلَلْتَ، وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَ، وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ، اللّٰهُمَّ ابْسُطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ، وَرَحْمَتِكَ، وَفَضْلِكَ، وَرِزْقِكَ﴾ (احمد:15492)

''اے اللہ! سب تعریف تیرے لیے ہیں۔ اے اللہ! اسے کوئی تنگ کرنا والا نہیں ہے جسے تو کشادہ کردے، اور اسے کوئی کشادہ کرنے والا نہیں ہے جسے تو تنگ کر دے، اور اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے جسے تو گمراہ کردے اور اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے جسے تو ہدایت دے دے، اور اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے جسے تو روک دے اور اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے جسے تو عطا کردے۔ اور اسے کوئی قریب کرنے والا نہیں ہے جسے تو دور کردے اور اسے کوئی دور کرنے والا نہیں ہے جسے تو قریب کردے۔ اے اللہ! اپنی برکت، رحمت، فضل اور رزق کو ہم پر کشادہ کردے۔''

جب ہمیں ضرورت درپیش ہو تو ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے ان ناموں کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے یعنی ''الباسط اور القابض'' تو یقیناً وہ ہمارے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کرے گا کیونکہ وہ بہت خیر کثیر عطا کرنے والا ہے۔

''القابض'' کا مادہ کیا ہے؟ (ق ب ض)

وہ کیسا قبض کرنے والا ہے؟

وہ جان کو قبض کرلے تو کوئی لوٹا نہیں سکتا اور ہر ایک کی پیشانی کے بال اس کی مٹھی میں ہیں۔ اگر کسی سے ہدایت کو روک دے تو کوئی ہدایت عطا کرنے والا نہیں ہے۔

وہ کیا کچھ قبض کرسکتا ہے؟

زمین کا پانی قبض کرسکتا ہے اور اگر تمہاری زمین سے وہ پانی لے جائے تو پھر کہاں سے بہتے ہوئے پانیوں کی سوتیں کوئی نکال کردے گا۔ دلوں سے ایمان کو قبض کرسکتا ہے اور اگر وہ ایمان کو قبض کرلے تو کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہے۔ کسی علاقے سے اگانے کی صلاحیت کو قبض کرسکتا ہے اور بنجر زمینیں ہمیں بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ القابض ہے۔ وہ جس چیز کو بھی چاہتا ہے روک لیتا ہے، چاہے تو پانی کو روک لے، کسی سے پھل روک دے اور کسی سے سبزیاں، اجناس روک دے۔ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس کے ہاتھ میں جہانوں کا نظام ہے اور وہ کس طرح سے انسانوں کے لئے آسانیاں کردیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کی عطا اتنی کثیر ہے جس کے بارے میں ایک حدیث قدسی میں ہمیں ملتا ہے (نبی ﷺ کی وہ حدیث جس میں تذکرہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اسے حدیث قدسی کہتے ہیں) جس میں رب العالمین نے فرمایا:

''اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے، انس و جن سب ایک کھلے میدان میں جمع ہوکر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر ایک کو اس کے سوال کے مطابق عطا کر دوں تو اس سے میرے خزانوں میں اتنی ہی کمی ہوگی جتنی کمی سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکالنے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔'' (مسلم:6572)

اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے اس لئے وہ خیر کثیر عطا کرنے والا ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ سے کوئی خیر چاہیے، جو بھی چاہیے اللہ تعالیٰ سے مانگیں گے تو وہ دے گا۔ جس سے بھی پناہ چاہیں گے وہ پناہ دے گا، وہ ہر شر سے بچانے والا، ہر خیر عطا کرنے والا ہے۔ اس لئے ہمیشہ تنگی کے موقع پر ''الباسط'' کو یاد رکھنا ہے کہ وہ خیر کثیر عطا کرنے والا ہے۔ اگر آپ کو علمِ کثیر چاہیے تو جہانوں کے بادشاہ سے دعا کریں:

﴿رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾

''اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر دے۔''

آپ کو رزق میں اضافہ چاہیے تو اس رب کریم سے دعا کریں۔

﴿اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا﴾

''اے اللہ ہمیں رزق عطا کر دے۔''

آپ کو اچھے اعمال میں اضافہ چاہیے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ مجھے عمل میں آگے بڑھا دے۔ آپ کو رشتوں کی محبت چاہیے، آپ کو زندگی گزارنے کے لئے وسیع رزق چاہیے، آپ کو اولاد کی بہتری چاہیے، آپ کو ماں باپ کی شفقت چاہیے، آپ کو زندگی کی کٹھن راہوں میں آسانیاں چاہئیں تو وہ اتنی آسانیاں عطا کرے گا کہ کوئی مشکل نہیں رہ جائے گی۔

اس بات پر دل سے یقین کر لیں کہ:

وہ آسانیوں کا مالک ہے

اور آسانیاں اس کی پیدا کردہ ہیں

آسانیاں اس کی مٹھی میں ہیں

وہ جس کو چاہتا ہے آسانیاں عطا کر دیتا ہے

اس لئے اپنے رب کے ہوتے ہوئے کبھی مشکلات میں گھبرانا نہیں ہے۔ فیصلے اس

کے،تقدیر اس کی اور وہ جب چاہے گا عطا کردے گا۔ہم نے مانگتے ہوئے کبھی کمی نہیں کرنی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں مانگنے کا صحیح طریقہ سکھا دے(آمین)۔

اللہ تعالیٰ ''الباطن'' اور ''الظاہر'' ہے

اللہ تعالیٰ کے خوب صورت نام ''الباطن'' کے معنی ہیں ''چھپا ہوا''۔

''الباطن'' کا مادہ کیا ہے؟ (ب ط ن)

''بطن'' پیٹ کو کہتے ہیں کیونکہ وہ چھپا ہوا ہے۔اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ﴾ (الانعام:103)

''نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ سب نگاہوں کو پا لیتا ہے۔''

وہ چھپا ہوا ہے،حواس خمسہ کی زد میں نہیں آسکتا اور اتنا چھپا ہوا ہے کہ نگاہیں اس کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔وہ ایسے چھپا ہوا ہے اور اتنا چھپا ہوا ہے کہ ہم اس کی ذات کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتے۔

لیکن وہ ''الباطن'' ہونے کے باوجود ''الظاہر'' بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خوب صورت نام ''الظاہر'' کے معنی ہیں ''سب سے زیادہ ظاہر''۔

وہ اس دنیا میں اپنی تخلیق سے ظاہر ہے کہ تخلیق میں خالق کو دیکھ لیں،چھپی ہوئی ذات کو اس کے نقص سے پاک اعمال سے دیکھ لیجئے،اس کے افعال سے دیکھ لیجئے۔اللہ رب العزت ''الباطن'' ہے اور اس نے جتنے بھی نظام بنائے ہیں،جن میں انتہائی پیچیدہ نظام بھی ہیں اور بہت آسان نظام بھی ہیں لیکن یہ سارے نظام اس کے وجود کے باطن ہونے کے باوجود اس کے ظاہر ہونے پر دلیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں نازل کیں اور جتنے دین اس دنیا میں بھیجے (وہ دین تو ایک ہی

ہے جس سے لوگوں نے اپنی طرف سے مختلف ادیان بنا لیے ہیں) وہ سب اس کے وجود پر دلیل ہیں اور اس کی پہچان کا ذریعہ ہیں۔ ہم اس کے دیے ہوئے کسی دین سے بھی اس کی ذات کا ٹھیک ٹھیک ادراک نہیں کر سکتے کیونکہ ہماری آنکھیں اسے دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اسی وجہ سے ہم اس مادی نظام میں رہتے ہوئے اس کے بارے میں صحیح تصور قائم نہیں کر سکتے البتہ یہ ضرور ہے ہم اس کے بارے میں جانتے ہیں کہ وہ اپنے عرش پر مستوی ہے لیکن اس کے باوجود اپنے بندوں سے بہت قریب ہے، اس نے خود فرمایا ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ﴾ (البقرہ:186)

”جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں ان کو بتا دو میں ان سے قریب ہوں۔“

یعنی وہ چھپا ہوا ہے لیکن چھپے ہوئے کو قریب محسوس کریں کیونکہ وہ ظاہر اور باطن سے خوب واقف ہے۔ اپنی پاک کتاب میں اس نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ق:16)

”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اُن کو جانتے ہیں جن کا وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم رگِ جان سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔“

یہ دعا کے لئے Point of Reference ہے، اس کا قرب، اس کی عطا جو قریب ہے، وہ دعائیں سنتا ہے اور وہ دلوں کا حال جانتا ہے۔

جو قریب ہے وہ اپنے قرب کی وجہ سے
اور سارے حالات سے واقف ہونے کی وجہ سے
وہ سب کچھ عطا کر سکتا ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے

اس سے دعا ہے کہ! ہمیں اپنی ذات کا ایسا قرب نصیب فرمائے جس کی وجہ سے دنیا کی کوئی اور چیز ہماری تمنا، ہماری طلب، ہماری خواہش نہ بن سکے۔ اور اس سے دعا ہے کہ! ہمیں اپنے قرب والے کام کرنے کی توفیق عطا کردے (آمین)۔ قرب والے کاموں میں سے ایک سجدہ ہے جس کے بارے میں وہ خود ہمیں خبر دیتا ہے اور یقین دلاتا ہے کہ:

﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾

''سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ۔'' (العلق:19)

الظاہر اور الباطن سے اس کے بندے کا تعلق

اللہ تعالیٰ کے نام ''الظاہر اور الباطن'' کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لئے اس کے قرب کا احساس ضروری ہے اور اس کے قرب کے لیے قرب والے کام کرنے ہیں۔ سجدہ قرب عطا کرتا ہے لہٰذا سجدے سے قریب ہو سکتے ہیں اور صدقہ کر کے انسان اپنے رب کے قریب ہو جاتا ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

''صدقہ رب کے غضب کو بجھاتا ہے۔'' (ترمذی:664)

دعا سے انسان اپنے رب کے قریب ہو جاتا ہے کیونکہ دعا ہی تو اصل عبادت ہے اور عبادت ہی زندگی کا مقصد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةِ﴾ (ابوداؤد:1479)

''دعا ہی تو عبادت ہے۔''

اسی طرح قربت والے کاموں میں روزہ ہے کیونکہ روزے کی حالت میں انسان اپنے رب کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور زیادہ اچھے طریقے سے اس کی ذات پر یقین کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ روزے میں انسان بھوک، پیاس اور تنہائی کے باوجود روزہ نہیں توڑتا تو یہ قرب ہے کہ

اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے

اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی زد میں سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارے قریب ہے اور وہ جانتا ہے۔ قرب والے کاموں میں تفکر بہت بڑا کام ہے لہٰذا غور وفکر کر کے ایسے طریقے سوچیے کیونکہ غور وفکر سے وہ قریب آ سکتا ہے جیسے قرآن حکیم میں اس نے فرمایا:

﴿أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ﴾ (الانفال:24)

''اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے دل کے درمیان رکاوٹ بن جاتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہمارے اتنے قریب ہیں کہ ہمارے دل میں سوچ بعد میں آتی ہے اور اسے پہلے پتہ چل جاتی ہے۔ آپ اس کو جتنا غور کریں گے اور موقعے پر غور کریں گے، جب بھی آپ کے اندر کوئی خیال آئے اور آپ کے دل میں یہ بات آئے کہ:

اللہ تعالیٰ کو پتہ ہے

تو یہ چیز آپ کو تقویٰ کے اعلیٰ میعار تک لے جائے گی۔ پھر اس نے اپنے قرب کا تصور یوں دلایا ہے:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ (ق:16)

''اور ہم رگ جان سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔''

اسی طرح سے نوافل کے ذریعے ہم اس کے قریب ہو سکتے ہیں جیسا کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو واضح فرمایا:

﴿عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللهَ قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ

حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ: كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ، يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ»

(بخاری:6502)

’’سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں، اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں اور میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے اپنے مومن بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے۔ وہ تو موت کو بوجہ تکلیف جسمانی کے پسند نہیں کرتا اور مجھ کو بھی اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے۔‘‘

پھر نوافل پڑھنے والے کس طرح قریب ہوتے ہیں، اس قرب کو واقعہ معراج میں آپ تلاش کر سکتے ہیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے لئے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں اپنے آگے آگے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی آواز سنی پھر جب آپ واپس تشریف لائے تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ

سے پوچھا کہ آپ ایسا کیا کام کرتے ہو۔

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ سے فجر کے وقت پوچھا کہ اے بلال! مجھے اپنا سب سے زیادہ امید والا نیک کام بتاؤ جسے تم نے اسلام لانے کے بعد کیا ہے کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتوں کی چاپ سنی ہے۔ بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے تو اپنے نزدیک اس سے زیادہ امید کا کوئی کام نہیں کیا کہ جب میں نے رات یا دن میں کسی وقت بھی وضو کیا تو میں اس وضو سے نفل نماز پڑھتا رہتا جتنی میری تقدیر لکھی گئی تھی (جس میں میرے دل میں کوئی خیال نہیں ہوتا یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا خالص کر کے)۔'' (صحیح بخاری:1149)

لہٰذا نوافل سے اخلاص سیکھیں اور نوافل سے یکسو ہونا سیکھیں کہ اپنے دل کو خالی کر کے کیسے اپنے رب کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں اور اس کے لئے تحیۃ الوضو بہت مدد کر سکتے ہیں۔ پھر نوافل میں جیسے تہجد کے نوافل ہیں، چاشت کے نوافل ہیں اسی طرح سے جب کبھی کوئی مصیبت، پریشانی ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نماز ادا کرتے تھے اور اس پریشانی سے نکل آتے تھے کیونکہ رب کا قرب انسان کو ہر تکلیف، ہر غم، ہر پریشانی سے بچا لیتا ہے اور انسان صبر کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّٰبِرِينَ﴾ (البقرہ:153)

''یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

آپ قرب کے اعمال پر غور کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے قرب والے اعمال انجام دے کر اس کے قریب ہو جائیں گے اور اس کے چھپے ہوئے ہونے کے باوجود گہرا تعلق بنا لیں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

سوال وجواب

طالبہ: جب ہم تہجد کے وقت نوافل پڑھنے کے لیے اٹھتے ہیں تو قرآن کی رویژن بھی کرنی ہوتی ہے۔اس وقت یہ لگتا ہے کہ اگر نوافل زیادہ پڑھے تو رویژن رہ جائے گی۔

استاذہ: آپ اپنے آپ کو خود ہی تنگ کر لیتے ہیں، اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی ضرورت ہے۔الباسط اور القابض کس کو سمجھتے ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب انسان کے بہت سے کام ہوتے ہیں تو اس کے لیے بہت مشقت ہوتی ہے، بہت تکلیف ہوتی ہے کہ ٹائم تو اتنا ہی ہے، اب نوافل پڑھوں تو جو علم کا سلسلہ ہے وہ رہ جاتا ہے اور اگر میں وہ پورا کروں تو نوافل جاتے ہیں، پھر میں کیا کروں؟ اس کا حل یہ ہے کہ ان کو ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح اکٹھا نہ کریں کہ ایک دوسرے کا ٹائم Disturb ہو جائے، اس میں خلل آجائے۔ کچھ اور چیزیں ہیں جہاں کٹ لگانے کی ضرورت ہے مثلاً ایسے اوقات جن میں آپ کا کوئی نفع مند کام نہیں ہے اور ایسے بہت سارے اوقات ہوتے ہیں اگر ان میں کچھ پڑھ سکتے ہیں تو ان اوقات کو ضرور استعمال میں لائیں۔ ایسے اوقات جہاں پر آپ بالکل فارغ ہیں مثلاً سفر میں، لیکن آپ کو لگتا ہے کہ سفر کے دوران کیسے کچھ پڑھا جا سکتا ہے۔ سفر چاہے تعلیمی ادارے سے آپ کے گھر تک کا ہو، اس وقت سے علم کے حصول کے لیے ضرور فائدہ اٹھائیں۔

جب آپ وقت کو منظم کر لیتے ہیں کہ اس وقت میں نے فلاں کام کرنا ہے، اس وقت فلاں کام کرنا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کے لیے ایک چیز بھی نہیں بچے گی جو آپ کی تہجد کی نماز کے راستے میں حائل ہو جائے۔ پھر اس کے علاوہ بھی آپ کے پاس وقت ہو گا، اس میں آپ مزید دہرائی کر لیں گے (ان شاء

اللہ)۔ آپ ہمیشہ وقت کے چھوٹے ٹکڑوں سے فائدہ اٹھائیں تو یہ آپ کے لیے دیرپا طریقہ کار ہوگا یعنی ہمیشہ رہے گا جب تک آپ حیات ہیں۔ انسان کی زندگی کے وہ اوقات جن کو اس نے علم کے لیے مختص کر رکھا ہے اس میں تو وہ لمبا ٹائم دے لیتا ہے لیکن جب دوبارہ اپنی زندگی کے معمول میں واپس جاتا ہے تو پھر اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسے لگتا ہے کہ جب لمبا وقت لگاؤں گا تو علم حاصل کرسکوں گا اور لمبا وقت میرے پاس نہیں ہے اس لیے اب علم کا حصول بھی ممکن نہیں ہے۔

لہٰذا آپ وقت کے چھوٹے چھوٹے حصوں سے فائدہ اٹھائیں مثلاً اگر پانچ منٹ کا وقفہ ہے تو کیا پانچ منٹ میں آپ ایک رکوع دہرا سکتے ہیں؟ سچ سچ بتائیے دن میں کتنے پانچ منٹ آتے ہیں جنہیں ہم یوں ہی بے کار گزار دیتے ہیں۔ کبھی آپ کے پاس تین منٹ کا بھی کوئی ٹائم آجائے گا، کوئی دو منٹ کا ٹائم بھی آجائے گا اور جب آپ کے اندر ایک لو لگی ہوئی ہوگی تو بہت آسانی ہو جائے گی پھر مشکل نہیں ہوگی۔ نوافل سے محبت کریں کیونکہ نوافل تو وہ پڑھ سکتا ہے جس کا یہ ہدف ہو کہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونا ہے۔ آج ہی آپ کو پتہ چلا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرنا ہے اور تلاش کریں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔ اس جہان میں رہتے ہوئے اس سے تعلق کا ذریعہ ہی یہ ہے کہ اسے دیکھ تو نہیں سکتے لیکن اس کا قرب محسوس کرسکتے ہیں۔ جب آپ صبر کرتے ہیں تو کیا اس وقت اللہ تعالیٰ کا قرب محسوس کرتے ہیں؟ کیونکہ اللہ پاک نے تو فرمایا ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرہ:153)

”یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے

اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے

لٰہذا ان خصوصیات کو اپنے اندر پیدا کیجئے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب ملتا ہے تو اس کی وجہ سے آپ کی پوری زندگی کا نقشہ بدل جائے گا۔ وقت میں برکت تو وہ رب کریم دینے والا ہے اس لیے اس سے طلب کریں، ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی۔

العفو، الباری، الاول

الآخر، الظاہر، الباطن

الرب، الحی

ALNOOR-PUBLICATIONS

وہ ذات جس کے اسماء وصفات کی ہم بات کر رہے ہیں وہ ہر جگہ موجود ہے اور انسان اس کو پا سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ دیکھنے والی نگاہ انسان کو حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے وہ اتنا حیرت انگیز ہے کہ انسان اسے دیکھ کر اس کی صناعیوں میں ڈوب جاتا ہے۔ یہ جہانوں کے بادشاہ کی تخلیق ہے جس میں ہر وقت اس کا چہرہ جھلکتا ہے مگر ہم عموماً اپنی اردگرد کی دنیا کو دیکھتے دیکھتے عادی ہو جاتے ہیں اور اتنے مانوس ہو جاتے ہیں کہ اس کے انوکھے پن کا ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا۔

ہم اپنے اردگرد کی دنیا میں دیکھیں تو ہوا ہے، پانی ہے، درخت ہیں، آسمان ہے، زمین ہے، پرندے ہیں اور جانور ہیں۔ سب کتنے عجیب ہیں لیکن عادی ہونے کی وجہ سے ہم ان سب کو عجیب محسوس نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز اپنے پیدا کرنے والے کا آئینہ ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے ہم انہیں دیکھتے دیکھتے ان کے عادی ہو جاتے ہیں اور غور وفکر کرنے کے قابل نہیں رہتے لیکن جب انسان کسی نئے مقام پر جاتا ہے اور وہاں کے تخلیقی مناظر دیکھتا ہے تو اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ مثلاً ایک شخص جب اچانک چاند پر اترا اور پہلی بار وہاں کے تخلیقی مناظر کو دیکھا تو خالق کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکا اور اس نے تخلیق میں خالق کو پالیا۔

ہماری موجودہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا تجربہ ہو سکتا ہے مگر اس صورت میں جب دنیا کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا جائے جیسے چاند کا ایک نیا مسافر چاند کو دیکھتا ہے۔ اگر اسی نظر سے ہم اپنی دنیا کو دیکھنے لگیں تو ہر وقت اپنے پاس اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا تجربہ ہر ایک کو ہو سکتا ہے۔ ہم اس طرح رہ سکتے ہیں جیسے ہم اللہ تعالیٰ کے ہمسائے میں رہتے ہوں اور وہ ہر وقت ہماری نظروں کے سامنے ہو۔ آپ اپنی زندگی میں دیکھیں کہ جب آپ کسی مشینری

کو دیکھتے ہیں تو بنانے والے انجینئر کو محسوس کرتے ہیں اور حیرت سے اظہار کرتے ہیں کہ:

کیا چیز بنائی ہے!

اسی طرح اگر دنیا کو اور اس کی چیزوں کو گہرائی کے ساتھ دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ کی موجودگی کو پالیں گے۔ پھر آپ خالق اور تخلیق کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کرسکیں گے۔ موجودہ دنیا میں انسان کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ اپنے پاس، اپنے قریب اپنے رب کو موجود محسوس کرلے۔ اگر احساس زندہ ہوگا تو سورج کی کرنوں میں اللہ تعالیٰ کا نور جگمگاتا ہوا دکھائی دے گا، پھر باغات میں ہرے بھرے درختوں کے حسین مناظر میں اللہ تعالیٰ کا روپ جھلکتا ہوا پائیں گے، پھر ہواؤں کے لطیف جھونکوں میں ربانی تجربات حاصل ہوں گے۔ آپ اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ کر دیکھیں، جب آپ اس احساس کے ساتھ اپنی پیشانی کو زمین پر رکھیں گے کہ اپنے رب عظیم کے سامنے جھکے ہوئے ہیں تو آپ کو اس کی موجودگی کا احساس ہوگا اور آپ کو یوں لگے گا جیسے آپ نے اپنے آپ کو رب کے قدموں میں ڈال دیا ہے۔

اسماء وصفات کو سیکھنے کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء وصفات کے توسط سے محسوس کرنے اور شعوری طور پر دریافت کرنے کے قابل ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں توفیق نصیب کردے (آمین)۔ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے وہ اسی کا دیا ہوا تو ہے، ذہن بھی اسی کا دیا ہوا ہے، وہ چاہے تو اس کو وہ صلاحیت عطا کرسکتا ہے جس کی وجہ سے ہم ظاہر میں چھپے ہوئے باطن کو دیکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ ''العفو'' ہے

آج کے دن ہم اللہ تعالیٰ کے جن اسماء وصفات کو دیکھیں گے، اس میں پہلا اسم، پہلا نام ''العفو'' ہے۔ اس کے معنی ہیں ''عافیت دینے والا، معاف کرنے والا''۔ تو اس جہان میں

وہ کون ہے!

جسے عافیت نہ چاہیے ہو؟

جسے اولاد کی عافیت نہ چاہیے ہو؟

جسے اپنے مال کی عافیت نہ چاہیے ہو؟

جسے اپنی ذات کی عافیت نہ چاہیے ہو؟

جسے گھبراہٹوں میں امن نہ چاہیے ہو؟

جسے ہلاکتوں کے درمیان رہتے ہوئے حفاظت نہ چاہیے ہو؟

جس سے گناہ سرزد نہ ہوتے ہوں اور اسے معافی نہ چاہیے ہو؟

ہر عقل مند انسان معافی اور عافیت کا طلب گار ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کو اپنے مال میں، اپنی جان میں اور اپنی اولاد میں کتنے ہی مصائب پیش آتے رہتے ہیں۔ کتنے ہی حالات ہیں جو ہمیں گھبراہٹوں میں مبتلا کرتے ہیں اور ہم اپنے دائیں بائیں، آگے پیچھے کتنی ہلاکتوں کو دیکھتے ہیں جو ہمارا انتظار کر رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے مولیٰ کی، اپنے رب کی تلاش میں ہے۔

جو گناہوں سمیت اسے قبول کر لے

جو اس کے گناہوں سے اسے پاک کر ڈالے

جو گھبراہٹوں اور ہلاکتوں میں اسے امن دے

جو مصائب سے اسے اپنی حفاظت میں رکھے

وہ عظیم ہے، وہ امن دے سکتا ہے، وہ حفاظت کر سکتا ہے اور وہ معاف کر سکتا ہے کیونکہ معافی اس کو پسند ہے۔ نبی ﷺ سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا تھا:

''آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ شب قدر کون سی ہے تو میں اس

میں کیا ورد کروں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ﴾

''اے اللہ! تو بہت زیادہ معاف کرنے والا، باعزت ہے، معافی کو پسند کرتا ہے مجھے معاف فرمادے۔'' (جامع ترمذی:3513)

کہاں میری ذات اور کہاں تیری ذات بابرکات ہے
تو خطاؤں کے منبع ومرکز، ادنیٰ انسان کو معاف کرسکتا ہے
اگر تو پاک نہیں کرے گا تو ہم کیسے پاک ہوں گے؟
اگر تو عافیت نہیں دے گا تو کون ہے جو ہمیں عافیت دے گا؟
تو امن نہیں دے گا تو ہم ہمیشہ گھبراہٹوں میں ہی مبتلا رہیں گے

ابو جعفرؒ نے کہا:

''یقیناً اللہ تعالیٰ معافی قبول کرتا ہے اور معافی اس کے لیے سہل ہے۔''

(اعراب القرآن:459/1)

یا اللہ! تو کریم ہے اور تیرے لیے معاف کرنا آسان ہے، تو ہمیں معاف کردے تو ایسا العفو ہے کہ صرف گناہوں کو معاف نہیں کرتا بلکہ گناہ مٹا ہی دیتا ہے اور تو ایسا العفو ہے کہ گناہوں سے درگزر کرتا ہے۔ یا اللہ! تو گناہوں کے اثرات مٹا دیتا ہے لہٰذا ہمارے گناہوں کو بھی ایسے مٹا دے کہ ان کے اثرات بھی باقی نہ رہیں۔ الٰہی! تو محمد ﷺ کو شفاعت کا موقع دینا کیونکہ دنیا میں تو ہم تجھ سے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں پھر بھی تیری شایانِ شان کام نہیں کر پاتے تو محمد ﷺ کو ہمارے گناہوں کی معافی کے لیے شفاعت کا اذن دے دینا۔

حافظ ابن قیمؒ النونیہ میں لکھتے ہیں: '' وہ العفو ہے، وہ وسیع عفو والا ہے، اگر وہ معاف

کرنے والا نہ ہوتا تو زمین کے رہنے والے غارت ہو جاتے۔

(النہج الاسمی۔ محمود النجدی: 2/205،212)

یا اللہ! اگر تو معاف نہ کرتا تو کون ہے جو تیری زمین پر بس پاتا؟ الٰہی تو نے ہم سے پہلوں کو معاف کیا اور معاف کرنا تیرا کمال ہے، یا الرحم الرحمین! آپ سے استدعا ہے کہ ہم سب کو معاف فرما دے۔ تیرے نبی نے ہمیں خبر دی ہے کہ تو نے فرمایا:

"اے آدم کے بیٹے جب تک تو مجھے پکارے جائے گا اور مجھ سے مغفرت کی امید رکھے گا میں تجھے بخشتا رہوں گا تو کسی کام میں ہے میں پرواہ نہیں رکھتا۔ اے آدم کے بیٹے اگر تیرے گناہ آسمان کے کناروں تک پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے بخشش مانگے میں تجھے بخش دوں گا اور میں پرواہ نہیں رکھتا۔ اے آدم کے بیٹے! اگر تو زمین بھر گناہ لے کر مجھ سے ملے کہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو تو میں اتنی ہی بخشش لے کر آؤں گا۔" (ترمذی:3540)

اے اللہ تو زمین بھر اور آسمان کے کناروں تک پہنچے ہوئے گناہوں کو معاف کر سکتا ہے، الٰہی! تو ہمیں بھی معاف فرما دے۔ الٰہی کتنی مصیبتیں ہیں جو ہمیں ہماری جان کے حوالے سے، ہمارے مال کے حوالے سے اور ہماری اولاد کے حوالے سے پیش آتی ہیں۔ الٰہی تو توبہ قبول کرتا ہے اور تو حفاظت فرماتا ہے، الٰہی! ہمیں اپنی جان مال اور اولاد کے حوالے سے جو مشکلات درپیش ہیں، جو ہمارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے ان سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ اے پاک پروردگار تو معاف نہیں کرے گا تو ہم کیسے تیری حفاظت میں آئیں گے۔ تجھ سے نسبت اور تیرے اس نام سے تعلق کا ہم سے یہ تقاضا ہے کہ ہم بھی معاف کر دیں، ہم بھی درگزر کریں جیسے سورہ النور میں تو نے فرمایا:

﴿وَلۡيَعۡفُوۡا وَلۡيَصۡفَحُوۡا﴾ (النور:22)

”اور لازم ہے کہ وہ معاف کر دیں اور لازم ہے کہ وہ درگزر کریں۔“

الٰہی معافی تجھے پسند ہے، تو ہمیں معاف کرنے کی توفیق عطا فرمانا اور درگزر کرنے والوں میں ہمیں شامل فرما لینا۔ اے پاک پروردگار تو نے اپنی پاک کتاب میں فرمایا ہے کہ:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾ (الاعراف:199)

”آپ درگزر اختیار کریں اور نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کریں۔“

اے پاک پروردگار تو ہمیں اپنے اس حکم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمانا۔

الٰہی تیرے نبی کا فرمان ہے اور انہوں نے ہمیں نصیحت کی ہے کہ سوتے وقت یہ دعا کیا کریں۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو بتایا کہ جب تم بستر پر جاؤ تو یہ دعا پڑھا کرو:

﴿اَللّٰهُمَّ خَلَقْتَ نَفْسِيْ وَأَنْتَ تَوَفَّاهَا ، لَكَ مَمَاتُهَا وَمَحْيَاهَا ، إِنْ أَحْيَيْتَهَا فَاحْفَظْهَا ، وَإِنْ أَمَتَّهَا فَاغْفِرْ لَهَا ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ﴾

”اے اللہ! تو نے ہی میری جان کو پیدا کیا اور تو ہی اسے موت دے گا، تیرے ہی لیے جینا اور تیرے لیے مرنا ہے۔ اگر تو اس کو زندہ کر دے تو اس کو اپنی حفاظت میں رکھ اور اگر مار دے تو اس کو بخش دے۔ اے اللہ میں تجھ سے عافیت کا سوال کر رہا ہوں۔“ (مسلم:6888)

ان سے اس شخص نے پوچھا کہ تم نے یہ دعا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سنی ہے؟ تو انہوں نے کہا بلکہ ان سے سنی ہے جو سیدنا عمر سے بہتر تھے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اے پاک پروردگار! ہمیں ہر رات اس کی توفیق دینا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی دعا آپ کے آگے رکھ سکیں۔

نبی ﷺ ایک دعا کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ نے یہ دعا اس وقت سکھائی جب ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ جب میں اپنے رب کریم سے سوال کروں تو کیا مانگوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دعا کیا کرو

﴿اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ﴾

''اے اللہ! مجھے بخش دے، اور مجھ پر رحم فرما دے، اور مجھے عافیت دے، اور مجھے رزق دے۔''

''پھر آپ ﷺ نے انگلیاں بند کیں سوائے انگوٹھے کے اور فرمایا یہ کلمات تیرے لے دنیا اور آخرت کو جمع کردیں گے۔'' (مسلم:6851)

الٰہی ہر ایک اپنے لیے تو معافی چاہتا ہے لیکن معاف کرنا اور درگزر کرنا نہیں چاہتا حالانکہ درگزر کرنے والے ہی کامیاب ہیں اور جو دوسروں سے درگزر کرتے ہیں وہ آپ کی عافیت میں آجاتے ہیں۔ الٰہی! ہم تیرے نام سے نسبت چاہتے ہیں تو ہمیں درگزر کرنے کی توفیق عطا کردے۔

اللہ تعالیٰ ''الباری'' ہے

اللہ تعالیٰ کے اسم ''الباری'' کے معنی ہیں ''نئے سرے سے پیدا کرنے والا''۔

وہ ہر چیز کے لیے مواد بھی فراہم کرتا ہے، ہر ایک چیز کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے اور ہر ایک چیز کا ڈیزائن بھی وہی بناتا ہے۔ وہی بنانے والا ہے، وہی پیدا کرنے والا ہے اور اس کے کچھ ناموں میں کتنا گہرا تعلق ہے۔ سورہ حشر کی آیت نمبر 24 میں رب العزت کا فرمان ہے:

﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾

''وہی اللہ تعالیٰ ہے، خاکہ بنانے والا، وجود میں لانے والا، صورت گری کرنے

والا ہے، سارے اچھے نام اُسی کے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، وہ مخلوق کے سارے حالات سے واقف ہے اور اس کی خلاقیت کا ہر پہلو نمایاں اور اجاگر ہے۔ اس نے ہر چیز کو بنایا، اسے حسن و جمال عطا کیا اور دنیا میں ہر زندہ چیز کی تخلیق اور ترویج کے نظام کو تو دیکھئے مثلاً ایک بیج سے کیسے پودا بنتا ہے اور کیسے چھوٹا سا جنین ایک حیرت انگیز جاندار میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

سورہ الاعراف میں رب العزت نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ﴾ (الاعراف:11)

”اور بلاشبہ یقیناً ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے کس طرح سے انسان کو پیدا کیا، نطفے سے جمے ہوئے لہو تک، پھر بے شکل کی بوٹی تک، پھر کس طرح سے اس جنین میں اللہ تعالیٰ زندگی پیدا کرتے ہیں۔ پھر کیسے ماں کے پیٹ کے اندر زندگی کے مراحل طے ہوتے ہیں اور کس طرح سے ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اپنی خلاقیت میں یکتا ہے، اس کی تخلیق کتنی خوبصورت ہے اور وہ کیسے ہر چیز کا ڈیزائن بناتا ہے۔ اپنی آنکھ کی ساخت کو دیکھئے، اپنے کان کی ساخت کو دیکھئے، اپنی ناک کی ساخت کو دیکھئے، اپنے ہاتھوں کی ساخت کو دیکھئے۔ کیسے اس نے ہڈیوں کا ڈھانچہ کھڑا کیا، کیسے ان کو جوڑا ہے اور کیسے ان کے درمیان تعلق قائم کیا ہے۔ پھر اس کے لیے ہڈیاں اور جوڑ بنائے اور جوڑوں کے درمیان کا مواد کس طرح سے لچک پیدا کرتا ہے، ہڈی ہے لیکن کیسے گھومتی ہے۔

آپ اپنے ہاتھ کو موڑ کر دیکھیں آپ کی انگلیاں حرکت کرتی ہیں، آپ کی کلائی حرکت کرتی ہے، آپ کی کہنی حرکت کرتی ہے، آپ کے کندھے حرکت کرتے ہیں، آپ کے پاؤں اور آپ کے گھٹنے بھی حرکت کرتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے خاص

ڈیزائن کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ الباری ہے اور جس کی ہم تخلیق ہیں اس کے ساتھ نسبت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے اعمال کو اسی طرح سے ادا کریں جیسے اس نے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔رب جلیل و کریم سے دعا ہے کہ جیسے اس نے ہماری ذات بنائی، ہمارا وجود بنایا، ایسے ہی ہمارے لیے اعمال بھی ڈیزائن کیے ہیں تو ہمیں ان اعمال کو اسی طریقے سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے جیسے اس نے ہمارے لیے طے کر دیا ہے (آمین)۔

اللہ تعالیٰ ''البصیر'' ہے

ہمیں اللہ تعالیٰ نے آنکھیں عطا کی ہیں، اس آنکھ سے ہم جہان کو دیکھتے ہیں اور یہ آنکھ کیا کچھ دیکھتی ہے؟

یہ آنکھ رنگ دیکھتی ہے
یہ آنکھ روشنی کو دیکھتی ہے
یہ آنکھ پودوں کو دیکھتی ہے
یہ آنکھ جانوروں کو دیکھتی ہے
یہ آنکھ انسانوں کو دیکھتی ہے
یہ آنکھ آسمان پر ستاروں کو دیکھتی ہے
لیکن یہ آنکھ اپنے رب کو نہیں دیکھتی
اور وہ رب ایسا ہے جو نگاہوں کو پالیتا ہے

اس حوالے سے قرآن حکیم کی یہ آیت اتنی خوب صورت لگتی ہے جس میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ (الانعام:103)

”نگاہیں اس کو پا نہیں سکتیں اور وہ سب نگاہوں کو پا لیتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ ”البصیر“ ہے، وہ ایسا دیکھتا ہے کہ انسان کی نگاہ جس سوچ سے اٹھی ہے وہ اس سوچ کو بھی دیکھ لیتا ہے، اسے اس سوچ کے بارے میں بھی علم ہے۔ ہم دیوار کے پار نہیں دیکھ سکتے اور رب العالمین ایسا ”البصیر“ ہے جس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جہان کو پیدا کیا اور ہر ایک چیز کو متناسب انداز میں پیدا کیا ہے۔ وہ ہر ایک چیز کی خبر گیری کر رہا ہے، وہ ہر ایک چیز کو دیکھتا ہے اور وہ کیسا دیکھنے والا ہے کہ کوئی چیز اس سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ ہر ایک چیز اس کی نگاہ میں ہے، کیا آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ کچھ بھی اس سے چھپا ہوا نہیں ہے اور اس نے اپنے بارے میں فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾

(الحدید:4)

”وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر بلند ہوا، وہ جانتا ہے جو زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اُس میں چڑھتا ہے اور جہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُسے خوب دیکھنے والا ہے۔“

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا احساس کیسے دلایا تھا:

﴿یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ﴾ (لقمان:16)

”اے میرے چھوٹے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے وزن کی ہو، پس وہ کسی

چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں تو اللہ تعالیٰ اُس کو لے آئے گا۔“

آپ کسی ذرّے کو ہاتھ میں لے سکتے ہیں؟ آج تجربہ ضرور کیجئے گا، اس ذرّے کو زمین میں گرا کر، اسے ہوا میں اڑا کر دیکھیں کہ وہ کہاں گیا، ہماری نگاہوں سے تو وہ بہت جلد چھپ جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے کبھی چھپ ہی نہیں سکتا۔ کوئی رائی کے دانے کے برابر ذرّہ آسمانوں میں ہو، سوچیں ستاروں، سیاروں، بڑی بڑی کہکشاؤں کے درمیان کہیں ایک ذرہ چلا گیا تو وہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے نوٹس میں ہے، اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے۔ پھر وہی ذرہ زمین پر آ گیا اور کسی چٹان کے نیچے، زمین کے نیچے چلا گیا تو تب بھی چھپ نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے۔

وہ کیسا دیکھنے والا ہے؟

ظاہر کو بھی دیکھتا ہے، باطن کو بھی دیکھتا ہے اور وہ ظاہری عمل کے معاملات کو نیتوں سے جوڑ کر دیکھتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ کس کے دل میں کیا ہے۔ کوئی باریک سے باریک چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے چاہے بلندیوں میں ہو یا پستیوں میں، وہ تو سیاہ چیونٹی کے قدموں کی آہٹ بھی سنتا ہے اور وہ اسے بھی دیکھتا ہے جو سیاہ رات کی تاریکی میں دور کسی پتھر پر چل پھر رہی ہو۔ وہ چیونٹی کے، مچھر کے اندرونی بیرونی تمام اعضاء، اس کی کمال درجے کی ساخت تک ہر چیز کو دیکھتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ رگوں میں لہو کیسے دوڑتا ہے۔ وہ درختوں کے پتوں کے اندر چھپے مادے تک کو جانتا اور پہچانتا ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے سارے اعمال سے خوب واقف ہے۔

وہ ان فقیروں کو بھی دیکھتا ہے جو دھکے کھاتے ہیں، وہ امیروں کو بھی دیکھتا ہے جو ان پر ظلم کرتے ہیں جن کی روزی اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں لکھ دی ہے اور وہ بادشاہوں

کے حالات سے بھی واقف ہے۔ وہ ہماری دن رات کی مصروفیات سے آگاہ ہے، اسے تب بھی معلوم ہوتا ہے جب ہم تنہائی میں ہوتے ہیں اور وہ تب بھی دیکھتا ہے جب ہم کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں۔ کس وقت ہماری زبان کیا کہتی ہے، ہمارے دل میں کیا ہوتا ہے، وہ سب جانتا ہے۔ وہ ہمارے اعمال، ہماری روح ہر ایک چیز کو جانتا ہے اور دیکھتا ہے۔

اپنے بصیر ہونے کے تصور سے وہ کیسا تعلق قائم کروانا چاہتا ہے؟

کہ ہم اس کے دیکھنے کے احساس سے اس کے سامنے جوابدہی کے لیے تیار ہو جائیں۔

نبی ﷺ نے یہی تو سکھایا تھا جب سیدنا جبریل علیہ السلام نے آپ سے پوچھا:

﴿مَا الْإِحْسَانِ﴾

"عبادت کا حسن کیا ہے؟"

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ﴾

"تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ درجہ نہ حاصل ہو تو پھر یہ تو سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔" (بخاری:50)

صفت بصیر پر کامل ایمان زندگی کے مصائب و آلام میں صبر اور استقامت کا سبق دیتا ہے۔ ہمیں کٹھن حالات سے، مشکلات سے مقابلہ کرنے کی توفیق دیتا ہے اور اسی سے ہماری عبادت اپنی احسن شکل میں آتی ہے۔ جتنا اللہ تعالیٰ کے "البصیر" ہونے پر یقین پختہ ہوتا ہے اتنا ہی انسان عبادت گزار ہوتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے ہمیں اپنے بصیر ہونے کا یقین نصیب فرمادے، اس طرح کہ ہم ہر عمل کو اس کی نظروں کے شعور کے ساتھ انجام دیں (آمین)۔ کیسے وہ ہر ایک چیز کو دیکھتا ہے، کیسے وہ اپنی نظروں کا شعور دیتا ہے اور کیسے وہ

ہمیں توجہ دلاتا ہے کہ میرے دیکھنے کا یقین رکھو گے تو تمہارے اعمال کی کوالٹی اچھی ہو جائے گی۔ الٰہی تو ہمیں بھی یہ یقین رکھنے کی توفیق عطا فرمانا (آمین)۔

اللہ تعالیٰ ''الباسط'' اور ''القابض'' ہے

اللہ تعالیٰ کا خوبصورت نام ''الباسط'' جس کا مطلب ہے ''خیر کثیر عطا کرنے والا''

اور اللہ تعالیٰ کے نام ''القابض'' کا مطلب ہے ''روک دینے والا''

اس پاک ذات کے یہ دو نام ہیں ''الباسط اور القابض'' جو مختلف معانی رکھتے ہیں مگر ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خیر کثیر عطا کرنے والا ہے جو اپنے بندوں میں خیر بانٹتا ہے، بندے اس کے محتاج ہیں اور ان کی ضروریات اپنے رب سے وابستہ ہیں۔ وہ کتنا فیاض ہے کہ مانگنے والے کو بھی دیتا ہے اور بن مانگے بھی دیتا ہے۔ اپنی زندگی پر غور کریں کہ کب سے اس نے زندگی جیسی دولت دے رکھی ہے، کب سے اس نے اس وجود میں روح پھونک رکھی ہے اور جب سے پیدا ہوئے سانس لے رہے ہیں۔

سانس کی صلاحیت کون دیتا ہے؟

ہمارے حواس خمسہ کس نے عطا کیے ہیں؟

کون ہے جو ان حواس کو ہمیشہ کام کرنے کی توفیق دیتا ہے؟

سورہ البقرہ میں رب العزت نے فرمایا:

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (البقرہ:245)

''کون ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے؟ سو وہ اس کو بڑھا چڑھا کر اس کے لیے کئی گنا کر دے اور اللہ تعالیٰ ہی تنگی اور کشادگی پیدا کرتا ہے اور اُسی کی طرف تم

لوٹائے جاؤ گے۔“

اللہ تعالیٰ ہی ہے جو خیر کثیر بھی عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنی خیر کا سلسلہ روک بھی دیتا ہے۔ نبی ﷺ نے ایک بار مسلمانوں کو اکٹھا کیا، اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی، پھر اس کی دو خوبیوں کے حوالے سے اور ان کے وسیلے سے دعا کی:

﴿اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ، اللّٰهُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ، وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ، وَلَا هَادِيَ لِمَنْ أَضْلَلْتَ، وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَ، وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ، اللّٰهُمَّ ابْسُطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ، وَرَحْمَتِكَ، وَفَضْلِكَ، وَرِزْقِكَ﴾ (احمد:15492)

”اے اللہ! سب تعریف تیرے لیے ہیں۔ اے اللہ! اسے کوئی تنگ کرنے والا نہیں ہے جسے تو کشادہ کر دے، اور اسے کوئی کشادہ کرنے والا نہیں ہے جسے تو تنگ کر دے، اور اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے جسے تو گمراہ کر دے اور اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے جسے تو ہدایت دے دے، اور اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے جسے تو روک دے اور اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے جسے تو عطا کر دے۔ اور اسے کوئی قریب کرنے والا نہیں ہے جسے تو دور کر دے اور اسے کوئی دور کرنے والا نہیں ہے جسے تو قریب کر دے۔ اے اللہ! اپنی برکت، رحمت، فضل اور رزق کو ہم پر کشادہ کر دے۔“

اللہ تعالیٰ کے ان ناموں سے تعلق کے لئے اپنی ہر ضرورت کے موقع پر انہی ناموں کے وسیلے سے دعا کرنی چاہیے۔ وہ فیاضانہ برتاؤ کرے گا کیونکہ وہ بہت خیر کثیر عطا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان ناموں کے حوالے سے کچھ اور اعتبار سے بھی محنت کرنے کی ضرورت ہے اور وہ بڑی اہم بات ہے کہ جیسے رب فیاضانہ برتاؤ کرتا ہے تو وہ ہم سے بھی توقع

رکھتا ہے کہ ہم بھی اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کریں۔ انسان دیتا ہے تو دیتے ہوئے رک جاتا ہے لیکن اسے اپنے مالک کی طرف دیکھ کہ یہ موقع مل سکتا ہے کہ وہ یقین کر لے اللہ پاک ایسا رب ہے جو دیتا ہے تو روکتا نہیں ہے۔ وہ دینے والا ہے اور اس نے کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا جیسے انسان جب کسی کو دیتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ کیا اب اسے ہماری عطا کا احساس ہے اور وہ اس احساس کے تحت ہمارا شکریہ ادا کرنے کے قابل ہوا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کے شکرگزار ہوں لیکن وہ دیتا تو ان کو بھی ہے جو شکرگزار نہیں ہوتے اور ان کو بھی دیتا ہے جو اس کے شکرگزار ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ''الرّب'' ہے

اللہ تعالیٰ کی صفت ''الرّب'' کے معنی ہیں ''نگہداشت کرنے والا''

قرآن حکیم کا آغاز اللہ تعالیٰ کے اس نام سے ہوتا ہے اور 925 مرتبہ قرآن حکیم میں رب کا تذکرہ آیا ہے۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الفاتحہ:1)

''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے 2 پہلو ہیں: ایک عمومی اور ایک خصوصی

عمومی پہلو:

اللہ تعالیٰ رب ہے، وہ نگہداشت کرتا ہے، وہ مالک ہے، وہ اپنی مخلوقات کے معاملات کو منظم کرتا ہے اور اسی کی طرف سب اپنی حاجات کے لئے رجوع کرتے ہیں، یہ رب کریم کی ذات کا عمومی پہلو ہے۔

خصوصی پہلو:

اس کی ربوبیت کا خاص پہلو جو احکام بجالانے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے کہ وہ متقیوں کا رب ہے، وہ اہل ایمان کا رب ہے، وہ ایمان والوں کا تحفظ فرماتا ہے، وہ ہدایت دیتا ہے اور وہ انہیں صراط مستقیم پر استقامت عطا کرتا ہے۔ وہی ہے جو گناہوں سے درگزر کرتا ہے اور وہی ہے جس کو دعاؤں میں پکارا جاتا ہے۔

قرآن حکیم کی زیادہ تر دعاؤں کا آغاز ''ربنا'' کے الفاظ سے ہوتا ہے۔

لہٰذا جو ضرورت مند ہے

جو مشکلات میں گھرا ہوا ہے

اسے اپنے خالق کی قربت کو تلاش کرنا چاہیے

اور اپنے ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دینے چاہئیں

اسے پکارنا چاہیے:

ربنا! ربنا! اے میرے رب! اے میرے رب!

وہ ضرور سنے گا کیونکہ وہی تو پروردگار ہے، وہی تو ہمارا رب ہے اور وہ رب کتنا عظیم ہے، وہ رب کتنا رحیم ہے، وہ رب کتنا کریم ہے۔ وہی الاول ہے، وہی الآخر ہے، وہی الظاہر ہے اور وہی الباطن ہے۔

اللہ تعالیٰ ''الاول'' اور ''الآخر'' ہے

آپ جانتے ہیں ''الاول'' کون ہوتا ہے؟

جس پر دوسرے مرتب ہوتے ہیں

اس کی وجہ سے عمل کرتے ہیں

جیسے فلاں پہلے آیا پھر دوسرا آیا پھر تیسرا آیا اور جیسے سب سے پہلے آدم آئے، پھر نوح آئے، تو اول وہ ہے جو پہلے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے پہلے کچھ نہیں تھا اور سب سے پہلے وہ

موجود تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ایک نام ''الآخر'' ہے۔

یعنی جب کچھ نہیں ہوگا تب بھی اللہ تعالیٰ موجود ہوگا۔ ہر چیز کی انتہا کے بعد جہاں جہان ختم ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ تب بھی موجود ہوگا۔ جیسے کہ قرآن حکیم میں آتا ہے:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ (القصص:88)

''ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اُس کے چہرے کے۔''

ان دونوں ناموں کو ہم عمومی طور پر اکٹھا دیکھتے ہیں حتیٰ کہ نبی ﷺ نے انہیں اپنی دعاؤں میں بھی اکٹھا کیا ہے۔

خطابی کہتے ہیں کہ: ''جو ساری چیزوں سے پہلے تھا، جو مخلوق کے وجود میں آنے سے پہلے تھا وہ اولیت کا مستحق ہے کیونکہ جب وہ موجود تھا اس سے پہلے کچھ نہ تھا نہ اس کے ساتھ کوئی اور تھا۔'' (شان الدعاء:87)

الحویلیمی نے کہا: ''الاول وہ ہے جس سے پہلے کوئی نہ تھا اور الآخر وہ ہے جس کے بعد میں کوئی نہیں۔ قبل اور بعد دو انتہائیں ہیں، ایک موجودگی کی انتہا ہے اور ایک اختتام کی انتہا ہے۔ پھر جب نہ اس کے لئے کوئی ابتدا ہے نہ انتہا، تو کوئی وجود اس سے پہلے اور بعد میں ممکن نہیں، وہی اول ہے وہی آخر ہے۔'' (المنہاج:1/188)

ابن قیم نے کہا: ''وہ اول ہے، وہ آخر ہے، وہ ظاہر ہے، وہ باطن ہے۔ اس سے پہلے کچھ نہ تھا اور اسی طرح اس کے بعد میں کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بادشاہت والا ہے اسی طرح اس سے اوپر کچھ نہیں اور اس سے چھپی ہوئی کوئی چیز نہیں۔''

(النہج الاسمیٰ۔ محمود النجدی:2/138,133)

پھر اس کی ذات پر غور و فکر کریں تو ہمارے عظیم الشان خالق کی کتنی نشانیاں ہیں اور

اس کے ناموں سے ہمیں کیا کچھ پتا چلتا ہے۔

سہیل سے روایت ہے کہ جب ہم میں کوئی سونے لگتا تو ابوصالح اسے داہنی کروٹ پر سونے اور یہ دعا پڑھنے کا حکم دیتے ۔ ابوصالح اس دعا کو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے تھے اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے۔"

﴿اللّٰھُمَّ !رَبَّ السَّمَاوَاتِ وَرَبَّ الْأَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ،فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ،وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَ الْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ اللّٰھُمَّ !أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْ ءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْ ءٌ وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْ ءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْ ءٌ اقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ﴾

"اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کے رب! اے ہمارے رب! اے ہر چیز کے رب! زمین چیر کر دانے اور گٹھلی سے پودے اگانے والے، توراۃ، انجیل اور قرآن نازل کرنے والے، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ہر شر والی چیز کے شر سے، تو ہی ہر شر و فساد کی پیشانی اپنی گرفت میں لے سکتا ہے۔ تو ہی سب سے پہلے ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں ہے، تو ہی سب سے آخر ہے، تیرے بعد کوئی چیز نہیں ہے، تو سب سے ظاہر (اوپر) ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں ہے، تو باطن (نیچے و پوشیدہ) ہے تیرے سے نیچے کوئی چیز نہیں ہے، مجھ پر جو قرض ہے اسے تو ادا کر دے اور تو مجھے محتاجی سے نکال کر غنی کر دے۔" (مسلم:6889)

اس جامع دعا میں اللہ رب العزت کے چار نام آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے

تھا تو جس سے ہمارا تعلق ہے وہ اول ہے اور وہ ایسا ہے جو سب سے بعد میں بھی رہے گا۔ دعا تو اسی سے کرنی ہے جو پوری قدرت رکھتا ہے، جو ہر چیز پر حاوی ہے، اس سے اوپر کچھ نہیں، وہ الظاہر ہے اور اس سے زیادہ چھپا ہوا کچھ نہیں، وہ الباطن ہے۔ وہ ہمارے دل کے حالات تک کو جانتا ہے اور اس نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کا احاطہ ان چار چیزوں سے کیا ہے اور اس سے باہر کیا ہے؟ ہر ایک چیز ایک خاص زمانے، کسی خاص مقام کے ساتھ متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزیں واضح کر دیں، اول بھی آخر بھی، ظاہر بھی اور باطن بھی۔

بعید اس کے قریب ہے
غیب اس کے لئے حاضر ہے
اور پوشیدہ اس کے لئے اعلانیہ ہے

اس ذات سے ہمارا تعلق ہے جو ہر چیز پر حاوی ہے لہٰذا اسی سے اپنے لئے حفاظت کی دعا کرنی ہے اور اسی سے اپنی ضروریات کے لئے دعائیں کرنی ہیں۔ وہ ایسا الاول ہے جس کے بعد میں آنے والے اسی کے پیچھے ہیں، اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ اپنی مخلوقات میں سب کے سامنے ظاہر ہے۔ اس طرح کہ وہ اپنی مخلوقات سے چھپا ہوا بھی ہے اور چھپے ہوئے میں وہ موجود بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ ''الحیي'' ہے

اللہ تعالیٰ الحیي ہے، بہت حیاء کرنے والا، جو حیاء کی ساری خوبیوں سے متصف ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھیئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا شرم وحیا کرنا اور انسانوں کا شرم وحیا کرنا ایک برابر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حیا والی صفت کو سمجھنا انسانوں کی بس کی بات نہیں ہے لیکن یہ بات

ضرور ذہن میں رکھیے :

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ:11)

”اس جیسا کوئی نہیں ہے۔“

نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيمٌ﴾ (ابوداؤد:1488)

”بلاشبہ تمہارا رب بہت حیا والا اور سخی ہے۔“

یہ اس کی صفت حیا ہے کہ وہ گناہگار کو مہلت دیتا ہے اور وہ کیسا ستار ہے کہ بے حیائی کے کاموں کو آشکار نہیں کرتا۔ وہ گناہوں اور غلطیوں کی پردہ پوشی کرتا ہے، خلوص سے معافی مانگیں تو معاف کر دیتا ہے اور نبی ﷺ نے ہمیں یہ بھی بتایا:

﴿إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ﴾ (بخاری:282)

”یقیناً اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا۔“

لوگوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ کبھی اس خوف سے سب سے دور ہونے لگتے ہیں کہ کہیں ایسا کرنے سے ان کی توہین نہ ہو جائے، شہرت خراب نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ بہت عادل، بہت حکیم اور بہت بڑا منصف ہے۔ وہ تمام کمزوریوں اور خامیوں سے پاک ہے۔

حافظ ابن قیم اسلام کے سنہری ایام میں زندہ تھے اور وہ فرماتے ہیں: ”جو کوئی گناہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے شرما جائے تو اللہ تعالیٰ کو بھی روز قیامت اس سے ملاقات کے وقت سزا دیتے ہوئے شرم آئے گی۔“ (النونیۃ:2/227)

جب ہمیں اللہ تعالیٰ کی حیا والی صفت کے متعلق پتہ چل گیا تو ہمیں اس وقت کے تصور سے شرم آنی چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے عفو و درگزر پر ایمان کی تجدید ہونی چاہیے کیونکہ وہی تو ہے جو ہر وقت ہماری پکار سننے کے لئے موجود ہے۔ نبی ﷺ نے غسل

کرتے ہوئے بھی پوری طرح بے لباس ہونے سے روکا ہے اور اکیلے میں اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کے لئے کہا ہے۔ انسان کتنا نادان ہے کہ لوگوں کے سامنے گناہ کرنے سے رکتا ہے لیکن تنہائی میں کر جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے والے اپنے لباس کی طرف ضرور دیکھیں کہیں لباس تو ایسا نہیں جو حیاء کے تقاضوں کو پورا نہ کرتا ہو؟ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ گھر سے باہر نکلتے ہوئے حیا سے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔ ان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی کائنات کو دیکھیں تو نگاہیں وا کر لیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دیکھیں تو ان بندوں سے نگاہیں جھکا لیں۔

حیا کرنے والوں کو کب کب حیا کرنی چاہیے؟

برا سوچتے ہوئے حیا کرنی چاہیے

برا بولتے ہوئے حیا کرنی چاہیے

بری بات دل میں رکھتے ہوئے حیا کرنی چاہیے

بدگمانی سے حیا کرنی چاہیے

بغض، کینہ اور حسد رکھتے ہوئے حیا کرنی چاہیے

اپنی بڑائی کے احساس میں مبتلا ہوتے ہوئے حیا کرنی چاہیے

اور انسانی تعلقات میں بھی حیا کرنی چاہیے

انسان عمومی طور پر اپنے رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات رکھتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرتے ہوئے اور حدود سے نکلتے ہوئے حیا نہیں کرتے۔ حجاب اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق رکھنے کا طریقہ ہے اس لئے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو حجاب کروا دیا ہے۔ آپ کب پسند کریں گے کہ کیلا بے حجاب ہو اور کیا آپ اسے اس وقت پسند کریں گے اگر اس کے

چھلکے میں جو اس کا حجاب ہے کسی قسم کی خرابی آجائے؟ آپ یقیناً وہ کیلا خریدنا پسند نہیں کرتے ۔کیا سیب حیا والا نہیں ہے؟ آپ ساری سبزیوں کو دیکھئے، آپ سارے پھلوں کو دیکھئے، آپ اپنے وجود کو دیکھئے، جتنی زیادہ کسی کی حفاظت کی ضرورت ہے اتنی ہی وہ چیز زیادہ چھپی ہوئی ہے۔

اپنے دل کو دیکھئے پسلیوں کے اندر چھپا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے چھپایا ہے۔اپنے دماغ کو دیکھئے اس کے گرد جھلیاں ہیں، پھر جھلیوں کے اوپر کور یعنی کھوپڑی ہے، اس کے اوپر پھر کور یعنی جلد ہے، پھر بال ہیں۔ قیمت کے اعتبار سے ہی ہر چیز کو چھپایا جاتا ہے جیسے آپ قیمتی زیورات کو بھی تو چھپاتے ہیں۔ اللہ پاک نے عورت کو بھی قیمتی بنایا ہے اور مرد کی نسبت عورت سے حیا کا زیادہ مطالبہ کیا ہے۔ اگرچہ مرد سے بھی حیا کا مطالبہ ہے لیکن اگر عورت بے حجاب ہوجائے تو سوسائٹی میں شہوانی رو دوڑتی ہے۔

اگر ہم صفت حیا کو نہیں اپنائیں گے
تو اس حیا والے رب عظیم سے کیسے تعلق رکھیں گے؟

سورۃ یوسف میں اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کے حیا کے بارے میں بتایا گیا ہے اور اس وقت حیا کے خلاف پوری دنیا میں ایک مہم چلائی جاتی ہے valentine's Day کے نام سے، جو دو ایسے افراد کا قصہ ہے جنہوں نے حیا کا دامن تار تار کر دیا تھا۔اب سب لوگ اس دن میں اپنا کوئی نہ کوئی حصہ ڈالنا چاہتے ہیں، کہیں سرخ گلاب سے، کہیں کیک سے، کہیں کسی تقریب سے، کہیں سرخ لباس سے، کہیں سرخ غباروں سے اور کہیں سرخ اشتہارات سے کیونکہ ان کے نزدیک یہ سرخی حیا کی شہادت کی نشانی ہے۔

حیاء نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے جوانی تیری رہے بے داغ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے معاشرے میں حیا کو رواج دینے اور لوگوں کو حیا والے سے جوڑنے کی توفیق دے تا کہ ہم حیا اور اسلام کے خلاف چلنے والی اس مہم کو روک سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حیا والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

ALNOOR-PUBLICATIONS

اسماء وصفات الٰہی

کائنات کی عظیم ہستی

وہ جو مالک ہے

وہ جو رزق دیتا ہے

وہ جس نے پیدا کیا

وہ جو زندگی دینے والا ہے

وہ جس نے موت سے ہم کنار کرنا ہے

وہ جس نے سب کچھ بنایا پھر ہر ایک چیز کو اس کا راستہ دکھایا وہ کتنا عظیم ہے۔

وہ جو کبھی تھکتا نہیں

جسے کبھی نیند نہیں آتی

جسے کبھی اونگھ نہیں آتی

جو نفع اور نقصان کا مالک ہے

وہ جو عزت اور ذلت کا مالک ہے

وہ جسے جب چاہتا ہے عزت دیتا ہے

اور جسے چاہتا ہے ذلت سے ہم کنار کر دیتا ہے

وہ جو بادشاہت کا مالک ہے

جس کو چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے

اور جس سے جب چاہتا ہے چھین لیتا ہے

وہ جو رازق ہے، جو سب کچھ دینے والا ہے

اور وہی اپنے رزق کا حساب لینے والا بھی ہے

اللہ تعالیٰ باکمال ہے انسان جب اس کے کمال کو پالیتا ہے تو اس کی ذات میں گم ہو جاتا ہے اور جب اس کے کمال کو نہیں پا سکتا تو اپنے آپ میں گم ہو جاتا ہے۔ اس جہان میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک وہ جو رب کو ماننے والے ہیں اور ایک وہ جو خود کو ماننے والے ہیں۔ جو رب کو مانتے ہیں وہ اس کی مانتے ہیں اور جو خود کو مانتے ہیں وہ اپنی ذات کی مانتے ہیں، وہ اپنے آپ پر یقین رکھتے ہیں اور ہر اس چیز پر یقین رکھتے ہیں جس کو ان کی ذات یقین والا مان لے۔

عقیدۂ توحید یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان دراصل انسان کے اندر انقلاب لے کر آتا ہے۔ یہ زبان سے محض چند الفاظ کے ذریعے سے اظہار کر دینے والا معاملہ نہیں ہے۔ یہ ایسا عقیدۂ ہے جو اس طرح سے انسان کی شخصیت میں بھونچال لے آتا ہے جیسے نجاشی کے دربار میں سورہ مریم کو سن کر نجاشی کی ذات میں اور اس کے مقام میں زلزلہ آ گیا تھا۔ وہ کس مرتبے پر فائز تھا اور اسے کسی چیز کی کوئی پرواہ نہیں تھی، بس ایک ہی چیز کی پرواہ تھی۔

﴿رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ (المائدہ:83)

”اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، چنانچہ ہمارا نام گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔“

میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتی ہوں کہ:

اللہ تعالیٰ کی گواہی کو عرف عام میں کیا کہتے ہیں؟

گواہی دینے والے کو کیا کہتے ہیں؟

اور اس عمل کو کیا کہتے ہیں؟

گواہی دینے کے عمل کا نام دعوت الی اللہ ہے کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ جو رب کی ذات کی گواہی دینے والا ہو وہ گواہی کو اپنے اندر چھپا لے اور جب اس گواہی کا اظہار کرے تو

وہ داعی الی اللہ بن جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کو نہیں دیکھتا، اس کا اظہار نہیں کرتا، اس کے بارے میں نہیں سنتا وہی تو اندھے، گونگے اور بہرے کی طرح ہے، اسی کے بارے میں تو رب کہتا ہے۔

﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ﴾ (البقرہ:18)

''وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو وہ نہیں پلٹتے۔''

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات دیکھنے کے لیے
اس کی آنکھیں بالکل کام نہیں کر رہیں
اس کے کان اللہ تعالیٰ کی صفات کو سن نہیں رہے
اس کی زبان اللہ تعالیٰ کی صفات کا اظہار نہیں کر رہی

حالانکہ دنیا میں کرنے والا کام تو یہی ہے، ضرورت پر مبنی تو بہت سارے کام ہیں اور سارے ہی کام اپنی اپنی ضرورت کے لحاظ سے انسان کو کرنے ہیں لیکن اصل کام جو اس کی پیدائش کا مقصد ہے، جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا وہ یہی کام ہے۔آپ سب یہ بات اچھی طرح سے جان لیں کہ:

ہم سب اللہ تعالیٰ کے لیے پیدا کیے گئے ہیں
ہماری زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے
تاکہ ہمارے دل محبت اور تعظیم کے ساتھ اس سے جڑ جائیں

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہمیں اپنا گواہ بنایا ہے اور ہمارا کام اس کی گواہی دینا ہے۔جب کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچانتا ہے تو وہ اس کا گواہ بن جاتا ہے، ہر موقع پر خواہ کوئی موجود ہو یا نہ ہو۔مجھے ایک ایسے گواہ کی بات آپ کے سامنے رکھنی ہے جس کے سامنے کوئی بھی نہیں ہوتا تھا پھر بھی وہ حق کی گواہی دیتے تھے۔یہ مکہ کی سرزمین میں ہونے والا

واقعہ ہے جہاں آپ ﷺ پر ایمان لانے والے آپ کے عظیم ساتھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اتنا پیٹا گیا کہ ان کی آنکھیں، ان کا ناک، ان کے چہرے کے نقوش تک غائب ہو گئے۔ پھر ابن دغنہ نے انہیں اپنی پناہ میں لے لیا تو مکہ والوں نے ان کی پناہ کو تسلیم کر لیا اور شرط عائد کی کہ اب یہ باہر نہیں نکلیں گے بلکہ اپنے گھر میں رہیں گے لیکن جس کو صداقت کا پتہ لگ جاتا ہے وہ خاموش نہیں رہ سکتا۔

Where there is a will there is a way

جس کے دامن میں کچھ نہ ہو تو وہ تہی دامن کسی سے کیا بات کرے گا لیکن جس کا دامن بھرا ہوا ہو پھر اس کے اظہار کے راستے میں کون رکاوٹ بن سکتا ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی رکاوٹ کا خیال نہیں کیا اور اپنے گھر کے صحن میں قرآن حکیم کی تلاوت کرتے تھے۔ وہ اس قدر خوب صورت آواز میں تلاوت کرتے تھے کہ ان کے ارد گرد مکہ والوں کی خواتین اور بچے اکٹھے ہو جاتے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کا کلام ان کے سامنے تلاوت کرتے رہتے تھے اور وہ سب دل کی گہرائیوں سے اسے سنتے رہتے تھے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ اسلام کا دوسرا بڑا مدرسہ کون سا تھا؟

جہاں پر حق کی شہادت دی جا رہی تھی، جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھر تھا، جہاں کوئی طالب علم نہیں تھا صرف استاد تھا لیکن تعلیم کے اثرات مرتب ہو رہے تھے اور گواہی اپنے اثرات چھوڑ رہی تھی۔ بات یہ ہے کہ جس نے اپنے مولیٰ کو پہچانا ہو اس کے لیے کوئی اور پلان نہیں کرتا، اس کو بتانے والا کوئی اور نہیں ہوتا وہ ریموٹ کنٹرول سے نہیں چلتا۔ اس کے اپنے اندر آگ ہوتی ہے، وہ آگ اسے چلاتی ہے، اس کا ایندھن اسے چلاتا ہے اور وہ ہر موقع پر اپنے رب کا گواہ بن جاتا ہے۔ یہ گواہی کس طرح سے اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ ﷺ نے خود

دی اور دینی سکھائی کہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اظہار کریں۔

ہر کام کا آغاز بھی اس کے نام سے

اور ہر کام کا اختتام بھی اسی کے نام سے

اس کا شکر ادا کرتے ہوئے، کام کا آغاز کرنے سے پہلے اپنے آپ کو سلنڈر کرنا ہے کہ میری چاہت سے کچھ نہیں ہوگا اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کام ہوگا اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ کو اپنے لیے کافی سمجھنے کا اعلان کرنا ہے۔

﴿حَسْبِيَ اللهُ﴾ ''مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔''

اور دل کی گہرائیوں سے اس بات کا اعلان کرنا ہے کہ:

﴿حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾

''اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے اور وہ بہت ہی اچھا کارساز ہے۔''

کس نے یہ الفاظ کہے تھے؟

جس نے اپنے رب کریم کو پہچانا تھا اور جس سے رب العالمین نے سوال کیا تھا کہ:

﴿أَأَسْلَمْتَ﴾ ''کیا تم فرماں بردار ہو گئے؟''

کیا تم نے سلنڈر کر دیا؟

کیا تم نے اسلام قبول کر لیا؟

کیا اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا؟

تو جواب میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی فرماں برداری کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

﴿أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (البقرہ:131)

''میں جہانوں کے رب کا فرماں بردار ہو گیا۔''

میں نے اپنے آپ کو رب العالمین کے حوالے کر دیا اور کامیاب ہیں وہ جو اپنے آپ

کو رب العالمین کے حوالے کر دیں پھر دنیا کی کوئی طاقت ان کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ پھر اس کی صدا کو کوئی نہیں دبا سکتا نہ اس زمین پر، نہ آسمان پر، نہ زمین کے نیچے اور اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں آسکتی کیونکہ اسے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔

اس یقین کو دیکھیں محمد ﷺ اور اس کے ساتھی کے دل میں جب وہ غار ثور میں تھے، جس وقت اہل مکہ سروں پر آ کر کھڑے تھے اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ! اگر انہوں نے نیچے جھانک کر دیکھ لیا تو ہمیں پا لیں گے۔ یقین کی بات دیکھئے کہ کتنا دہشت ناک مرحلہ تھا اور بات کیا تھی؟ بات دراصل شہادت کی تھی اور وہ گواہی تھی جو دلوں کو بدلنے کی تاثیر رکھتی ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے کیسے اپنے ساتھی کی سوچ کو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف لگا یا اور ان سے پوچھا کہ

”اے ابو بکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو؟“ (بخاری:3653)

اس یقین کے ساتھ کون سی رکاوٹ راستے میں آسکتی ہے!

بلکہ اس یقین کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے

اور اس یقین کے ساتھ تو زنجیریں بھی ٹوٹ جاتی ہیں

قرآن حکیم میں اس کا تذکرہ آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ

﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبہ:40)

”غم نہ کرو! یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔“

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

یہ یقین دلوں کے اندر کیسے گھر کر جاتا ہے؟

اور یہ شہادت کس طرح سے عمل میں آتی ہے؟

ہم نے اسماء وصفات کا کورس اسی کھوج میں، اسی تلاش میں رکھا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت ہے، اس کی صفات پر غور وفکر ہے، مسلسل اور ہر وقت اپنے آپ کو پیغام دینے والا معاملہ ہے۔ انسان کے اندر کتنی نادانی ہے کہ وہ اپنی پریشانیوں کا پیغام خود کو دیتا ہے، اپنی بیماری کا پیغام خود کو دیتا ہے، اپنی ذات کی کمی اور کمزوریوں کا پیغام خود کو دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کیسے اپنے آپ کو ہر رات یہ پیغام دیتے تھے؟

﴿اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ ، أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ الْحَقُّ ، وَوَعْدُكَ حَقٌّ ، وَقَوْلُكَ حَقٌّ ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ ، وَالنَّارُ حَقٌّ ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ ، وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ ، وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ ، اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ ، وَبِكَ آمَنْتُ ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ ، وَبِكَ خَاصَمْتُ ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ ، فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ ، وَمَآ أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ ، وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَوْ لَآ إِلٰهَ غَيْرُكَ﴾ (بخاری:6317)

”اے اللہ! تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں تو آسمان وزمین اور ان میں موجود تمام چیزوں کا نور ہے، تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں تو آسمان اور زمین اور ان میں موجود تمام چیزوں کا قائم رکھنے والا ہے اور تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں، تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیرا قول حق ہے، تجھ سے ملنا حق ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، قیامت حق ہے، انبیاء حق ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ حق ہیں۔ اے اللہ! تیرے سپرد کیا، تجھ پر بھروسہ کیا، تجھ پر ایمان لایا، تیری طرف رجوع کیا، دشمنوں کا

معاملہ تیرے سپرد کیا، فیصلہ تیرے سپرد کیا، پس میری اگلی پچھلی خطائیں معاف کر۔ وہ بھی جو میں نے چھپ کر کی ہیں اور وہ بھی جو کھل کر کی ہیں تو ہی سب سے پہلے ہے اور تو ہی سب سے بعد میں ہے، صرف تو ہی معبود ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔"

سوچیں، غور کریں کہ آدھی رات کو نیند توڑ کر اٹھنے والا اپنے یقین کے لیے کیسے کام کرتا ہے؟

اے اللہ!

تیری ذات حق ہے

تیری بات حق ہے

تیری جنت حق ہے

تیری آگ حق ہے

تیری قیامت حق ہے

تیری ملاقات حق ہے

اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں

کہیں سے کسی موقع پر اللہ تعالیٰ کے رسول کو شبہ نہیں ہوا تھا کہ پتہ نہیں میں اللہ تعالیٰ کا رسول بھی ہوں یا نہیں؟ جانے میرا کام قبول بھی ہوگا یا نہیں؟ بے یقینی شک کو ظاہر کرتی ہے اور شک کے ساتھ شہادت نہیں دی جاسکتی۔ اپنے دلوں کے اندر تلاش کریں کہاں کہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کا یقین ہے تو آپ کو یہ جان کر بہت خوشی ہوگی کہ آپ کے دل کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ وسیع رحمت والا ہے۔ اس کی رحمت اس کی تخلیق سے ظاہر ہے اور اس کی تخلیق کی زندگی سے ظاہر ہے۔

یہ اس کی رحمت ہے کہ زبان بولتی ہے

یہ اس کی رحمت ہے کہ ہم سن رہے ہیں

یہ اس کی رحمت ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں

یہ اس کی رحمت ہے کہ ہمارا دل اور ذہن سوچتا ہے

یہ اس کی رحمت ہے کہ وہ ہمیں رشتے عطا کرتا ہے

یہ اس کی رحمت ہے کہ وہ ہمیں رشتوں کی محبت دیتا ہے

یہ اس کی رحمت ہے کہ وہ ہمیں اپنا کام کرنے کا موقع دیتا ہے

آپ اپنے دل کے اندر جھانک کر دیکھیں گے تو آپ کو رب کی ذات پر یقین ملے گا کہ وہ نہایت رحم والا ہے، اس کی ذات سراپا رحمت ہے اور اس نے اپنے اوپر رحمت کو لکھ لیا ہے، فرض کر لیا ہے۔ اس کی رحمت کے سو حصے ہیں جن میں سے ایک حصہ اس نے پوری دنیا میں تقسیم کر دیا ہے جس کی وجہ سے دنیا والے انسان، جانور، حیوان سب ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔ اس نے اپنے نام سے رحم کو مشتق کیا ہے، رشتے داری کا بھی الرحمن سے خاص تعلق ہے کہ جو رشتے داری کو جوڑتا ہے وہ رحمن سے جڑا رہتا ہے اور جو اسے توڑتا ہے وہ رحمن سے بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ آپ اپنے دل سے دیکھیں تو آپ کو یقین ملے گا، انتہاء درجے کا یقین کہ وہ بادشاہ ہے اور بادشاہ حقیقی ہے۔

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ (الملک:1)

”بڑا بابرکت ہے وہ کہ جس کے ہاتھ میں تمام بادشاہت ہے۔“

آپ اپنے ہاتھ کو دیکھیں اس میں کیا ہے؟

دنیا پر آپ کا کتنا کنٹرول ہے؟

کیا کسی چیز کا کنٹرول آپ کے پاس ہے؟

انسان چاہتا تو ہے کہ کنٹرول کرلے، آپ میں سے کس کس کا جی چاہتا ہے کہ وہ اپنی ہر چیز کو سنبھال کر رکھے؟ ہر عقل مند کا جی چاہتا ہے کہ اس کی کوئی چیز گم نہ ہو۔ انسان کے اندر کنٹرول کی خواہش ہے اور ہر عقل مند انسان اپنی تمام قیمتی چیزوں کو سنبھال کر رکھتا ہے۔ انسان کنٹرول چاہتا تو ہے لیکن آپ اپنے ہاتھ میں دیکھیں کہ کتنا کنٹرول ہے؟ ہاتھ میں کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں ہے۔ سوچیں اللہ تعالیٰ کے اختیار کے مقابلے میں بندے کے پاس کتنا اختیار ہے؟ کچھ بھی اختیار نہیں ہے بلکہ جو اللہ تعالیٰ چاہے وہ بندے کر لیتے ہیں اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں کر پاتے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تو بھرا ہوا ہے، وہ سب کچھ دے ڈالے پھر بھی ختم نہیں ہوتا۔ جو بھی لوگ مانگیں، پہلے، پچھلے، جن، انسان سب طلب کرتے رہیں، سب کی مانگ پوری کردے پھر بھی ختم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت، پورا کنٹرول رکھتا ہے۔

سانسیں آپ کی ہیں لیکن کنٹرول کس کا ہے؟

نظر اور آنکھ آپ کی ہے لیکن کنٹرول کس کا ہے؟

زبان آپ کی ہے لیکن وہ آپ سے اس پر کنٹرول چاہتا ہے اور ہم پابند ہیں کیونکہ اس نے کچھ اختیار دے رکھا ہے، انسان اس اختیار کا بھی ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ ہر بادشاہ کے اسکینڈلز بنتے ہیں اور ہمارے یہاں تو اسکینڈلز بننے کا سلسلہ بہت ہی من پسند ہے حالانکہ یہ سارا حرام کام ہے۔ دنیا کے بادشاہوں میں ایسی باتیں ہوتی ہیں کہ ان کے اسکینڈلز بن سکیں لیکن اللہ تعالیٰ ایسا بادشاہ ہے کہ اس کا کوئی اسکینڈل نہیں بن سکتا۔

﴿اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ﴾

ایسا بادشاہ ہے جو قدوس ہے

ایسا بادشاہ ہے جو ہر چیز پر نگہبان ہے

ایسا بادشاہ ہے جس سے ہر ایک کو امن ملتا ہے

ایسا بادشاہ ہے جس سے ہر ایک کو سلامتی ملتی ہے

آپ اپنے دل کے اندر سے دیکھیں کہاں کہاں اس کی بادشاہت کا یقین ہے۔ وہ یقین کا مقام ہے جہاں آپ اس کی بادشاہت کا حوالہ دے کر اس سے سوال کرتے ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی پہچان آپ کے لئے Point of Reference بن جائے کہ آپ اس کے توسط سے اس کے سامنے دست سوال دراز کر سکیں۔ اس کا مطلب ہے آپ کی ذات کو یقین ہے کہ وہ سچا بادشاہ ہے اور بادشاہ سے تو جو جی چاہے مانگا جا سکتا ہے لیکن دنیا کے بادشاہوں کے پاس اتنی قوت اور طاقت نہیں ہے، وہ ساروں کی مانگیں پوری نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ایسا بادشاہ ہے جس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آتی اور اس کی طاقت ایسی ہے کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

﴿فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ﴾ (البروج:16)

”وہ کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔“

اور انسان وہ نہیں کر سکتا جو وہ ارادہ کرتا ہے، اس حوالے سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بات پر غور کریں تو آپ کو سچائی ملے گی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ

”میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے اپنے رب کو پہچانا۔“

انسان کا ارادہ ٹوٹے تو اسے غم ہوتا ہے یا خوشی؟ غم ہوتا ہے لیکن اللہ والے کو غم نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ارادے پر میرا اختیار ہی نہیں تھا، اگر میرا اختیار ہوتا تو میں ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچاتا۔ اللہ تعالیٰ ایسا بادشاہ ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں، اس نے کس طرح سے توجہ دلائی ہے کہ دیکھو وہ ایسا بادشاہ ہے جو خالق ہے، ہر چیز تخلیق کرتا ہے۔ موت کو بھی اس نے تخلیق کیا ہے اور زندگی کو بھی اسی نے تخلیق کیا ہے، اس

لئے وہ تم سے مطالبہ کرتا ہے کہ تم بہت اچھے معیار والے کام کرو، احسن عمل کرو۔ اور وہ بادشاہ ایسا ہے جو مدبر ہے، ہر ایک چیز کی تدبیر اور انتظام کرنے والا ہے، وہ کہتا ہے آسمان پر نگاہ دوڑا کر تو دیکھو کیا رحمٰن کی تخلیق میں کوئی بے ترتیبی پاتے ہو؟

﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ﴾ (الملک:3)

''پھر تم نگاہ لوٹاؤ! کیا تم کوئی شگاف دیکھتے ہو؟''

بار بار نگاہ دوڑا کر دیکھو، تمہاری نگاہ تھک جائے گی اور نامراد پلٹ آئے گی اس لئے کہ اس بادشاہ کی تدبیر میں، انتظام میں، اس کی تخلیق میں کسی قسم کی کوئی بے ترتیبی نہیں ہے۔ وہ بادشاہ ایسا ہے جو سب کچھ عطا کرتا ہے اور یقین رکھنے والا کیسے اس کے آگے جھک جاتا ہے۔

﴿اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ﴾ (بخاری:6330)

''اے اللہ جس کو تو عطا کر دے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس سے تو روک دے اسے کوئی دینے والا نہیں ہے۔ کوئی دولت والا ایسا نہیں ہے کہ جس کی دولت اسے تیرے مقابلے میں کوئی فائدہ پہنچا سکے۔''

کسی کی دولت کی کوئی حیثیت نہیں
کسی کے حسن کی کوئی حیثیت نہیں
کسی کے اقتدار کی کوئی حیثیت نہیں
اور کسی کی ذات کی کوئی حیثیت نہیں

پھر حیثیت کس کی ہے؟

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (الحجرات:13)

”بیشک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔“

حیثیت تو تقوی کی ہے
حیثیت تو اس کی ہے جو متقی ہے
جو اللہ تعالیٰ سے امید باندھ سکتا ہے
جو اس رب سے ثواب کی امید رکھتا ہے
اور جو اس کے عذاب کا خوف بھی رکھتا ہے

اس امید اور خوف سے اس کے اعمال طے پاتے ہیں، ان کی وجہ سے اس کی حیثیت ہے اور اس کے ماسوا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا بادشاہ ہے جو ازل سے ہے ابد تک رہے گا، جو ظاہر بھی ہے، سب سے زیادہ چھپا ہوا بھی ہے اور وہ ایسا ہے جس کی ذات کو کبھی زوال نہیں آنا۔ ایک بادشاہ ایسا تھا جس نے اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کا یقین حاصل کر لیا تھا پھر جب اس کی موت آئی تو بوریہ ڈال کر زمین پر لیٹ گیا اور کہنے لگا:

”اے وہ بادشاہ جس کی بادشاہت کو کبھی زوال نہیں اس پر رحم کر دے جس کی بادشاہت جا رہی ہے۔“

اصل بات یہ ہے کہ وہ لازوال ہے اور اسی لازوال سے تعلق رکھنے والا کامیاب ہے۔ بندے کا کام صرف اتنا ہے کہ اس لازوال، بے مثال اور باکمال ہستی سے تعلق بنا لے، اس کو پہچان لے، اس کے آگے اپنا سر جھکا دے اور یہی تو وہ چاہتا ہے کہ

﴿قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه﴾

”آپ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جس کے پاس کسی قسم کی طاقت یا کسی قسم کا اختیار ہو اور سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ جب اختیار اس کے ہیں، جب طاقت اس کی

ہے،تو بندے کا کام کیا ہے؟

کہ وہ اختیار والے کے سامنے جھک جائے

اسماء وصفات کو سیکھنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ

ہم اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرسکیں

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑنے کے قابل ہوسکیں

اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر غور وفکر کرکے اس سے تعلق بنا سکیں

یہ بات بڑی اہم ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ اس پر غور وفکر کرنا بہت زیادہ ضروری ہے۔ اصل مقصد صرف اتنا نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں جان لیں، اسے پہچان لیں۔ اگرچہ یہ مقصد ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ:

ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذریعے اس کی عظمت اور اپنی بے بسی کو پالیں

کیونکہ جب تک آپ اپنی بے بسی کو نہیں پاتے، اپنے آپ کو عاجز محسوس نہیں کرتے تو اس رب کے سامنے جھکتے نہیں ہیں، اس سے دعائیں کرنے کے قابل نہیں ہوتے، اس کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار کرنے کے قابل نہیں ہوتے لہٰذا اس سے حقیقی تعلق بنتا ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کے غلام بن جائیں، ہم اس کی مان لیں اور جب تک انسان بے بس نہیں ہوتا اس وقت تک اس کی ماننے کے قابل نہیں ہوتا۔ نبی a کی ایک حدیث سے ہمیں پتا چلتا ہے اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں اور حافظ ابن کثیر تو کہتے ہیں کہ اسمائے حسنیٰ کی تعداد ''ایک ہزار'' تک ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟

ہم ان ننانوے ناموں کو کیا کریں؟

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے ان کا احصاء کیا (یعنی ان کو گنا) وہ جنت میں جائے گا۔'' (ترمذی:1461)

اگر چہ اس کورس کا مقصد یہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی صفات کو پہچان لیں، غور وفکر کرنے کے قابل ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اپنی بے بسی کو پالیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے قابل ہو جائیں۔ لیکن اصلاً ہم چاہتے ہیں کہ اس کے توسط سے اپنے رب کو راضی کرلیں، اس کے قریب ہو جائیں اور اس کی جنت میں پہنچ جائیں۔ اسمائے حسنیٰ کی معرفت اس مقصد کے لئے ہے کہ ہم جنت تک پہنچ جائیں اور جو لوگ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت ہی ان کے لئے طے کردہ معاوضہ ہے (ان شاء اللہ)۔ بلاشبہ جنت میں وہی لوگ جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی سچی معرفت رکھتے ہوں گے اور اگر آپ اپنا مقصد واضح نہیں کریں گے تو یہ علم گم ہو جائے گا کیونکہ آپ اس پر زیادہ دنوں تک غور وفکر کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔

اسمائے حسنیٰ پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اندر عبودیت کا شعور بیدار ہو جائے اور یہ شعور بیدار ہوتا ہے تو ربانی کیفیات پیدا ہونے لگتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ہمارے اندر ربانی کیفیات پیدا ہوں اور اسمائے حسنیٰ دراصل اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق کے لئے، ربانی کیفیات کے لئے مناسب اصطلاح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم یعنی سب سے زیادہ موزوں صورت میں پیدا کیا ہے، اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے رکھا ہے اور بغیر کسی نقص کے اس کائنات کا نظام چلتا چلا جا رہا ہے۔ جب انسان اپنے آپ کو دیکھتا ہے، پھر کائنات کو دیکھتا ہے تو اس کا دل اپنے رب العالمین کے لیے پکار اٹھتا ہے:

﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ﴾ (المومنون:14)

''سو بڑا ہی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ، بہترین پیدا کرنے والا ہے۔''

پھر ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں الحاد ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات میں لوگ الحاد کرتے ہیں مثال کے طور پر ہندوازم میں Formless God کا عقیدہ ملتا ہے اور جرمن فلسفی ہیگل کہتا ہے کہ روحِ عالم ہے، جہان کی روح ہے اور وہ World Spirit کے نام سے اسے یاد کرتا ہے۔ اسی طرح سے ایک اور فلسفی نے اسے Abstract Idea قرار دیا ہے اور یہ فلسفیانہ تصورات مذاہب میں بھی داخل ہوئے ہیں۔ یہ الحاد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس طرح سے نہ سوچنا جیسے اس نے کہا ہے بلکہ اپنی مرضی سے سوچنا۔

بڑی دلچسپ بات اس وقت میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں۔ ہماری ایک کلاس میں کچھ لوگوں نے پندرہ پارے مکمل کیے ہیں تو وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے پاس شام میں تھوڑا سا وقت گزاروں۔ جب میں ان کے پاس گئی تو انہوں نے بہت ساری باتیں میرے سامنے رکھیں جن میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ ہمیں WhatsApp پر ایک میسیج ملا ہے جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ جس وقت آپ سجدہ کریں اور زمین کی مٹی دیکھیں تو اپنی قبر کو دیکھیں اور جس وقت آپ سجدے میں ناک رکھیں تو اپنی ناک کے بارے میں سوچیں کہ یہی سب سے پہلے فنا ہوگی۔ اسی طرح سے تین، چار اور باتیں انہوں نے بتائیں اور ایک خاتون کہنے لگیں مجھے بہت فائدہ ہو رہا ہے کہ اس طرح سے میں اپنی نماز بہتر کرلوں گی۔

میں نے کہا آپ کو کیسے فائدہ ہوسکتا ہے اور کیسے ممکن ہے کہ اس طریقے سے فائدہ ہو جائے جو طریقہ محمد ﷺ کا نہیں ہے۔ اگر اس طریقے میں فائدہ ہوتا کہ ہم اپنی ذات پر غور وفکر کریں اور اپنی ذات اور کائنات کے اس تعلق کو پہچانیں تو اللہ رب العزت کی جانب سے، محمد ﷺ کی جانب سے ہمیں وہ طریقہ ضرور سکھایا جاتا لیکن اس نے یہ طریقہ نہیں سکھایا۔ وہ کہنے لگیں بتائیں پھر وہ کون سا طریقہ ہے؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ

نے نماز کی بہتری کے لیے یہ فرمایا تھا کہ جب آسمانوں سے اللہ تعالیٰ کا سب سے معزز فرشتہ زمین پر آیا اور اس نے یہ سوال کیا تھا:

﴿مَا الْإِحْسَانُ؟﴾ ''عبادت کا حسن کیا ہے؟''

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ﴾

''تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ درجہ نہ حاصل ہو تو پھر یہ تو سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔'' (بخاری: 50)

زندگی کے لیے یہ اصول یاد رکھیے، جب کبھی آپ کا حوالہ بدل جائے گا تو آپ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے نہیں سوچیں گے، اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں سوچیں گے اور خطا کھائیں گے۔ آپ کی ذات اس بوجھ کو برداشت نہیں کر پائے گی اور آپ کسی ڈپریشن میں چلے جائیں گے کیونکہ آپ کی سوچ مثبت نہیں ہے۔ آپ اس طریقے میں دیکھیے جو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے سکھایا، حوالہ کس کا ہے؟ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کا حوالہ ہے اور یہی بندے سے مطلوب ہے کہ اپنے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کو حوالہ بنائے، Point of Reference اس رب کریم کی ذات ہو، اپنی ذات کو بھی Point of Reference نہیں بنانا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کو اپنا گلنا سڑنا یاد رکھنا چاہیے، اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اپنے گلنے سڑنے کو یاد رکھنے کی وجہ سے انسان کے اندر اپنی ذات کی بڑائی ختم ہوتی ہے لیکن یہ بات درست نہیں ہے کہ نماز میں اللہ رب العزت کو سوچنے کی بجائے، اس کے سامنے اپنی پیشانی کو رکھنے کی بجائے کچھ اور باتیں سوچنے لگ جائیں۔ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، نماز اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی

کو ذہن میں رکھنا ہے، اسی کو اپنے سامنے محسوس کرنا ہے۔

میں اسماء وصفات کے حوالے سے اس بات کو اس لیے واضح کرنا چاہتی ہوں کہ اسماء وصفات کا سب سے گہرا اثر نماز پر ہوتا ہے۔ لہٰذا نماز جب ادا کرنی ہے تو اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے تصور کرنا ہے۔ اگر آپ اپنی نماز اور زندگی کے معیار کو بہتر بنانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے تصور کریں، آپ کی زندگی بدل جائے گی۔ آپ اپنے آپ کو گلاس ٹرا دیکھ کر اور محسوس کر کے بھی مطمئن رہیں گے، اپنی ذات کو اپنے سامنے محسوس کریں گے تو اپنے بارے میں اطمینان میں آئیں گے کہ میں اس کے سامنے اس کی عبادت کے لیے حاضر ہوں۔

پھر اس سوچ کے ساتھ آپ کچھ کر پائیں گے؟

اگر اپنے آپ کو مٹی کر لیں گے تو کیا کچھ کرنے کے قابل رہیں گے؟

سوچیں اللہ پاک نے آپ کو کتنا معزز مقام دیا ہے، اس کے رسول ﷺ نے بتایا ہے کہ اگر تم اسے نہیں دیکھتے وہ تو تمہیں دیکھتا ہے لہٰذا اس کی ذات کے تصور سے باہر نہیں جانا۔ ہماری ذات غور وفکر کے قابل نہیں ہے کہ ہم نماز کے دوران اس کے بارے میں غور وفکر کریں کیونکہ نماز میں تو ہم اللہ تعالیٰ ہی کے بارے میں غور وفکر کریں گے۔ یہ اللہ پاک نے آپ کو اعزاز دیا ہے کہ آپ نماز کے دوران اپنے رب کو اپنی آنکھوں کے سامنے تصور کرنے کے قابل ہوں۔ یہ مشکل نہیں ہے اور آپ یہ کر سکتے ہیں، آپ دنیا کی چیزوں کو تصور کر سکتے ہیں حالانکہ ان کی کیا ہستی ہے اور اپنے رب کو تصور نہیں کر سکتے۔ کیا جو لوگ آپ کے سامنے نہیں ہے ان کا تصور آپ کے ذہن میں آتا ہے؟ چلیں یہ تو مادی وجود ہے لیکن آپ سوچیں بچپن میں جب آپ کو کسی نے ڈرایا ہوگا کہ جن آ گیا اور اندھیرے سے ڈرایا ہوگا تو اس وقت کیا چیز تھی جو آپ اپنے تصورات میں لے کے آرہے تھے؟ کیا آپ نے جن دیکھے ہوئے ہیں؟ لیکن سب سے زیادہ آپ جن کو تصور کرتے ہیں، جب بھی کسی جن کی

بات آئے تو آپ فوراً اندر سے اور طرح کے ہوجاتے ہیں۔

آپ کے اندر صلاحیت ہے، ان دیکھی چیزوں کو آپ تصور کر سکتے ہیں۔لہٰذا اس رب کو تصور کریں گے، اس کی ذات کو اپنے سامنے محسوس کریں گے تو آپ کی نماز کا معیار بھی بدلے گا اور آپ کی زندگی کا معیار بھی اچھا ہوگا۔آپ کے اندر کبھی ڈپیرشن نہیں آئے گا بلکہ آپ کے اندر اطمینان آئے گا۔لوگ یہ نہیں سوچتے کہ کسی تصور سے انسان کی روح پر کتنے گندے اثرات پڑ سکتے ہیں اور کسی تصور سے اس کی روحانیت کتنی ترقی کر جاتی ہے۔جب آپ عملی طور پر دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تمام تعلیمات انسانیت کے حق میں مفید ترین پائیں گے اور اس کے بغیر ہم ایک متوازن زندگی بسر کرنے کے قابل ہی نہیں رہتے۔

میں ان سارے لوگوں کو جو WhatsApp پر آنے والے پیغامات پر یقین کرتے ہیں یا فیس بک، ویب سائٹ اور دنیا میں انٹرنیٹ کے ذریعے جتنی بھی معلومات مل رہی ہیں ان پر یقین کرتے ہیں ان سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ حق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور حق رسول اللہ ﷺ کی بات ہے۔ہر بات کا رشتہ ان سے جوڑ کر دیکھ لیں اور تحقیق کر لیں کہ واقعی تعلق جڑتا ہے تو اس کو قبول کریں اور باقی چیزوں کو قبول نہ کریں کیونکہ کسی انسان میں وہ فہم نہیں ہے۔نہ میری ذات اور بات حق ہے، نہ کسی اور کی ذات اور بات حق ہے، حق تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، حق رسول اللہ ﷺ کی بات ہے۔اللہ رب العزت نے ہر جگہ انسان کا اپنی ذات کے ساتھ تعلق جوڑا ہے اور اسماء وصفات کا کورس ہم نے اسی مقصد کے لیے رکھا ہے کہ آپ اپنے مالک کو پہچان جائیں، اپنی ذات کو پہچان جائیں اور اپنی ذات کا تعلق اپنے مولا، اپنے مالک کے ساتھ جوڑنے میں کامیاب ہوجائیں۔

قرآن حکیم میں اسماء حسنٰی کا جو تذکرہ ملتا ہے وہ ساری گمراہیوں کی تردید کرتا ہے، وہ

چاہے پہلے دور کی تھیں یا آج کے دور کی ہیں اور انسانوں کے ذہن کو خالص تصور دیتا ہے۔ اگر چہ وہ آنکھوں سے دکھتا نہیں ہے لیکن ایک لمحے میں انسان کہاں سے کہاں چلا جاتا ہے۔ میں ایک آیت آپ کے سامنے رکھوں گی اور مجھے لگتا ہے کہ اس وقت آپ اپنے آپ کو اچھے طریقے سے جانچنے کے قابل ہوں گے کہ اس کورس نے آپ پر کیا اثر ڈالا ہے۔ میں نے ایک مثال حدیث کے توسط سے دے دی ہے کہ Point of reference اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہر جگہ آپ کو یہی چیز ملے گی۔ اسی طرح سے میں چاہتی ہوں کہ اس آیت کے توسط سے آپ غور وفکر کریں تو اسی سے آپ کے ذہن کے اندر وسعت، آپ کی زندگی کے اندر وسعت آئے گی اللہ پاک نے فرمایا:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾

''نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں۔''

اب ہم تو اس کو نہیں پا سکتے لیکن اس رب العالمین نے انسان کی سوچ کو کہاں لگا دیا ہے؟

﴿وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾ (الانعام:103)

''اور وہ سب نگاہوں کو پالیتا ہے۔''

سبحان اللہ! انسان کی سوچ کو ایسی جگہ پر لے جا کر کھڑا کر دیا ہے جہاں وہ انکار کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ تمہاری نگاہ کب اٹھتی ہے، کب جھکتی ہے، وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔ اس آیت پر غور کر کے بتائیے کہ اس کے توسط سے اللہ تعالیٰ نے جو علم ہمیں دیا ہے، تو اس نے ہم پر کیا رحمت کی ہے؟ ہمیں کیسے اس نے سوچنا سکھایا؟ آپ اس آیت پر غور وفکر کر کے بتائیں گے کہ اس آیت کے توسط سے آپ کو اپنے اور اپنے رب کے بارے میں کیا ملا؟ وہ ہمارے بارے میں کتنا رحیم ہے، اس نے ہم پر کیا رحمت کی ہے؟ اپنی ذات کو چھپا

کر اس نے اپنے بارے میں علم دیا ہے۔ کیا اس طرح سے سوچ کر انسان اپنے رب کریم کی معرفت حاصل کر سکتا ہے؟ جیسے رب نے سوچنے کے لیے کہا کہ

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۖ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ (الانعام:103)

''نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ سب نگاہوں کو پالیتا ہے۔''

آپ اس کو تھوڑا سا سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تصور جو ہمارے ذہنوں میں راسخ کیا ہے اس کی کیا اہمیت ہے اور کیا آپ کو یہ علم ملا ہے کہ:

اس نے اپنی ذات کا تعارف کیسے کروایا ہے؟

اس نے اپنی ذات کی پہچان کیسے کروائی ہے؟

اس رب کریم نے ہمیں کہاں سے اٹھا کر کس کام پر لگا دیا ہے، سادہ سی بات اتنی ہے کہ ہم لوگ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تو دکھائی نہیں دیتا پھر اللہ تعالیٰ پر یقین کیسے کریں گے؟ ان دیکھی چیزوں پر یقین کرنا مشکل ہے اور سائنس بھی کہتی ہے کہ جو کچھ حواس خمسہ کے دائرے میں آتا ہے ان پر تو یقین کر سکتے ہیں لیکن ان دیکھی چیزوں پر کیسے یقین کریں گے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف یہ نہیں بتایا کہ وہ ہے اور وہ دیکھتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے واشگاف بتا دیا کہ تمہاری نگاہ تو اسے نہیں پاسکتی لیکن تمہیں اس کی نگاہ پالیتی ہے یعنی تم اس کی نگاہوں میں ہو۔

سائنس کہتی ہے کہ آپ کے حواس میں جو چیز نہیں آتی آپ اس کو کس طرح سے تصور کر سکتے ہو؟ آپ کے وجود کے اندر ایک ایسی چیز ہے کہ اگر اسے نکال لیا جائے یعنی آپ کی روح، جس کو آپ نہیں دیکھتے، جس کو آپ ثابت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ نکل جاتی ہے تو اس پنجرے (جسم) کو اٹھا کر مٹی میں دبا آتے ہیں۔ کیونکہ ہر ایک جانتا ہے کہ وہ نہیں ہے جس کی وجہ سے یہ پنجرہ کام کا تھا اور اس کو آپ دیکھ نہیں سکتے لیکن یقین رکھتے ہیں کہ اس کی وجہ سے آپ زندہ ہیں۔ آپ جسے ''میں'' کہتے ہیں اب وہ ''میں'' جسم نہیں ہے، ہم بول

رہے ہیں، ہم دیکھ رہے ہیں، ہم سن رہے ہیں، یہ سارا وجود جو کام کرتا ہے اگر روح نکال لی جائے تو کسی چیز کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

کیا روح کو سائنسی لحاظ سے ثابت کیا جا سکتا ہے؟ دیکھیں اس بات کا تو پتہ چلتا ہے، آلات بتاتے ہیں کہ جب تک زندگی ہوتی ہے تو ECG کی رپورٹ آتی رہتی ہے۔ آپ کی نبض چل رہی ہو تو پتہ چلتا ہے کہ زندگی ہے لیکن آپ اپنی روح کو خود بیان کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، آپ یہ وضاحت نہیں کر سکتے کہ وہ کیسی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ سارا ایسا نہیں ہے جس کو حواس سے محسوس کیا جا سکے۔ حواس کے دائرے سے باہر جو علم اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے دیا ہے اسی سے ہمیں نظر نہ آنے والی چیزوں کے بارے میں جو کچھ پتہ چلا وہی حق ہے۔

انسان بنیادی طور پر جذباتی مخلوق ہے اور وہ اپنے جذبات کا اظہار چاہتا ہے، اپنے جذبات کا اظہار کرنے کے لیے سیدنا نوح علیہ السلام کے دور میں بت بنائے گئے اور آج تک بتوں کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہمارے ہمسایہ ملک میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے اگرچہ اب یہ بہت پرانے رواج کا ہو گیا ہے۔ آپ سوچیں ایک ماں جو اپنے بچے سے بہت محبت رکھتی ہے اگر اس کا بچہ اس سے دور چلا جائے تو کیا وہ اس کی یادوں میں نہیں رہتا اور کیا اس کے ساری خصوصیات اس کے ذہن میں نہیں رہتیں؟ اب اگر وہ ماں اپنے جذبات کا اظہار کرنے کے لیے اپنے بچے کا ایک ماڈل بنا لے، اس پر پھول چڑھائے اور اس کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کرے تو کوئی اس کو عقل مند ماں کہے گا؟ لیکن اگر وہ اپنے بچے کے بارے میں اچھے جذبات رکھے اور اس کے بارے میں زبان سے اظہار کرے تو اس اظہار کو ضرور کوئی دانش مندانہ اظہار سمجھے گا۔

ہر ایک کو پتہ ہے کہ جب کسی کے لیے دل میں محبت ہوتی ہے اور انسان اس کو یاد کرتا ہے

تو اس کا تذکرہ کرتا ہے۔تو ایک ماں کا اپنے بچے کے بارے میں تصور کرنا کیا ہے؟ کیا یہ مادی ہے؟ اس تصور کو جو ایک ماں کے ذہن کے اندر موجود ہے کوئی حواس خمسہ سے ثابت کر سکتا ہے؟ یہ تصورات بذات خود بتاتے ہیں کہ سب کچھ ایسا نہیں ہے جس کو حواس محسوس کر سکیں اور اس دنیا میں نظر نہ آنے والی چیزیں یعنی غیب زیادہ ہے اور جو کچھ نظروں کے سامنے ہے وہ بہت کم ہے۔

اسماء وصفات کے حوالے سے ایک بات مجھے ہمیشہ سے بہت زیادہ پیاری لگتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے ہمارے لیے اپنی ایسی صفات دیں ہیں جن کو ہم اپنی یادوں میں بسا سکتے ہیں۔زندگی کے ہر موقع پر اس کی صفات کے حوالے سے اسے یاد کر سکتے ہیں، اس سے دعا کر سکتے ہیں، اس کی قدرت کو بیان کر سکتے ہیں، اس کی تعریف کر سکتے ہیں اور اس کی حمد بیان کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے دل و دماغ میں اس کی صفات کو جگہ دے، اپنی کمزوری کو محسوس کرے، عاجزی کے ساتھ اس کے سامنے جھک جائے، دنیا کی زندگی میں جو کچھ اس نے کہا ہے وہ کرتا چلا جائے اور جس سے روکا ہے اس سے رکتا چلا جائے۔

آپ بتائیں کہ کیا اسماء وصفات آپ کی زندگی میں کوئی کردار ادا کرتے ہیں؟ الحمد اللہ اسماء وصفات کا کورس کرنے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ایک تعلق تو تھا۔آپ نماز بھی پڑھتے تھے، آپ میں سے بہت سارے لوگوں نے قرآن پڑھا ہوا تھا، قرآن حفظ کیا ہوا تھا، آپ ایک اچھے گھرانے سے بھی تعلق رکھتے تھے، آپ حلال روزی بھی کھاتے تھے اور بہت سی نیکیاں جو آپ اپنی زندگی میں اب تک کر رہے ہیں وہ پہلے بھی کرتے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اسماء وصفات کے کورس نے آپ کو کیا دیا ہے؟ کیا فائدہ ہوا ہے اور اس کورس کو پڑھنے کے بعد کیا تبدیلی آئی ہے۔

طالبہ: میں نے ہر موقع پر اس کو Apply کیا ہے، اس کا بہت فائدہ ہوا ہے اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ جب دل کے اندر بھی خیال آتا تھا یا اس کو پکارتی تھی تو یہ یقین ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ سن لے گا۔ میں بچوں کے ساتھ بھی یہ بات کرتی تھی بلکہ اپنی امی کو بھی بتا رہی تھی ایسے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں بہت زیادہ مضبوطی آئی ہے۔

طالبہ: اصل میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو انسان کا تصور ہے وہ لاشعور میں تو ہے۔ قرآن حکیم سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ رب العزت نے یوم الست کو سب روحوں کو حاضر کیا تھا اور پوچھا تھا ''الست بربکم'' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے جواب دیا تھا ''بلیٰ'' کیوں نہیں۔ لاشعور میں جو کچھ پیوست ہے انسان چاہتا ہے کہ اس کو شعور میں لے آئے۔ اور الحمدللہ اسماء وصفات اس کے لیے انسان کی مدد کرتے ہیں اور انسان کی فطری ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔

طالبہ: اس کورس کے بعد ہر صورت حال میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو محسوس کرنا شروع کر دیا ہے کہ اگر کوئی خطرناک صورت حال بھی ہے تو اس کو ذہن میں رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ الرحمان ہیں اور اس میں بھی کوئی رحمت کا عنصر ہو گا۔ اس کا بھی فائدہ ہوا ہے اور دوسرا جو مجھے فائدہ ہوا ہے وہ یہ کہ ہر آیت میں جو اللہ تعالیٰ کا نام آتا ہے تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے کہ انبیاء نے بھی دعا مانگی تو اس حوالے سے مانگی ہے، کہیں پر ''العزیز'' کا تذکرہ اور کہیں ''السمیع'' کا تذکرہ ہے تو یہ بات میرے دل کو بہت پکڑتی ہے کہ حوالے کا چناؤ (Selection of Reference) بھی صورت حال کے مطابق ہے۔

استاذہ: یہ بہت ہی پیاری بات آپ نے کہی ہے کہ ''صورت حال کے مطابق وسیلہ منتخب کرنا'' ہے۔ دراصل میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ ہر آیت میں وہ حوالہ ضرور تلاش کریں۔ جب آپ اس پر غور کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کا حقیقی تعلق جڑے گا

اور جتنی آیات ہیں یعنی 6 ہزار سے زائد دفعہ تو آپ یہ کام کریں گے۔

طالبہ: مجھے اس کورس کی ہر کلاس کے بعد ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ایک دھندسی تھی جو چھٹ جاتی ہے، پھر ماحول صاف ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ایک ایک نام کو پڑھنے کا بہت فائدہ ہوا ہے۔ جب میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو سوچتی ہوں کسی محفل میں اور اکیلے میں بھی تو اس کا اتنا زیادہ فائدہ ہوا کہ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میری کوئی پریشانی اب پریشانی نہیں ہے، کوئی مسئلہ میرے لئے اب مسئلہ نہیں ہے۔ مجھے ایک رابطے کی مضبوطی کا احساس ہوتا ہے کہ وہ جو رحمان اتنا رحیم ہے، اتنی رحمتوں والا ہے، میرے لیے تو راستے اسی نے نکالنے ہیں۔ جو سب سے زیادہ فائدہ ہوا ہے الحمدللہ وہ یہ کہ مجھے محاسبے کا احساس ہوتا ہے اور وہ لمحہ لمحہ رہتا ہے، چاہے وہ معمولی سی چیز ہو کہ کوئی نہیں دیکھ رہا لیکن اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے۔

طالبہ: مجھے اس کورس سے جو سب سے زیادہ فائدہ ہوا ہے وہ یہ کہ میری ذہنی ترتیب تبدیل ہو گئی ہے یعنی جو کسی انسان نے اپنے لیے اور اپنی فیملی کے لیے بنائی ہوتی ہے۔ جیسے میں ایک ماں ہوں تو اپنے بچوں کو کہ دیتی ہوں میں آپ کے لیے یہ کروں گی، میں یہ یہ کچھ کر سکتی ہوں یا میں یہ دوائی کھا لوں تو مجھے اس سے آرام آجائے گا۔ میری یہ الجھن دور ہوئی ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور ہر بات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے اس کی نظروں کا احساس ہوتا ہے اور ہر رشتے میں اللہ تعالیٰ کی وجہ سے تعلق نظر آتا ہے (الحمدللہ)۔

طالبہ: اسماء وصفات کا کورس کرنے کے بعد میرے دل میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت پیدا ہو گئی ہے۔ اس سے پہلے میں کوشش کرتی تھی یعنی میں سوچتی تھی کہ ہمیں سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے لیکن میں کر نہیں پاتی تھی،

مجھے سمجھ نہیں آتی تھی کہ میں کیسے کروں۔کورس کے شروع میں آپ کی طرف سے یہ بات آئی تھی اور اب الحمد للہ، اللہ تعالیٰ کی اتنی زیادہ محبت محسوس ہوتی ہے اور دعاؤں پر یقین آیا ہے۔''السمیع'' کے بارے میں پڑھنے سے پہلے دعا کے باوجود ایک بے چینی سی لگی رہتی تھی، ایک مضطرب سا رویہ ہوتا تھا پھر بار بار دعا کرنا اور یہ کہنا کہ پتہ نہیں کب قبول ہوگی لیکن اب الحمدللہ اتنا زیادہ یقین اترا ہے دل میں کہ اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ محبت پیدا ہوگئی ہے (الحمدللہ رب العالمین)۔

طالبہ: 5,4 سال پہلے آپ نے کورس کروایا تھا تو میں نے دو دن کلاس لی تھی اور میں بڑی پریشان ہوئی تھی کہ میں آئی اور کورس ختم ہو گیا۔ اس وقت مجھے یہ پتا چلا کہ اسماء وصفات کا کوئی اس طرح کا کورس ہے، پہلے تو ہم یہی سمجھتے تھے کہ صرف نام یاد کرلیں تو جنت میں جائیں گے لیکن اس کی حقیقت کا پتہ نہیں تھا۔اب الحمدللہ میں نے یہاں آنا شروع کیا تو جو بھی آیت پڑھتے ہیں اس پر ایک بار نظریں رک جاتیں ہیں اور بندہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کے پیچھے کیا چیز ہے۔پہلے جب ہم قرآن پاک پڑھتے تھے تو اس کی گہرائی میں نہیں جاتے تھے۔اس سے بہت فائدہ ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے میری خواہش پوری کی ہے (الحمدللہ)۔

طالبہ: اس کورس کے حوالے سے ہمیں پتہ چلا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا نام رحیم ہے تو اس میں رحمت ہے اور سب سے زیادہ رحم کرنے والا وہی ہے۔ اسی طرح جیسے غفور ہے کہ اب جب بھی دعا مانگتے ہیں تو یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور ہے، یہ اس کی صفت ہے اور وہ ہمیں ضرور بخشے گا (ان شاء اللہ) اور پہلے ہم اسے صرف نام کی حیثیت سے جانتے تھے۔ دعاؤں میں بڑا فائدہ ہوا ہے یعنی رجوع کرنے کا صحیح طریقہ پتہ چل گیا ہے ۔

طالبہ: اس کورس سے پہلے میرے ساتھ یہ معاملہ تھا کہ جب بھی میرے دل میں کوئی خواہش ہوتی تھی تو میں سوچتی تھی کسی خاص آیت کو ایک سے زیادہ دفعہ پڑھ لیتی ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے ہونے کا احساس نہیں تھا۔ اسماء وصفات کو پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ہونے کا احساس ہوا ہے، اب میں کچھ بھی مانگتی ہوں تو مجھے یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے، سن رہا ہے اور وہ ضرور میری دعا سنے گا (ان شاء اللہ)۔

طالبہ: اسماء وصفات دراصل انسان کی فطری تلاش کا جواب ہے۔ اس کورس کے بعد مجھے یہ چیز محسوس ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اندر سے یہ خلا پر کیا ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہم جانتے تھے لیکن وہ چیز نہیں تھی، وہ شعور نہیں تھا اور اب الحمد للہ بہت زیادہ فائدہ ہوا ہے۔

طالبہ: دعاؤں میں رابطہ بہت زیادہ بہتر ہوا ہے اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کورس مکمل ہو گیا ہے لیکن ہمیں یہاں رک نہیں جانا چاہیے بلکہ اگلے دو سمسٹرز میں بھی یہ کورس جاری رہے۔

استاذہ: یہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ بار بار سیکھنے کا موقع ملے۔

طالبہ: مجھے پہلے اللہ تعالیٰ کے اسماوصفات کے بارے علم نہیں تھا کہ یہ کیسا علم ہے؟ اب جب مجھے علم ہوا تو جب بھی میں دعائیں مانگتی ہوں تو اللہ تعالیٰ کی تمام صفات یعنی الغفور، الرحیم، نام لے کر دعا مانگتی ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نام الجبار، المتکبر سے مجھے دعا مانگنی نہیں آتی، مجھے ان ناموں سے خوف آتا ہے۔ ان کے بارے میں میری تھوڑی رہنمائی کر دیں میں ان سے کیسے دعا مانگا کروں۔ مجھے آپ کی آخری والی بات سمجھ نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفاتی نام ہیں میں ان کو لے کر اپنی دعائیں مانگنی ہیں مثلاً اپنے رزق کے لیے دعا مانگنی ہے تو الرزاق کہہ کر دعا مانگیں۔

استاذہ: اصل بات یہ ہے کہ آپ کی جو ضرورت ہے اس کے مطابق آپ نے اللہ تعالیٰ کی صفت کے حوالے سے دعا کرنی ہے، مثلاً آپ کو رزق چاہیے تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ اے جبار مجھے رزق دے، ظاہر ہے آپ کا فکری رابطہ درست نہیں بنا۔ لٰہذا اگر آپ نے رزق مانگنا ہے تو الرزاق سے مانگنا ہے۔ الجبار وہ ہے جو ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے والا ہے تو جب آپ اپنی کوئی ایسی کیفیت دیکھیں مثلاً ٹوٹے ہوئے دلوں کو وہ جوڑ سکتا ہے، ٹوٹی ہوئی سوچ کو جوڑ سکتا ہے۔ اس کے غلبے کے حوالے سے ایسی چیز طلب کریں جس کا رابطہ اس کی صفت کے ساتھ جڑتا ہو پھر اس کا خوف نہیں آئے گا۔ کیونکہ وہ بڑا ہے لیکن جس طرح سے آپ خوف زدہ ہو رہی ہیں تو یہ طریقہ مناسب نہیں ہے۔ آپ کو تو اس بات پر اور اطمینان ہونا چاہیے کہ آپ ایک ایسے رب کی بندی ہیں جو اتنا زیادہ انسانوں پر غلبہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ غلبہ، وہ اختیار کسی اور کے ہاتھ میں نہیں دیا تو ہمیں اس کے اس اختیار پر اطمینان حاصل کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق کی وجہ سے انسان کے دل میں خشیت تو آتی ہے۔

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا﴾ (فاطر:28)

”درحقیقت اللہ تعالیٰ کے بندوں میں صرف علم رکھنے والے ہی اُس سے ڈرتے ہیں۔“

لیکن خوف پر محبت کو غالب ہونا چاہیے۔

استاذہ: الحمد للہ یہ حوالہ کتنا پیارا ہے۔ سائنس یہ کہتی ہے کہ ان دیکھی چیز کو ہم نہیں پا سکتے حالانکہ ان دیکھا تو آپ کے اندر ہے۔ آپ کی روح اور آپ کے سارے جذبات جس کا اظہار ہوتا ہے وہ سب ان دیکھے ہیں۔ غصہ کہاں ہے؟ کیا اس کا کوئی وجود

ہے؟ خوشی کا کوئی وجود ہے؟ ناامیدی کا کوئی وجود ہے؟ صرف اثرات نظر آتے ہیں اور جو اثر اڈالنے والی چیز ہے اس کو ہم مجسم صورت میں نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن ہر انسان جو صاحب فہم ہے وہ غصے کو محسوس کرتا ہے اور وہ اس کو پالیتا ہے، وہ ناامیدی کو پالیتا ہے۔ مجھے کسی نے کہا کہ ہماری امی کو جب غصہ آتا ہے تو ان کی ناک سرخ ہو جاتی ہے اور جب ان کی ناک سرخ ہونی شروع ہوتی تھی تو ہم اندر جا کر کنڈی لگا لیتے تھے۔ ہم چار بہن بھائی تھے اور ہم چاروں مل کر یہ طے کر لیتے تھے کہ اب جب تک امی کی ناک ٹھیک نہیں ہوگی ہم باہر نہیں آئیں گے۔ تو دیکھیں کہ ناک پر جو سرخ رنگ آیا ہے آپ اس کو ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ غصہ کی وجہ سے ہے۔ حالانکہ ہر ایک کو پتہ ہے اور خاص طور پر اپنی ماں کو تو سب ہی جانتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ ان دیکھی چیز کے بارے میں اب یہ وہم سائنس کو بھی نہیں رہ گیا کہ وہ سب چیزیں جو نظر آتی ہیں وہی حقیقت ہیں بلکہ اب ان دیکھی چیز زیادہ بڑی حقیقت ہے۔ آپ دیکھیں سائنس زیادہ تر کس کھوج میں ہے کہ وہ ان دیکھی چیز کو دیکھ سکے۔ اس مقصد کے لیے جتنی جدید تحقیقات ہیں کہ زمین سے باہر کسی ٹھکانے کی تلاش ہے یعنی مختلف سیاروں پر تحقیقات ہو رہی ہیں کیونکہ زمین والوں پر تحقیقات کر کر کے تھک چکے ہیں کہ زمین کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں رہ گئی۔ آپ خود اس چیز کو کتنا زیادہ محسوس کر سکتے ہیں کہ کل تک ہم کہتے تھے کہ اچھا اعمال نامہ کیسا ہوگا، اس میں کس طرح سے ریکارڈ ہوگا، کس طرح سے ساری چیزیں پتہ چلیں گی، انسان کی جلدیں کیسے گواہی دیں گی۔ آج کون سا انسان ہے جس کو نہ پتہ ہو کہ ریکارڈ کیسے بنتا ہے؟ کیا آپ کے پاس جو Message آتا ہے اس کا کوئی طبعی ذریعہ ہے؟ وہ کس طرح سے پہنچتا ہے؟ آپ امریکہ سے کوئی کتاب لینا چاہتے ہیں اور کچھ لمحوں میں آپ کے پاس پہنچ سکتی ہے اگر وہاں پر وہ کتاب موجود ہے۔

طالبہ: الحمد للہ پہلے بھی اسماء صفات کو پڑھنے کا موقع ملا، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی ہے۔ ایک دفعہ میری ملازمہ کی چھوٹی چھوٹی بچیاں گم ہوگئیں، اتنی فکر تھی کہ یا اللہ میں ان کو کس جگہ تلاش کروں تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

اللہ تعالیٰ آپ تو باریک بیں ہیں، آپ کو خبر ہے کہ وہ کہاں گئیں ہیں، ان کو لے آئیں۔ ایسے میں ساری رات دعائیں کرتی رہی، فکر تھی کہ بچیاں کسی غلط ہاتھ میں نہ چلی جائیں۔ اگلے دن دروازہ بجا اور پولیس والوں نے کہا کہ بچیاں یہاں سے گم ہوئی ہیں میں نے کہا ہاں تو انہوں نے کہا بچیاں آگئیں ہیں۔ میں نے کہا یہ پولیس والوں کا کام ہوگا تو پتہ لگا کہ ان کا کام نہیں تھا۔ کسی نے مجھ سے پوچھا کہ بچیاں کہاں رہیں رات کو تو میں نے کہا فرشتے لے گئے یعنی اتنے محفوظ ہاتھ میں رہیں اور واپس بھی آگئیں۔ مجھے اتنا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جس یقین سے پکاریں، جس نام سے بھی پکاریں، اس کی اتنی بڑی ذات ہے۔ ہم اس کو سمجھتے تو ہیں لیکن اس کا یقین دل میں نہیں اترتا۔ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو کتنی عمدگی سے یہ بات سکھائی۔

﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ﴾ (لقمان:16)

"اے میرے چھوٹے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے وزن کی ہو، پس وہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں تو اللہ تعالیٰ اُس کو لے آئے گا۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا﴾

''اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو اللہ کے رب، اسلام کو دین اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر (دل سے) راضی ہو گیا'' (مسلم:151)

یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب بنانے پر راضی ہو گیا۔ یعنی ایمان کا ایک ذائقہ ہے۔ جیسے کھانوں کے الگ الگ ذائقے ہوتے ہیں جیسے پھلوں کے ذائقے ہوتے ہیں۔ ہر پھل کا اپنا ایک ذائقہ ہوتا ہے جو دوسروں سے مختلف ہوتا ہے۔ جو ذائقہ آم کا ہے وہ کینو کا نہیں ہوتا۔ جو ذائقہ جامن کا ہے وہ چیری کا نہیں ہوتا۔ جب ہم کوئی پھل کھاتے ہیں تو اسی کا ذائقہ پاتے ہیں۔ یہی معاملہ ایمانی ذائقے کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جن مختلف حالات سے گزارتے ہیں ان حالات میں ان کے لیے ایمان کا اپنا مزہ ہوتا ہے۔ جب مومن پر مصیبت کے حالات گزرتے ہیں اور وہ صبر کرتا ہے تو ایمان کا مزہ پاتا ہے۔ جب اسے خوشی نصیب ہوتی ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور ایمان کا مزہ پاتا ہے۔ جو مزہ غم کے ذائقے میں ہے وہ خوشی کے ذائقے میں نہیں۔ جو ذائقہ بیماری میں ملتا ہے وہ صحت کی حالت میں نہیں ملتا۔ جو ذائقہ گم نامی کا ہے وہ ایمان کا مزہ شہرت میں نہیں۔

مختلف حالات میں ایمان کا جو مزہ ملتا ہے اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ ایمان والے کے اندر ایمان کی سمجھ اور اس کا سچا شعور ہو۔

سچی بات یہ ہے کہ ایمان کا مزہ اپنے آپ نہیں ملتا جیسے کوئی شخص پھل کا ذائقہ تب چکھ سکتا ہے جب کسی کی زبان میں Taste buds کام کرتے ہوں۔ اسی طرح ایمان کا مزہ

بھی اسے ہی ملتا ہے جس کے اندر ایمانی احساس زندہ ہو ۔ یہ احساس کیسے زندہ ہوتا ہے؟ کیسے یہ احساس زندہ اور بے دار رہتا ہے؟

کیسے ایمان، ایمان پلس بنتا ہے۔ کیسے ایمان کی حقیقت دل کی گہرائیوں میں داخل ہوتی ہے؟ کیسے ایمان شعور کا حصہ بنتا ہے۔ ایسا تبھی ممکن ہوتا ہے جب کوئی اپنے رب کو پہچانے اور اپنے شعور کی گہرائیوں سے جان لے کہ وہ بے بس بندہ ہے اور ساری بڑائیاں اور کمالات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ پھر یہ گہرا شعور اپنے رب کے در پر ڈال دے۔ جب کوئی گہرے شعور کے ساتھ رب کے در پر دستِ سوال دراز کرتا ہے تو اس کی ذات میں ایک زلزلہ برپا ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو جاتا ہے۔ پھر وہ رب کو اپنا سب کچھ بنا لیتا ہے۔ اس کا جینا مرنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی رب والی زندگی بن جاتی ہے۔